إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تمہیں صرف اس کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے (۵۲-۱۶)

عقیدہ ایصال ثواب کی دستری کڑی

مذاکرہ

مابین

محدث العصر جامع العلوم علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

(اور)

فقیہہ العصر شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و حواشی ——— مفتی محمد طاہر المکی

سوانحی تاثرات ——— مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۱-اے-۷ - بلاک نمبر ۱، ناظم آباد - کراچی ۰۰-۷۴۶

فون: ۶۲۱۴۴۹ — ۶۲۷۸۲۰

سلسلہ اشاعت نمبر ۲۰

اشاعت دوم

ماہ شوال ۱۴۱۷ھ ـــــ فروری ۱۹۹۷ء

نام کتاب ـــــ مذاکرہ (عقیدہ ایصال ثواب کی دوسری کڑی)
مابین علامہ تمنا عمادیؒ اور
مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

مرتبہ ـــــ نظام الدین خاں
کتابت ـــــ محبوب کریم صدیقی
صفحات ـــــ ۲۰۰ (دوسو)
تعداد کتب ـــــ ۶۰۰ (چھ سو)
قیمت مجلد ـــــ چالیس روپے (۴۰/۰)
مطبع ـــــ روحانی ڈائجسٹ پریس ناظم آباد۔کراچی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

پیش لفظ

یہ کوئی ستمبر ۱۹۵۱ء (ذی الحج ۱۳۷۰ھ) کی بات ہے کہ اہالیان محلہ بنسی بازار ڈھاکہ (سابقہ مشرقی پاکستان وحال بنگلہ دیش) نے علماء اسلام سے ایک سوال دریافت کیا تھا "کیا مُردوں کی طرف سے (ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کرنا قرآن وسنت سے ثابت اور جائز ہے؟ اور یہ کہ ائمہ مجتہدین، خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگردان خاص (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا اس بارے میں کیا فتویٰ تھا؟"

۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نے پاکستان کے مشرقی اور مغربی خطوں میں نقل مکانی کی۔ ان میں سرکاری ملازمین کے علاوہ تاجر، اہل حرفہ اور صاحب علم ودانش بھی شامل تھے۔ علماء کے طبقہ سے علامہ تمنا عمادی پھلواروی اور مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ چلے آئے۔ جب یہ فتوےٰ علامہ تمنا عمادی کے پاس پہونچا تو انھوں نے اپنے ایک طویل مکتوب میں سیر حاصل جواب مرحمت فرمادیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کو جب اس جواب فتوے کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کا جواب الجواب تحریر فرمایا۔ اور اس طرح یہ تاریخی مذاکرہ شروع ہوا۔ پندرہ خطوط پر مشتمل یہ مذاکرہ مارچ ۱۹۵۲ء کو ختم ہوا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے آخری خط کو یہ شعر لکھ کر

"گفتگو آئین درویشی نبود ؎ ورنہ با تو ماجراہا داشتیم"

ختم کردیا۔ اور یہ کہا کہ آپ میں اور مجھ میں اصولی اختلاف ہے۔ اس لئے میں اس

مکاتیبت کو ختم کر رہا ہوں۔

اس مذاکرہ کے شائع کرنے کی نوبت نہ آتی مگر یہ حسنِ اتفاق ہی کہئے کہ علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اپنے مقالے "عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" کے صفحہ ۱۹۵ پر اس مذاکرہ (مناظرہ) کی نشاندہی کردی۔ ان کی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہمارے پاس خطوط کے انبار لگ گئے کہ اس مراسلت کو شائع کیا جائے۔

مولانا طاہر مکی کے ہم احسان مند ہیں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس خط و کتابت کا اصل مسودہ ہمیں مہیا کیا بلکہ انھوں نے اس کی ترتیب و تہذیب میں بھی بڑی مدد فرمائی اور علامہ تمنا عمادی اور مولانا ظفر احمد عثمانی سے متعلق بیشتر مواد بھی فراہم کیا۔

اس مذاکرہ کی اشاعت زیادہ سود مند نہ ہوتی اگر اس میں دے گئے قرآن و حدیث، عربی اشعار اور چاشنی کے لئے فارسی اشعار جو اس میں موقع موقع سے برجستہ استعمال کئے گئے ہیں، کا ترجمہ اور تشریح شامل نہ کی جاتی اس لئے اس کتاب کے آخیر میں ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں ان تمام عربی اور فارسی عبارتوں کے تراجم پیش کردئے ہیں۔

مکتوبات کے متن میں جو مقامات وضاحت طلب تھے ان کی تشریح تو اسی صفحہ کے حاشیہ میں اس نشان (ـــ۶) کے ساتھ درج کردی گئی ہے۔ البتہ جو تراجم ضمیمہ میں دئے گئے ہیں ان کے لئے متن میں یہ نشان (ضـ) دیا گیا ہے اور ان کی نمبر شماری مسلسل ہے۔ یعنی ضـ۱ سے ضـ۲۲ تک۔ اور یہ طریقہ قاری کی سہولت کے لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ متن میں حاشیہ کے نشان و نمبر اور ضمیمہ کے نشان و نمبر میں ایک واضح امتیاز رہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کے خطوط میں اکثر "الخ" کا اشارہ آیا ہے جو "الی آخرہ" کا مخفف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جس عبارت کا ٹکڑہ یہاں دیا ہے اس کے بعد بھی عبارت جاری ہے اور یہ کہ ہم نے اس عبارت میں سے صرف اتنا حصہ لیا ہے جس پر گفتگو کرنی ہے۔

اس مجموعے میں علمائے کرام کے ناموں کے ساتھ لفظ "مولانا" کا استعمال

کثرت سے آیا ہے۔ ہمارے نزدیک مولا نا صرف اللہ ہی کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔
کسی غیر اللہ کے لئے نہیں۔ قرآن میں اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے" انت مولٰنا فانصرنا
علی القوم الکافرین (آپ ہی ہمارے مولا ہیں کافروں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرمایئے)"
اس سلسلہ میں ہمارا کتابچہ " اسلام میں حفظ مراتب" کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں ہوگا
راولپنڈی میں ہمارے ایک محسن جناب محمد امتیاز (اور ان کے رفقاء) ہیں جو دین
کی ہماری اس دعوت میں دامے درمے ممد و معاون رہتے ہیں۔ ان کا شکریہ ادا نہ کرنا ناسپاسی
ہوگا۔ اس کتاب کی اشاعت میں ان کا تعاون بڑا حوصلہ افزا رہا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ
بھی وہ اسی طرح اپنا دست تعاون دراز رکھیں گے۔

زیر نظر مذاکرہ کے مباحث اور علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کا مقالہ
"عقیدۂ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" کے مطالعہ کے بعد یہ بات نکھر کر سامنے آگئی
ہے کہ اسلام میں مروجہ ایصال ثواب کا کوئی نظریہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کی
نظر میں ثواب کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا۔

مُردوں کا حق جو اللہ نے زندوں پر رکھا ہے وہ دعاء مغفرت ہے اور قرآن سے
صرف یہی ثابت ہے۔ اس سے بہتر دعاء مسنونہ اور ایصال ثواب کیا ہو سکتا ہے۔ جو
نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَ
کَبِیْرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا ○ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی
الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ ○

(ترجمہ) اے اللہ بخش دے ہمارے ہر زندہ کو اور ہمارے ہر مردہ کو' اور
ہمارے ہر حاضر کو ہمارے ہر غائب کو' اور ہمارے ہر چھوٹے کو اور ہمارے
ہر بڑے کو' اور ہمارے ہر مرد کو اور ہماری ہر عورت کو۔ اے اللہ تو ہم میں سے جس کو زندہ
رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے تو اس کو
ایمان پر موت دے۔

اس دعا میں یہ بات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ بخشش اور مغفرت کا ذکر پہلے زندوں سے شروع کیا گیا ہے، جو مرگیا وہ تو اللہ کے حضور پہونچ گیا اب اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے، لیکن ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ان کے لیے بھی اللہ کے حضور مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ تمنا عمادی کی سوانح حیات تو جناب انیس الرحمن ایڈووکیٹ نے مرتب کی ہے جس سے اقتباس اس مجموعے میں شامل کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ کی شخصیت پر چند تاثرات جو برصغیر کے نامور علماء، ادبا، شعرا اور اہل علم نے قلم بند کیے ہیں وہ بھی قارئین کی دلچسپی اور افادیت کی خاطر شامل کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ علامہ تمنا عمادی کی شخصیت کو سمجھنے میں نشان راہ کا کام دے گا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد علامہ کراچی تشریف لے آئے تھے۔ یہیں مختصر علالت کے بعد ان کا انتقال نومبر ۱۹۷۲ء میں ہوگیا اور آپ سوسائٹی کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

نظام الدین خاں معتمد عمومی

علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ہم اراکین "الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ" انتہائی صدمہ اور گہرے رنج والم کے ساتھ اپنے قارئین کو مطلع کرتے ہیں کہ علامہ موصوف بہ امرالٰہی بروز پیر بتاریخ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۹۱ء اس جہان فانی سے رخصت ہوکر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

مرحوم ایک بلند پایہ محقق، نقاد، ماہر تاریخ اسلام، مفسر قرآن اور فن رجال میں عمیق دست گاہ رکھتے تھے۔ آپ نے فن حدیث کو ایک نئی جہت بخشی اور روایت میں درایت اور فن رجال سے تحقیق میں عظیم کارنامہ انجام دیا اس کے باوجود انھوں نے اپنی ساری زندگی بڑی عسرت و تنگ دستی میں بسر کی اور دین کے معاملہ میں اصولوں پر کبھی سودہ بازی نہیں کی جس بات کو حق سمجھا اس پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ "زیر نظر مذاکرہ" جو ایصال ثواب ہی کی ایک کڑی ہے ان کی زندگی میں ہی زیور طبع سے آراستہ ہوجائے مگر افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور اس مذاکرہ کی اشاعت سے قبل ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا کرے۔ آمین ثم آمین

نظام الدین خاں معتمد عمومی

تقدیم

مولانا طاہر مکی۔ صدر المرکز القرآنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کافی عرصہ ہوا، علامہ تمنا عمادی کا ایک مضمون ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوا جس میں ایصال ثواب کے متعلق قرآن کریم کا نقطۂ نظر واضح کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں الفرقان کے مدیر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا مضمون شائع ہوا جو کتابی شکل میں سید بک ایجنسی ۴۸/اے، کریم سینٹر صدر کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں مولانا نعمانی نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں جو دلائل دئے ان سے قطع نظر، ان کا یہ اعترافِ حق خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ مولانا اپنے مضمون کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی رو سے ایصال ثواب کی ہرگز ہرگز وہ اہمیت ثابت نہیں جو اس کو آجکل نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں نے دے رکھی ہے، ہمیشہ کے لئے ہر چیز کا وہی مقام رہنا چاہئے جس میں عہد نبویؐ اور دور صحابہؓ میں اس کو رکھا گیا تھا۔ اب کیفیت یہ ہے کہ "ایصال ثواب" مسلمانوں کا قریباً آدھا دین بن کے رہ گیا ہے۔ دین کے سیکڑوں مہمات سے انھیں وہ دلچسپی نہیں جو بزرگوں اور عزیزوں قریبوں کے ایصال ثواب سے ہے۔ عوام کے علاوہ بہت سے وہ بھی جو خواص سمجھے جاتے ہیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ایصال ثواب کے اصول ہی سے انکار کا جو رجحان زمانۂ حال کے بہت سے نئے طرز کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں پیدا[1] ہو رہا ہے وہ ایصال ثواب میں

---

[1] مولانا کا اشارہ غالباً سرسید مرحوم اور ان کے ہمنواؤں کی طرف ہے جو مرحومین کے لئے دعا کی ضرورت کے بھی قائل نہیں ہیں۔ (طاہر)

اس افراط اور غلو ہی کا ردِ عمل ہے۔ اس لئے زیادہ توجہ کے قابل اور زیادہ اصلاح کا محتاج ایصالِ ثواب میں غلو کرنے والوں ہی کا طرزِ عمل ہے۔ کیونکہ انھیں کا افراط اس تفریط (انکار) کا سبب بن رہا ہے "۔ (صفحہ ۵۸)

مولانا کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو

"ایصالِ ثواب کی بنیاد پر تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی، گیارھویں، بارھویں، برسی، عرس، جمعراتی، فاتحہ وغیرہ رسوم کی شکل میں جو ایک مستقل شریعت "اہلِ ہویٰ وہوس نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی تراش لی ہے ان کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان خرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں"۔

علامہ تمنا عمادی مرحوم کا نقطۂ نظریہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن مجید سے زیادہ قطعی ویقینی اور لَا رَیْبَ فِیْہِ چیز مسلمانوں کے پاس کوئی نہیں ہے اور قرآن مجید نے مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا صرف ایک ہی طریقہ بتایا ہے اور وہ ہے دُعا۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں اسی کا رواج تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس قطعی اور یقینی طریقے پر ہی کاربند رہنا چاہئے جو قرآن مجید، سنتِ رسولؐ اور سنتِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ علامہ تمنا اپنے مراسلہ ۹ میں لکھتے ہیں:

" مولانا دعا کے علاوہ باقی ذرائع سے ایصالِ ثواب ہی کا فلسفہ ہے جس کے سہارے تمام قبر پرستیاں قائم ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی مباح چیز بھی ایسی ہو جو موصل الی الحرام (حرام تک پہونچانے والی) بن گئی ہے تو اس فی نفسہ مباح چیز کو قبیح لغیرہ (دوسرے اسباب کی بنا پر ناپسندیدہ) ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیدیا جائے۔ فقہار کا یہ مسلمہ اصولِ شریعت ہے کہ سَدًّا لِلذَّرِیْعَۃِ (غلط راہوں کو بند کرنے کے لئے) مباح چیزوں پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے"۔

ہمیں امید ہے کہ دونوں طرف کے علمار کرام کی ان دردمندانہ تحریروں کو دیکھ کر

قارئین کرام بھی اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ بقول مولانا نعمانی ایصال ثواب کے نام سے جو ایک "مستقل شریعت" قائم ہو چکی ہے اس کو منہدم کرنے کا واحد طریقہ وہی ہے جس کی طرف علامہ تمنا دعوت دے رہے ہیں کہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریقہ ایصال ثواب یعنی دعاء مغفرت پر مضبوطی سے کاربند ہوا جائے اور باقی تمام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالے تمام مسلمانوں کو صحیح اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس تقدیم کے بعد زیر نظر مذاکرہ کے دونوں حضرات کے حالات زندگی اور ان کے متعلق دوسرے اہل علم کی آراء پیش کی جارہی ہیں۔ پہلے مولانا ظفر احمد عثمانی اور اس کے بعد علامہ تمنا عمادی۔

علامہ تمنا عمادی کو ان کے مخالفین نے عام طور پر منکر حدیث مشہور کر رکھا ہے اس سلسلہ میں برصغیر کے ایک نہایت اہم مذہبی مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جو ماہنامہ فاران کراچی میں شائع ہوئی تھی جس سے اس پروپیگنڈہ کی تردید بھی ہو گی اور ایک مخالفانہ خیالات رکھنے والے صاحب علم کی طرف سے علامہ کی عظمت کا اعتراف بھی سامنے آجائے گا۔

علامہ تمنا عمادی کے خاندانی پیر پرستانہ ماحول اور اس وقت کے معاشرے کو دیکھتے ہوئے جہاں وہ ہر قسم کی سہولتیں حاصل کر سکتے تھے انھوں نے صرف اپنے نظریات کی خاطر اور اللہ کو راضی رکھنے کے لئے جو قربانیاں دیں ان کی بنا پر وہ ان اشعار کا مکمل مصداق نظر آتے ہیں جو ایک عرب شاعر نے تو اپنے محبوب کے لئے لکھے تھے مگر علامہ تمنا کا محبوب۔ چونکہ صرف اللہ تعالے کی ذات تھی اس لئے ان کا مخاطب اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہوئے ان اشعار کو پڑھئے۔

فَلَیْتَکَ تَحْلُوْ وَالحیاۃ مَرِیْرَۃٌ ⁂ وَلَیْتَکَ تَرْضٰی وَالْاَنَامِ غِضَابٗ

کاش تو میرے لئے شیریں ہو جائے پھر کوئی پرواہ نہیں اگر پوری زندگی تلخ گذرے اور کاش تو راضی رہے پھر چاہے تمام لوگ بھی ناراض ہو جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔

وَلَیْتَ الَّذِیْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ عَامِرٌ ⁂ وَبَیْنِیْ وَبَیْنَ الْعَالَمِیْنَ خَرَابٗ

اور کاش میرے اور تیرے درمیان جو تعلق ہے وہ باقی رہے تو پھر کوئی پرواہ نہیں اگر میرے اور تمام دنیا کے تعلقات خراب رہیں۔

اور پھر ان کے متعلق حقیقی رائے قائم کیجئے۔

طاہر المکّی

مولانا ظفر احمد عثمانی کا مقام علماء عصر کی نظر میں

(۱) ـــــ مختصر حالات زندگی ـــــ

مولانا ظفر احمد عثمانی (مرحوم) نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کی عظیم شخصیات میں سے تھے۔ وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے تھے۔ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا انتقال صغر سنی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے مولانا تھانوی (ماموں) ان کو اپنے گھر لے آئے اور ان کی تعلیم و تربیت اپنی سرپرستی میں فرمائی۔ تحصیل علم کے بعد آپ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں آپ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات کے صدر ہو گئے۔ لیکن ۱۹۵۳ء میں اس عہدے سے سبکدوش ہو کر مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کی سرپرستی فرمائی سقوط ڈھاکہ کے بعد آپ مغربی پاکستان چلے آئے اور دارالعلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ) سے منسلک ہو گئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کے سرپرست اور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے، نیز شیخ الحدیث مولانا بدر عالم میرٹھی مؤلف ترجمان السنۃ کے استاد اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے مرشد تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان کی تائید کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے مقابلے پر جمعیت علماء اسلام کا سنگِ بنیاد ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں رکھا۔ اور آپ ہی کے اصرار پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی صدارت قبول فرمائی۔ پھر سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے ریفرنڈم کے سلسلہ میں آپ نے اور سرحد کے ریفرنڈم کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے جو خدمات انجام دیں وہ اس قدر اہمیت کی حامل تھیں کہ جب پاکستان وجود میں آیا تو اعتراف خدمت کے طور پر قائد اعظم محمد علی جناح نے آپ کے دست مبارک سے

مشرقی پاکستان میں (بتوسط جناب ناظم الدین وزیراعلیٰ مشرقی پاکستان) اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست مبارک سے مغربی پاکستان میں رسم پرچم کشائی ادا کرائی

(۲) ـــــ اعلاء السنن پر علماء کی آراء

مولانا ظفر احمد عثمانی نے فقہ حنفی کے اصولوں پر مبنی حدیث کی ایک نہایت اہم کتاب "اعلاء السنن" کے نام سے بیس جلدوں پر محیط عربی میں تحریر فرمائی جسکی اہمیت کا اندازہ درج ذیل چند جید علماء کرام کے تاثرات سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱ـ خلافت عثمانیہ کے سب سے بڑے مذہبی عہدے شیخ الاسلام کے آخری وکیل علامہ زاہد الکوثری جو خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد استنبول سے مصر چلے آئے تھے اس کتاب کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے اپنے مقالے میں جو الفاظ لکھے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے۔ "اس کتاب کے مؤلف کی ذہانت و محنت دیکھ کر میں حیران و ششدر رہوں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس زمانے میں بھی کوئی شخص اس قدر غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہا درجہ کا رشک ہے۔ مردوں کی ہمت اور بہادروں کی اولوالعزمی اسی قسم کے عظیم فکری نتائج پیدا کرتی ہے"۔ (مقالات الکوثری مطبوعہ مصر)

۲ ـــــ شام کے عالم شیخ عبدالفتاح ابو غدّہ

"اعلاء السنن کی پہلی جلد حنفی اصولوں کے مطابق حدیث کے قواعد پر پہلی کتاب ہے۔ بارہ صدیوں میں کوئی حنفی اتنا بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکا"

موصوف نے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ایڈٹ کرکے "قواعد علوم حدیث" کے نام سے شائع کیا ہے۔

۳ ـــــ مولانا اشرف علی تھانوی نے ارشاد فرمایا

علماء احناف پر امام ابو حنیفہ کا بارہ سو سال سے جو قرض چلا آرہا تھا الحمد للہ اس کتاب کی وجہ سے وہ ادا ہوگیا۔ میرا بھانجہ بحمد للہ علوم دین کا سرچشمہ اور طالبان خیر کا

پیشوا ہے۔ وہ اس دور کا امام احمد ہے۔

(سیرۃ عثمانی مرتبہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صفحہ ۴۳، ۹۷ اور ۱۴۱)

۴ ــــ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ....

جیسی عظیم شخصیت پر بھی مولانا عثمانی کی کتاب اعلاء السنن کی عظمت و اہمیت کا اتنا اثر تھا کہ انھوں نے اپنی عربی کتاب "فتح الملہم شرح مسلم" میں جابجا اس کتاب کے حوالے اور اقتباسات پیش کئے ہیں۔ (سیرۃ عثمانی ص۴۷)

۵ ــــ مولانا محمد یوسف بنوری (جامع بنوری ٹاؤن کراچی ....

کے بانی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر) اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ان تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ "اعلاء السنن کا مقدمہ اصول حدیث ایک ایسی بے مثل کتاب ہے کہ عقل حیران ہے۔" (سیرۃ عثمانی صفحہ ۲۲)

۳ ــــ علامہ ظفر احمد عثمانی کی وفات پر علماء دین کے تاثرات

۱ ــــ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا عثمانی مرحوم کو علوم فقہ و حدیث میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ عربی اور فارسی میں ان کی ادبی قوت بے مثال تھی۔ وہ عربی کے عظیم شاعر تھے۔ اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل محدث، مدبر اور علوم دینیہ کے جامع ترین عالم کہاں پیدا ہوں گے؟ ان کی موت تمام عالم اسلام کی موت ہے۔ (سیرت عثمانی ص۵)

۲ ــــ مفتی محمد شفیع سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند و بانی دارالعلوم کورنگی۔ کراچی

حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ (سیرۃ عثمانی ص۱۲)

۳ ــــ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی ....

مولانا ظفر احمد عثمانی ایک عظیم محدث، مفسر اور فقیہہ تھے۔ ان کی وفات سے تمام

اعالم اسلام کے اہلِ علم کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ (سیرۃ عثمانی ص۱۵۳)

۴ــــــــ مولانا احتشام الحق تھانوی

حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے علمی اور دینی حلقے یتیم ہو گئے۔ وہ برصغیر پاک و ہند میں اسلاف کی یادگار اور "استاذالکل" کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے پاکستان اپنے مذہبی اور دینی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا۔
(سیرۃ عثمانی ص۱۴۹)

ٹنڈوالہ یار کے دوران قیام آپ بیمار ہو گئے۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ بیماری نے ایسی شدت اختیار کی کہ آپ بغرض علاج و آرام اپنے بڑے صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی کے پاس کراچی تشریف لے آئے۔ یہاں ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور پاپوش نگر کا قبرستان آپ کی آخری آرام گاہ ٹھہرا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور مرتبہ سے سرفراز فرمائے آمین۔

تاثّرات بروفات
علاّمہ تمنّا عمادی مجیبی

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ایم۔ اے، پی ایچ، ڈی استاد فلسفۂ
لسانیات، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ مشیر امور اقلیات، رابطہ عالم اسلامی
مکہ مکرمہ۔ حال ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

برصغیر ہند و پاک کے ایک مقتدر عالم دین، وسیع النظر محقق اور اردو فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر مولانا محی الدین تمنّا ۸۷ سال کی عمر میں گزشتہ ماہ وفات پائی۔

وہ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ پھلواری کے رہنے والے تھے، اور ایک ایسے علمی و دینی خاندان کے رُکن تھے۔ جہاں کچھ اوپر دو سو سال سے علم و مشیخت کا سلسلہ قائم ہے، ان کو فارسی اور فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک مقالہ میں بہار کی باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے، اس میں مولانا عمادی مجیبی کا تذکرہ اسی حیثیت سے کیا ہے، یہ مقالہ سید صاحب کے مجموعۂ مقالات نقوش سلیمانی میں موجود ہے۔ مولانا عمادی مجیبی بہت ہی ذہین، اعلیٰ درجہ کے طباع اور نکتہ سنج تھے، انھوں نے درس نظامی کی تکمیل اپنے والد اور خاندان کے دوسرے بزرگوں مولانا حکیم علی نعمت اور مولانا محمد منظور احمد سے کی تھی، اور کچھ عرصہ[1] تک متوسطات کی کتابوں کا درس بھی دیا تھا، ان کے والد مولانا شاہ نذیر الحق فائز ایک وسیع الاستعداد

---

[1] خود علامہ تمنّا کے ارشاد کے مطابق اور علامہ کے شاگرد مولانا اسد القادری کی تحریر کے مطابق درس و تدریس کا زمانہ چودہ پندرہ سال پر محیط ہے۔ اور اس دوران ابتدائی کتابوں سے انتہائی کتابوں تک سب کا درس دیا۔ (طاہر)

عالم تھے۔ فارسی میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ پروفیسر ڈاکٹر افضل امام صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ مولانا عمادی کا ابتدائی تعارف بھی ایک شاعر کی حیثیت سے ہوا، ان کی شاعری زیادہ تر بلکہ تمام تر نعت نبوی پر مشتمل تھی، وہ فارسی اور اردو میں پرجوش اور پرکیف نعتیں کہتے تھے۔ نعتوں کے ضمن میں اصلاح و موعظت کے مضمون بھی بڑی خوبی سے نظم کرتے، ان کے شیخ طریقت اور استاد شاہ رشید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ پٹنہ، جو ان کے آبائی رشتہ سے چچا بھی تھے۔ مولانا تمنا عمادی کو "حسان الہند" کہا کرتے تھے، چنانچہ ان کی نظموں کے ابتدائی مجموعے "حسان الہند علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری" کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے افسوس کہ ان سطور کی تحریر کے وقت ان کے اشعار کا کوئی مجموعہ نہیں ہے جو نمونہ کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ البتہ چند متفرق اشعار جو حافظے کے گوشوں میں پراگندہ پڑے ہوئے ہیں ان کا یہاں درج کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کی ایک روایت شمائل ترمذی میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادروں میں ملبوس دیکھ رہے تھے کبھی وہ چاند کو دیکھتے اور کبھی حضور انور کو! اور کہتے کہ مجھ کو حضورؐ انور چاند سے زیادہ خوبصورت نظر آرہے تھے اس واقعہ کو مولانا تمنا عمادیؒ نے نظم کیا تھا! اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

رات بھر کیوں نہ تجھے چاند میں دیکھا ہی کروں
ان کی صورت سے بہت ملتی ہے صورت تیری

شاعری ان کے فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ کا نتیجہ تھی۔ مگر پھر بھی اکثر شعر سلیس اور رواں ہوتے تھے مثلاً ایک نظم کا پہلا شعر ہے۔

شیوۂ احبابؑ جدا، شکوۂ اغیار جدا
میرے افسانے کے ہیں دو باب، ہر اک باب جدا

لہ یہ مصرعہ حق مضمون نکالنے کے سہوِ قلم نے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ شاید اصل مصرعہ یوں ہو۔ "شکوۂ غیر جدا، شکوۂ احباب جدا

ان کی شاعری کا اصلی رنگ فارسی میں کھلتا تھا، ایک مشہور زمین میں ان کے یہ دو شعر سنئے۔

حاشا کہ دل از ناوک جانان گلہ دارد ٭ برباد سرائے کہ ز مہماں گلہ دارد
دیوانہ بکار است چہ داند نہ دستش ٭ داماں گلہ دارد کہ گریباں گلہ دارد

مولانا تمنا عمادیؒ کے شاگردوں کی تعداد خاصی تھی جن میں بعض بہت کامیاب شعرا بھی رہے ہیں جیسے نجم، ارمان اور شفیع تمنائی پھلواروی، ان کے علاوہ خاندان کے اکثر و بیشتر نوجوان جن کے اندر شاعری کی امنگ پیدا ہوئی، مولانا سے ہی رجوع کرتے تھے۔ مگر شعر و ادب سے دلچسپی جوانی ہی کی عمر میں کم ہو گئی تھی، علمی و تحقیقی مصروفیات نے اس ذوق پر غلبہ حاصل کرلیا تھا لیکن شعر و ادب سے وہ کلیۃً مستعفی نہیں ہوئے تھے، اپنے وسیع اور عالی شان مکان کا نام انھوں نے "دارالادب" ہی رکھا تھا جو ان کی ہجرت پاکستان کے بعد دوسروں کے قبضے میں آیا مگر اس کے دروازوں کا کتبہ اب بھی باقی ہے۔

وہ خاندانی صوفی تھے، تصوف کی گودوں میں پلے تھے، ان کے جد امجد (چھٹی پشت کے دادا) حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے اخلاف کی دو خانقاہیں پھلواری اور پٹنہ میں موجود ہیں۔ ان کی خانقاہوں کے "رسوم و آداب" نہ خالص دیوبندی طرز کے ہیں نہ بریلوی انداز کے، ان دونوں کے درمیان ایک معتدل اور متوسط انداز کی رسمیں وہاں رائج ہیں جن میں رسم سماع بھی شامل ہے۔ مولانا تمنا عمادی ان مروجہ مراسم تصوف سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ذکر، شغل، مراقبۂ قبور سے لے کر حال قال میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان مراسم سے دل برداشتہ ہو گئے بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب خواہ کتاب و سنت کے مطالعہ کا خاص انداز رہا ہو یا کوئی دوسرا نفسیاتی سبب اس کا تعین دشوار ہے[1]۔ بہرحال یہ باتیں راقم الحروف

[1] خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق (جیسا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام خط میں انھوں نے تحریر کیا ہے) تصوف اور اس کی رسوم سے علامہ کے بُعد کی وجہ کتاب اللہ، سیرت رسول اللہ اور سیر اصحاب رسول اللہ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ تھا۔ ورنہ ظاہر ہے ایک خاندانی پیر گھرانے کے فرد کے لئے صوفیانہ رسوم سے فائدے ہی فائدے تھے۔ (ناشر)

کے وجود سے پہلے کی ہیں۔ اس لئے ان پر رائے زنی آسان نہیں ہے کہ تصوف سے انحراف و انکار کا باعث کیا تھا۔ البتہ جو چیز ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھی اور سُنی وہ یہ تھی کہ مولانا تصوف، خانقاہ اور خانقاہیت کے شدید منکر تھے۔ وہ اپنے گھر پر ہر جمعہ کو درس قرآن کا جلسہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم سے ان کو شغف تھا، عربی لغت و نحو پر ان کو عبور کامل تھا تفسیروں پر نظر تھی۔ تصوف پر جب وہ نکیر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ ؎ لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

تصوف کے انکار سے ان کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنی عمر میں بار بار رائے نہیں بدلی۔ یہی ایک تبدیلی تھی جو اول و آخر ہوئی مگر اس کے نتائج بہت دور رس اور بعد میں تکلیف دہ حد تک غلو کی شکل میں نمایاں ہوئے۔ پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ وہ تحقیق میں تقلید سے آزاد ہو گئے[1] وہ مسائل میں تحقیق کے وقت براہ راست قرآن و احادیث اور زیادہ تر قرآن کریم سے استشہاد کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے پیرو بزرگوں کے اقوال ان کے لئے دلیل کا درجہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقالات میں حوالے کبھی ثانوی مآخذ ―――――― (SECONDERY SOURCES) کے نہیں دیتے تھے۔ انکار تصوف کا دوسرا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تصوف کے "سلسلۃ الذہب" سے ان کے اندر ایک کد پیدا ہو گئی اور مناظرانہ جوش میں وہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور خاندان رسالت کے افراد پر اس طرح تنقید کرتے جس طرح شیعہ سنی مناظرہ کرنے والے بعض اہل سنت علماء کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے۔[2]

---

[1] یہ نتیجہ تو بہت مبارک تھا اسے "تکلیف دہ حد تک غلو" کہنا بڑی زیادتی ہے۔ تحقیق حق میں اگر کوئی شخص اپنے خاندانی یا علمی اکابر یا فرقہ کی تقلید سے آزاد نہ ہو تو وہ تحقیق کر ہی نہیں سکتا۔ (طاہر)

[2] علامہ تمنا خود محترم مقالہ نگار کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے تھے یعنی ہندی محاورہ کے مطابق سید تھے لہذا حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ ان کے جدّ امجد تھے۔ پھر صحابی تھے اور علامہ کا مسلک تو از اول تا آخر اسوۂ صحابہ کی تعیین تھا جسے وہ قرآنی اصطلاح میں سبیل المؤمنین کہا کرتے تھے اور اس عنوان پر انھوں نے باقاعدہ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ لہذا اگر وہ صحابۂ کرام کی اکثریت کے مقابلہ میں اپنے اجداد کی ایک آدھ خطائے اجتہادی کا اعتراف کرتے تھے تو یہ تو ان کی حق شناسی کا بہت بڑا ثبوت ہے نہ کہ "تکلیف دہ حد تک غلو" کا

غالباً یہی رگ تھی جس نے ان کے قلم سے محمود عباسی کے ان خرافات کی بھی تائید کرا دی۔ جن پر تحقیق کا لیبل علم پر ایک بدترین تہمت[1] ہے جس میں کھلا دجل' عبارتوں کی قطع و برید' غلط انتساب سب کچھ ہے۔

وہ حدیث کے منکر نہیں تھے۔ یہ ان پر اتہام ہے۔ وہ نام نہاد اہلِ قرآن کی طرح علم حدیث سے کورے نہیں تھے۔ بلکہ رجال احادیث پر ان کا اتنا بڑا کام ہے جس کی نظیر بہت سے شیخ الحدیثوں کے یہاں نہیں مل سکتی' وہ صرف یہ کہا کرتے تھے کہ حدیثیں قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتیں اور جو حدیثیں نص قرآن سے متعارض ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہوسکتیں۔ مگر ہند و پاک کے اس گروہ نے جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتا ہے' مولانا کی تحریروں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ احادیث کے متون اور رجال سند کی بحثیں جن کا جائزہ لینا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس کام کو مولانا عمادی انجام دیا کرتے تھے اس میں ان کی تائید کے پہلو مل جاتے' اُس کو اجاگر کر کے پیش کرتے' اس طبقہ کے اس طرزِ عمل نے مولانا کو کئی نقصان پہنچائے۔ ایک طرف تو مدارس کے علماء نے ان کو کبھی

(بقیہ صفحہ کا حاشیہ) اگر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ حواری رسول حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی خطاء اجتہادی پر زور دینا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بلکہ اسے عقیدہ بنا لینا جرم نہیں ہے تو حضرت علیؓ و حضرت حسینؓ کی کسی خطاء اجتہادی کا قائل ہونا جرم کیوں ہو؟ کیا ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حواری رسول حضرت زبیرؓ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ کرنے والے بھی "تکلیف دہ حد تک غلو" کے مرتکب کہلائیں گے یا ان کے خطاء اجتہادی کا تذکرہ کرنا جرم نہیں ہے؟ حضرت! اگر اصول ہو تو سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ ورنہ صحابہ کرام میں سے کچھ کے لئے معیار جدا ہو' اور کچھ دوسروں کے لئے جدا معیار ہو یہ طرزِ عمل اصول اور عدل کے خلاف ہے اور فی الحقیقت "تکلیف دہ حد تک غلو" یہ طرزِ عمل ہے نہ کہ علامہ تمنا کی اصول پسندی جس کی وجہ سے تمام صحابۂ کرام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے (طاہر)

[1] محترم مقالہ نگار کا یہ فیصلہ بھی انتہا پسندانہ ہے۔ عباسی مرحوم کی یہ کتاب نہ اس قدر بری ہے جیسا کہ مقالہ نگار کا ارشاد ہے۔ نہ ایسی غیر معمولی جیسا کہ اس کتاب کے معتقدین سمجھتے ہیں۔ اگر محترم مقالہ نگار اس کتاب کو اس حد تک بدترین سمجھتے ہیں تو انھیں کسی مختصر مقالہ ہی میں ہی اس کتاب کی علمی تنقید کرنی چاہئے تھی۔ جذباتی انداز کے الزامات نامناسب ہیں۔

پرویز جیسا مدعی علم سمجھ لیا اس لئے ان کی باتوں کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور کبھی ان کا نام بھی لیا تو اسی انداز سے جس طرح پرویز صاحب کا نام تحقیر و استخفاف کے ساتھ علمی و دینی حلقوں میں لیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ان محمود عباسیوں، پرویزیوں اور اہل قرآنوں نے مولانا تمنا کی مکمل بات سامنے نہیں آنے دی۔ چند ماہ پہلے ماہنامہ فاران میں مولانا تمنا کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اس مظلومیت کا اظہار کیا تھا۔

عالم باعمل بہرحال اپنے "موتی" کا ذکر خیر کرنا چاہئے، ان کی خاص بات جس کی شہادت ان کے انتقال کے بعد دی جا سکتی ہے اور جس کی شہادت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ وہ مخلص اور سچے مسلمان تھے، انھوں نے جو کچھ لکھا اور کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی اور ان کی تحقیق کا نتیجہ تھا، انھوں نے اپنے نظریہ کے تحت (کسی یافت کے لئے نہیں) اپنا جما جمایا گھر، بینک تامی اور عزت کی زندگی، خوشحالی اور فارغ البالی کی معیشت کو چھوڑ کر ــــــ مشرقی پاکستان میں ہجرت کی، اپنے اعزہ اور خاندان کے افراد جن کی بے پناہ محبت ان کے دل میں تھی اور جن کے نازک سے نازک جذبات کا وہ احترام کرتے تھے، ان سب کی بے رخی مول لی۔ ان کے اخلاص و صداقت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ایسے خاندان میں کر دی جس کو بہار کی ہندوانہ معاشرت سے متاثر مسلم معاشرہ نسبی اعتبار سے پست سمجھتا تھا، اور خاص طور سے "پھلواری" کے مشائخ کا خاندان جو اس کو "ناک کٹانے" کے مرادف سمجھتا تھا، وہاں انھوں نے کسی تنقید کی پروا نہ کی، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ اقدام وہی کر سکتا تھا جس کو اپنے عقائد پر اطمینان کامل ہو، یوں وعظ کہنا اور مضمون لکھ دینا آسان ہے مگر عملی اقدام وہی کر سکتے ہیں جو اولوالعزم ہوں!

ان کا دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ عمر بھر ایک نہ تھکنے والے محنتی طالب علم رہے۔ اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر بستر مرگ تک جبکہ ان کو اپنی موت صاف نظر آرہی تھی علمی تحقیق و جستجو میں مصروف رہے، راقم الحروف کے پاس ان کا آخری خط نومبر کی کسی تاریخ کا ہے انتقال سے

دس پندرہ روز پہلے لکھا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح کی تھی کہ یہ خط اپنے بستر مرگ سے لکھ رہا ہوں، اس خط میں بھی قرآن کریم کے چند الفاظ اور ان کی تعبیر پر تحقیقات کا مفصل ذکر تھا۔ ان کے اس خط کو پڑھ کر مجھے ایک بزرگ عالم کا واقعہ یاد آیا کہ انھوں نے اپنے آخری لمحات زندگی میں کسی سے فرائض کے ایک مسئلہ کو دریافت کیا، لوگوں نے کہا یہ آپ کا آخری وقت ہے اس وقت آپ یہ معلوم کر کے کیا کریں گے انھوں نے جواب دیا کہ کسی شے سے واقف ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل رہ کر مروں!

مولانا تمنا عمادی مجیبی ۱۳۰۵ھ میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۲ھ میں کراچی میں مسافرانہ بیکسی کی حالت میں فوت ہوئے حق تعالیٰ جل شانہ کی شانِ رحمت جو مغفرت کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے ان کو بخش دے۔ (آمین)

دیگر مقتدر اہلِ علم کے تأثرات

مولانا اسد القادری

گُل کہوں، بلبل کہوں۔ گلشن کہوں یا باغباں
تو سبھی کچھ ہے کہوں میں کیا تجھے اے جانِ جاں

مفسّر، محدث، فقیہہ، ادیب و شاعر، جامع العلوم وحید العصر مولانا تمنا عمادی مجیبی کی شخصیت اس قدر جامع الکمالات، جامع الحیثیات اور جامع الجہات ہے کہ فی الحقیقت اپنی مثال نہیں رکھتی۔

چودہ سال تک بخاری و مسلم، بیضاوی و کشاف اور حماسہ و متنبی جیسی کتابیں پڑھاتے رہے۔ میرزاہد، ملّا جلال اور صدرا وغیرہ فلسفہ و منطق کی معرکۃ الآرا کتابوں پر اس قدر بلندپایہ حواشی و شروح لکھیں کہ اکابر علماء نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ دیوان امرؤالقیس و مقامات کی شرح لکھی، عربی صرف و نحو پر محققانہ کتاب لکھی، اردو فارسی اور عربی گرامر پر ایسا عبور شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ علم عروض و قوافی میں امامِ وقت۔ تفسیر و تنقیدِ احادیث میں وسیع النظر ماہر، قرآن مجید کے مشہور مفسر، پھر عربی فارسی اردو شاعری میں استادانہ مہارت رکھنے والا اگر صرف ایک آدمی آپ ڈھونڈیں تو حضرت استاد ممدوح کے سوا اور کوئی ہند و پاک کی وسیع آبادی میں آپ کو نہ ملے گا۔ شاعر کے الفاظ میں ؎ آپ بے بہرہ ہیں جو معتقدِ میر نہیں

مولانا جعفر شاہ پھلواروی جنھوں نے علامہ سے بہت استفادہ کیا ہے بلکہ علامہ کے سوانح نگار جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ نے تو انھیں باقاعدہ مولانا کے شاگردوں میں شمار کیا ہے، کہا کرتے تھے کہ مجھے پیر پرستی اور اکابر پرستی کی دلدل سے نکال کر سبیل المؤمنین (راہِ صحابہؓ) پر ڈالنے والے علامہ تمنّا ہیں۔

علامہ اقبال کی فرمائش پر جب علامہ تمنّا عمادی نے انتظار مہدی و مسیح کی روایات پر فن اسماء الرجال کی رو سے تنقید کی تو علامہ اقبال بہت متاثر ہوئے اور مولانا عرشی امرتسری سے (جن کی وساطت سے علامہ اقبال نے ان روایات پر تبصرے کی علامہ تمنّا سے فرمائش کی تھی) فرمایا کہ میرا خیال ہے علامہ ابن حجر عسقلانی کے بعد سے اتنا بڑا ماہر فن اسماء الرجال کوئی عالم نہیں ہوا جیسا کہ علامہ تمنّا عمادی ہیں۔ جس کو، عرصہ چھ سَو سال کا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی نے علامہ تمنّا کی مہارتِ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دس شیوخ حدیث یک جا کئے جائیں تو مولانا تمنّا بنتے ہیں۔

علامہ تمنا عمادی سے انٹرویو

از مجیب الرحمٰن شامی (ایڈیٹر قومی ڈائجسٹ و ہفت روزہ زندگی)

اگر یہ سچ ہے کہ مکان کی عزت اور عظمت مکین سے ہوتی ہے تو پھر اس شہر کراچی میں ہی تہیں پورے برصغیر پاک و ہند میں معدودے چند مکان ہی "العمران"[1] کی طرح باعزت اور باعظمت ہوں گے۔ بظاہر تو العمران بھی شرف آباد کا ایک خوبصورت سا مکان ہے بالکل دوسرے مکانوں کی طرح۔ لیکن اس کے مکین اس ذات ستودہ صفات کے معنوی اور حقیقی جانشین ہیں جس کے انوار ذہنی اور روحانی کی بارش ایک مدت تک پورے برّصغیر کو احاطہ کئے رہی۔ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ہماری ملی تاریخ کے ان نامور سپوتوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے دم سے ایک دنیا سے اندھیر دور ہوا...... اسی العمران میں آجکل ایک تراسی سالہ بزرگ علامہ تمنا عمادی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ علامہ بھی پھلواری کے اس نامور خاندان کے ہی چشم و چراغ اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے چاٹگام میں سکونت اختیار کی لیکن گاہے گاہے وہ کراچی تشریف لاتے رہتے ہیں۔ علامہ تمنا کے نام سے ایک دنیا واقف ہے۔ ان کے علم و فضل سے انکار ممکن ہی نہیں۔ صوبہ بہار میں انھوں نے پہلی مسلم لیگ قائم کی تھی اور اس کے بعد تو تحریک پاکستان کے لئے تن من دھن سب کچھ وقف کر دیا۔ جمعیۃ علماء ہند سے معرکے ہوئے اور متحدہ قومیت کے بُت کو پاش پاش کرنے میں انھوں نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

---

[1] یہ نام کراچی میں اس مکان کا ہے جہاں مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواروی کی صاحبزادی اور مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی پوتی رہتی ہیں۔ اور جہاں علامہ تمنا عمادی ڈھاکہ سے تشریف لاکر کئی ماہ سے قیام پذیر تھے۔ اور ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کے لئے علمی کام کر رہے تھے۔ علامہ تمنا کی وجہ سے مولانا عبدالعزیز یمنی اور دوسرے اکابر اہل علم کا یہاں ہر وقت آنا جانا رہتا تھا۔

علامہ تمنا بابائے صحافت الحاج مولانا اکرم خاں صاحب کے پرانے رفیق ہیں۔ ان سے مولانا اکرم خاں کی دوستی

ع یہ نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

مولانا اکرم خاں نے بفضلہ عمر کے سنوین سال میں قدم رکھا تو میں نے سوچا کہ چلئے علامہ تمنا کے حضور پہونچ کر کچھ مولانا اکرم خاں کی زندگی کے نشیب و فراز کے متعلق ہی گفتگو کی جائے۔ میں نے یہ تمنا مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے سامنے رکھی (جو رشتہ میں علامہ تمنا کے پوتے ہیں) تو وہ اپنے مخصوص انداز میں "خوب بہت خوب" کا نعرہ لگاتے مجھے مولانا تمنا عمادی کے پاس لے گئے۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں بڑے بڑے تکیوں سے ٹیک لگائے علامہ تمنا تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ مولانا کچھ بولے جا رہے تھے اور وہ نوجوان[1] لکھتا جا رہا تھا۔ چاروں طرف عربی اور فارسی کی موٹی موٹی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ اگرچہ علامہ کی نظر بھی خاصی کمزور ہو چکی ہے اور سننے بھی بہت اونچا ہیں۔ اس کے باوجود تحقیق و تالیف کا مشغلہ جاری ہے۔ (اس کے بعد مولانا اکرم خاں کے متعلق علامہ تمنا سے گفتگو کی تفصیل ہے جسے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں، آخر میں شامی صاحب لکھتے ہیں۔)

---

[1] جس وقت شامی صاحب مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے ہمراہ علامہ سے انٹرویو لینے آئے تھے اس وقت علامہ اپنی ایک کتاب "تنقید لغات القرآن" کا مسودہ راقم کو املا کرا رہے تھے۔ اس کتاب میں علامہ مرحوم نے پرویز صاحب کے اس نقطۂ نظر پر سخت تنقید فرمائی ہے کہ وہ اسلامی اصطلاحات کا مفہوم بھی لغات سے متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو درست نہیں، اصطلاحات کا صحیح مفہوم وہی ہے جو تعامل کے ذریعے عہد نبوی سے آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہی نقطۂ نظر علامہ فراہی اور خود پرویز صاحب کے استاد مولانا اسلم جے راجپوری کا بھی ہے۔

(طاہر)

ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا تھا اس لئے نشست برخواست کردی گئی۔ میں مولانا
حسن مثنیٰ کے ساتھ ہی علامہ تمنا عمادی صاحب کے کمرے سے باہر نکلا۔ میرے دل و دماغ پر
اس صاحب علم و عمل کی ہیبت سی چھائی ہوئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جس مقصد کے لئے
اس مرد ذی فضل نے اپنی زندگی گذاری اور اپنی تمام صلاحیتیں اس کے لئے وقف کردیں
وہ یہی تو تھا کہ پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ قائم ہو۔ اب اس شخص کے قویٰ جواب
دے چکے ہیں۔ یہ سمٹا ہوا اجالا جانے کب رخصت ہوجائے لیکن اس کی تمنا اور آرزو۔
جانے کب پوری ہوگی!

(ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۹ جون ۱۹۶۸ء سنہ)

علامہ تمنّا ادیبوں کی نظر میں

علامہ تمنا مرحوم نے سر علی امام کی فرمائش پر شوق سندیلوی کی کتاب اصلاح سخن پر تنقید لکھی جو ایضاح سخن کے نام سے ڈھائی سو سے زیادہ صفحات میں کئی مرتبہ شائع ہوئی اس پر اہلِ نظر ادبا اور شعراء نے جو خراج عقیدت پیش کیا اس کی چند جھلکیاں دوسرے اڈیشن (۱۹۶۱ء) سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

شوق سندیلوی کی اصلاح سخن تو محض ایک تفنّن تھا، لیکن مولانا تمنا عمادی نے جو اپنے فضل و کمال و جامعیت علوم کے لحاظ سے اس وقت اپنا جواب نہیں رکھتے، ایضاح سخن لکھ کر اسے فن میں تبدیل کر دیا۔

نہ شوق کی غزل میں کوئی خاص بات تھی، نہ اس کی اصلاحوں میں۔ لیکن مولانا تمنّا عمادی نے بہ سلسلۂ تشریح و تنقید سیکڑوں لغوی، لسانی، فنّی نکات ایسے پیش کر دیئے کہ کتاب ایک عالمانہ تصنیف بن گئی۔ سچ ہے جو کبھی پارس پتھر کو چھو لے تو وہ بھی سونا بن جاتا ہے۔ ص۲۶۵

۲۔ حضرت جوش ملیح آبادی

حضرت مولانا تمنا عمادی کی کتاب "ایضاح سخن" کے سرسری مطالعے سے میں جس تعجب انگیز مسرت سے دوچار ہوا، اس کی شرح نہیں کی جا سکتی۔

یہ فیصلہ کر کے میں بہت اداس اور مایوس تھا کہ اب شعر و ادب اور لسانیات کے مقامات و نکات سے یہ عصر، یک سر خالی اور بیگانہ ہو چکا ہے اور

ع "آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند"

کے بعد زبان و ادب کی وادی پر اس قدر گھُپ اندھیرا چھا چکا ہے کہ اس گوشے سے اب کوئی کرن پھوٹ نہیں سکے گی۔

لیکن جس وقت اس کتاب کو کہیں کہیں سے پڑھا میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور نہایت خوشی کے ساتھ کہنا پڑا کہ ع

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری تمنا ہے کہ حضرت تمنا کے سے ماہر زبان و فن، تادیر تندرست اور زندہ ہیں اور اسی کے دوش بدوش میری یہ آرزو بھی ہے کہ وہ سجادے سے دور ہو کر پھر ایک بار مسند ادب پر جلوہ افروز ہو جائیں اور ادب اردو کے مطلع کو دوبارہ جگمگا دیں۔

مت سہل انھیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (۲۶۹)

۳ ۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی ۔

ایضاح سخن کا ایک نسخہ صادر ہوا۔ عزت افزائی کا شکر گذار ہوں۔ ..... فن شعر پر آپ کو جو عبور ہے اس پر اعتقاد نہ رکھنے والا "آپ بے بہرہ ہے" آپ ایسے کامل الفن اب بہت کم ہیں گے، گو یہ خراج تحسین وہ پیش کر رہا ہے جو شاعری کے فن میں کورا ہے۔

میرا کچھ اس طرح کا خیال ہے کہ ایضاح سخن سے آجکل کے طلبہ نہیں بلکہ ان کے والدین اور اساتذہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ ایسے والدین اور اساتذہ رہ بھی گئے ہوں جو فن کے غوامض سے بہرہ یاب ہوں۔ یوں تو ان دنوں والدین اور اساتذہ سے زیادہ ارزاں متاع شاید ہی کوئی اور ہو۔

میں آپ کے تبحر علمی کا جتنا قائل ہوں اتنا ہی اس پر شرمندہ اور متاسف ہوں کہ آپ نے اس کتاب پر اتنا قیمتی وقت اور بے بہا استعداد صرف کی...... البتہ آپ نے اس سلسلہ میں جو نکاتِ فن، زبان اور اس کے متعلقات بیان کر دئے ہیں وہ ہر اعتبار سے نہایت قابلِ قدر ہیں جس کے لئے خدمت گذارانِ شعر و ادب آپ کے احسان مند رہیں گے۔ (ص۲۶۶)

---

۴ ڈاکٹر عندلیب شادانی (صدر شعبۂ اردو، فارسی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی)

ایضاح سخن بظاہر شوق سندیلوی کی اصلاح سخن پر تبصرہ ہے لیکن درحقیقت یہ دلچسپ کتاب تحقیقی ادب کا مرتبہ رکھتی ہے۔ فن و شعر و ادب کے کتنے ہی مسائل اس خوبی اور شرح و بسط کے ساتھ معرض تحریر میں آئے ہیں کہ بے اختیار آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔

..... اصلاح شعر کے موضوع پر اردو میں اور بھی کئی کتابیں موجود ہیں لیکن ایضاح سخن میں جس طرح داد سخن دی گئی ہے اس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ (ص ۲۶۳)

علامہ تمنا کہ ہیں اک علم کا دریا	واقف نہیں کون آپ سے ادنی ہو کہ اعلی
اخلاق میں اطوار میں تقوی میں عمل میں	ذات ان کی نمونہ ہے بزرگان سلف کا
کُل عمر ہی گو دین کی خدمت میں لگا دی	دنیا میں صلہ اس کا کسی سے نہیں چاہا
لکھے ہے مہماتِ مسائل پہ بہت کچھ	آسان نہیں جملہ تصانیف کا احصا
بھٹکا نہ کسی تنگیٔ اسبابِ معیشت	سائل نہ ہوا غیر سے اللہ کا یہ بندا
گو شاعری ہے آپ کے رتبہ سے فروتر	جاتا ہے ادھر سے بھی درِ فیض کو رستا

اس رنگ میں بھی اپنے حریفوں سے ہے ممتاز

استادِ گرں مایہ، گراں پایہ تمنا (ص ۲۷۱)

۵ - پروفیسر ڈاکٹر شوکت سبزواری - (مدیر اردو لغت ترقی اردو بورڈ کراچی)

قدیم و جدید کی آویزش یوں تو قدیم زمانہ سے ہے اور ہر عہد میں جدید کو قدیم کے مقابلے میں "لذیذ" سمجھا گیا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں جدید نے یورش کر کے قدیم کو تہس نہس کرنے کی جو آخری کوشش کی ہے وہ اب مجھے سپھل ہوتی نظر آتی ہے۔ جدید علوم و فنون ابھر رہے ہیں۔ قدیم مٹتے جا رہے ہیں۔ جدید تنقیدی نقطۂ نگاہ کی چمک قدیم اندازِ فکر و نظر کو ماند کر رہی ہے اور اب یہ کیفیت ہے کہ قدیم علوم کے ماہر اور قدیم فنون کے حامل جو محقق نہ اندازِ فکر کے ساتھ گہری تحلیلی نظر بھی رکھتے ہوں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اور یادگار زمانہ سمجھے جاتے ہیں۔ میرے محترم بزرگ مولانا تمنا عمادی حَرَسَہُ اللّٰہُ مِنْ شَرِّ الْاَعَادِیْ انھیں یادگار روزگاریں سے ہیں وہ بقیۃ السلف ہی نہیں "بقیۃ المغتنا" بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ آمین

مولانا مدظلہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ بہت سی علمی، فنی، ادبی کتب و رسائل کے، جن کا پایۂ نقد و تحقیق بہت بلند ہے، مصنف ہیں۔ ان کی لذیذ تر تصنیف "ایضاح سخن" اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں مولانا مدظلہ نے شوق سندیلوی کی "کتاب اصلاح سخن" کی اصلاحات پر ناقدانہ نظر ڈال کر ان کی استادانہ شرح و تنقید کی ہے۔ ضمناً بہت سے علمی و ادبی اور لغوی مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ مولانا مدظلہ نے دقت نظر اور علمی تبحر سے کام لے کر جس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اس کی تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اس کی جزا اور خیر الجزا عطا فرمائے۔ آمین (ص۲۶)

۶۔ <u>مفتی انتظام اللہ شہابی</u> ۔ جنرل سکرٹری پاکستان اردو اکیڈمی

ایضاح سخن ایک صاحبِ فضل و کمال بزرگ کا علمی و فنی محاکمہ ہے جن کی علمی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ علامہ تمنا عمادی مدظلہ کی مذہبی اور ادبی تصانیف ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں۔ جناب کے علمی تبحر کا میں عرصہ سے معترف ہوں۔ ایضاح سخن کے مطالعہ سے واضح ہوا کہ علامہ ممدوح کو شاعرانہ بصیرت اور فن شعر کی مہارت میں بھی یدِطولیٰ حاصل ہے۔ معاصر شعراء کی اصلاح کو فن کے اعتبار سے غیر جانبدارانہ طور سے جانچا پرکھا اور ان امور کی نشان دہی کی ہے جہاں کلام ہو سکتا ہے۔

شعر و شاعری کے سلسلہ میں ایضاح سخن اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ سخن سنجوں اور سخنوروں کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ اس کتاب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ اس میں تعلّی اور کج بحثی نہیں ہے۔ (ص۲۷)

۷۔ <u>پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی</u> ۔ سابق پروفیسر سینٹ کولمباز کالج بہار۔

ایضاح سخن مولانا تمنا عمادی پھلواروی کی اس تصنیف کی جدید اشاعت ہے جو آج سے

چالیس سال پیشتر شوق سندیوی کی ایک غزل پر اساتذۂ عصر کی اصلاحات پر تنقیدی تبصرہ کے طور پر لکھی گئی تھی . . . . . مولانا نے قریب قریب ہر علمی جولانگاہ میں جولانی دکھائی ہے، وہ عروضی و نحوی بھی ہیں ۔ ایک نغز گو شاعر بھی اور محقق علوم و فنون بھی۔ مگر اب ان کی منزل ادبیات سے بلند تر ہے اور وہ دینیات کے مرد میداں ہیں۔ بالخصوص علم الرّجال میں ان کی نظیر ہند و پاکستان میں نظر نہیں آتی ۔ ان کا تفنّن طبع اور تنوّع ذوق مولانا شبلی مرحوم کی یاد[1] تازہ کرتا ہے ۔ اللہ امت کو ان کی تحقیقات سے مستفیض رکھنے کے لئے انھیں تا دیر بخیر و عافیت سلامت رکھے۔ (ص ۲۶۴)

---

[1] علامہ تمنا کی سوانح میں ہے کہ پھلواری کی ابتدائی تعلیم میں سید سلیمان ندوی اور علامہ تمنّا ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں، اس کے بعد سید سلیمان تو ندوہ لکھنؤ چلے آئے اور علامہ نے دینی تعلیم کی تکمیل تو پھلواری ہی میں کی لیکن شاعری میں وہ علامہ شبلی سے مستفید ہوئے ۔ اس طرح وہ اپنے تفنّن طبع اور تنوع ذوق کے اعتبار سے تو علامہ شبلی کا پرتو کمال ہیں ہی، شعر و سخن میں بات عدہ علامہ شبلی کے شاگرد ہیں۔ (طاہر)

علامہ تمنّا کی تصانیف اور ان کے شاگرد

جناب انیس الرحمٰن ایڈوکیٹ ہائی کورٹ کی مرتب کردہ علامہ تمنا کی
سوانح جامع العلوم سے مستفاد

کتاب جامع العلوم کے مطابق علامہ تمنا عمادی مرحوم کی کتابوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) وہ کتابیں یا مضامین جو مطبوعہ ہیں اور کسی کتب فروش کے ہاں یا کسی لائبریری میں انھیں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) جو مطبوعہ ہیں مگر نایاب ہیں۔

(۳) جو غیر مطبوعہ ہیں۔

نمبر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) جمع القرآن

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاغذ اور چمڑوں پر کتابی شکل میں لکھا جاچکا تھا، اس کے برخلاف جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں یا حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمع کیا گیا، وہ سب گھڑی ہوئی ہیں اور ان سب کا منبع حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری ہیں جو مسلکاً شیعہ تھے۔

اسی کتاب میں "استوانۃ المصحف" والا مضمون بھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مسجدِ نبوی کا وہ ستون جس کے پاس عام مسلمانوں کے نقل کرنے کے لئے سرکاری مصحف نبوی رکھا رہتا تھا، عہد نبوی ہی میں "مصحف والا ستون" کے نام سے مشہور ہوچکا تھا۔

اسی کتاب میں ایک مقالہ اس پر بھی ہے کہ "قرآنِ کریم روایات کے آئینہ میں" کس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اب یہ کتاب اس ادارہ نے شائع کردی ہے۔

(۲) اعجاز القرآن واختلافِ قراءات | اس کتاب میں قرآن کریم کا سب سے بڑا اور عام فہم اعجاز اس کے محفوظ

ہونے کو بتایا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ تاریخ مصاحف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قصۂ زیدؓ و زینب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ محاذ حدیث کے تحت مثلہ معہ پر تنقید ہے مسند احمد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ محاذ تفسیر کے تحت آیۂ تطہیر آیۂ ولایت سورۂ تحریم وایلاء النبی روایتِ افک اور جادو کی روایات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ محاذ قراءت کے تحت قراء سبعہ کے حالات اور نقطوں کی ایجاد پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی ادارے نے دوبارہ شائع کر دی ہے۔

(۳) حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری اور تاریخ وتفسیر کے مدون اول ابن جریر طبری | اس کتاب میں ان دونوں حضرات کی سوانح اور ان کے ایسے کارناموں کا تعارف کرایا گیا

ہے جو انکشاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بھی اسی ادارے سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت | اس کتاب میں علامہ تمنا نے علامہ اقبال کی فرمائش پر مہدی و مسیح کی روایات پر تنقید

کی ہے اور انھیں قرآن کی روشنی میں پرکھا ہے۔
یہ کتاب بھی اسی ادارے سے دوبارہ شائع ہو چکی ہے۔

(۵) ایصال ثواب | یہ چھوٹا سا کتابچہ ہے جس میں مروجہ ایصال ثواب پر تنقید کی گئی ہے۔ (اسے الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی نے

شائع کر دیا ہے۔)

(۶) ایصال ثواب (مذاکرہ) | اس کتاب میں علامہ تمنا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے درمیان ایصال ثواب کے جواز و عدم جواز

پر جو تحریری مباحثہ ہوا تھا اس کی تفصیل ہے۔ (یہ کتاب حاضر ہے۔)

(۷) القصیدۃ الزھراء | یہ کتاب کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں عہد عثمانؓ و علیؓ اور معاویہؓ کے متنازعہ تاریخی معاملات پر قرآن کریم اور درایت کی روشنی میں نظر ڈالی گئی ہے۔ شروع میں طویل نثری دیباچہ ہے جس میں جنگ جمل و صفین و کربلا پر نہایت اعتدال و توازن کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب جناب محمود احمد عباسی صاحبؒ اپنے مکتبہ محمود سے شائع کی ہے۔ اب یہ کتاب نثر اور نظم دو حصوں میں اس ادارہ نے شائع کر دی ہے ۔

(۸) القصیدۃ العظمیٰ | یہ قصیدہ زہراء کی تلخیص ہے جسے مشہور شاعر جناب عبد العزیز خالد صاحب کے لئے لکھا گیا تھا ۔

(۹) سبیل المؤمنین | اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت وہی ہے جس پر صحابہ کرامؓ عمل پیرا رہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے تعامل صحابہؓ (سبیل المؤمنین) کو حجت قرار دیا ہے۔ اور اس راہ سے جدا رہنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ یہ کتاب بھی دوبارہ اس ادارہ سے شائع ہو چکی ہے ۔

(۱۰) اختلاف امت رحمت ہے یا زحمت | اس میں بتایا گیا ہے کہ اصول و عقائد میں اختلاف امت کے لئے رحمت نہیں ہے بلکہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اور اختلاف امتی رحمۃ والی روایت گھڑی ہوئی اور جعلی ہے۔ یہ کتاب بھی عباسی صاحبؒ نے اپنے مکتبہ سے شائع کی تھی۔ اب اس ادارے نے دوبارہ شائع کر دی ہے ۔

دوسری قسم کی کتابیں | علامہ تمنا کی وہ کتابیں جو اگرچہ کبھی طبع ہوئی تھیں مگر اب نایاب ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱۱) مثنوی کتاب و سنت | جس میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کا باہمی تعلق واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم اصل ہے سب سے پہلے اس پر توجہ ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اس کی شرح (سنت رسولؐ و صحابہؓ) پر نظر ڈالنی چاہئے۔ سنت کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی قرآن کریم ہے۔ نہ کہ اس کے برعکس قرآن کو پرکھنے کا معیار سنت ہو۔ قرآن کریم سنت پر قاضی و حاکم ہے نہ کہ حدیث و قرآن پر قاضی و حاکم ہو۔ جیسا کہ بہت سے گستاخ روایت پرست کہتے ہیں۔ وغیرہ یہ ایک سو

اشعار پر مشتمل فارسی مثنوی ہے۔

(۱۲) **مثنوی مذہب وعقل** | اس میں مذہب وعقل کی جنگ کی تفصیل اور اس کا قطعی فیصلہ دکھایا گیا ہے۔ چار سو فارسی اشعار کی یہ مثنوی کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف نے شائع کی تھی۔

(۱۳) **مثنوی معاش ومعاد** | اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی اتنی ہی قطعی ویقینی ہے جتنا دوپہر کے وقت روشن آفتاب۔ بغیر عقائد صحیحہ، نیاداتِ صادقہ اور اعمال صالحہ کے نجات آخرت غیر ممکن ہے۔ تناسخ وغیرہ پر بھی مکمل بحث ہے۔ یہ آٹھ سو فارسی اشعار کی مثنوی بھی کتب خانہ اشرفیہ نے شائع کی تھی۔

(۱۴) **محکم ومتشابہ** | قرآنی ارشاد محکمات ومتشابہات کی توضیح کی گئی ہے اور عرفان نفس وعرفان رب یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی مغالطہ آمیز تشریحوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ کتب خانہ اشرفیہ سے شائع ہوئی۔

(۱۵) **ہدایت واضلال** | یعنی یهدی من یشاء اور یُضِلُّ مَنْ یشاء کی نہایت مفصل اور واضح تشریح۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ

(۱۶) **اصولِ خمسہ** | وہ پانچ اسلامی اصول جن سے فرقہ پرور علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ ناشر کتب خانہ اشرفیہ۔

۱۷۔ **الدینُ القیّم** | اسلام کے بنیادی اصولوں کا تعارف۔
شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۱۸) **جہالتِ کفرہ** | دنیا کے بنانے والے (اللہ) اور یوم احتساب (آخرت) کا انکار کرنے والے دہریوں کا جہل مرکب (نہ جاننے کے باجود ہمہ دانی کا دعویٰ) شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۱۹) **حقیقت التقویٰ** | تقویٰ نام ہے خلوص کا۔ اور بغیر خلوص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ شائع کردہ کتبخانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۰) حقیقت الصوم | خلوص پیدا کرنے اور ریاکاری ختم کرنے کی سالانہ پریکٹس روزہ ہے۔ مگر شیطان کے غلاموں نے اسے بھی ریاکاری کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس لئے اس سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کیا کیا شرائط ہیں۔ ان کی تفصیل۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۱) جوہر الصرف | فن صرف کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۲) روح النحو | نحو کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۳) جوہر الادب | قرآن کریم اور صحیح احادیث کے جملوں پر مشتمل عربی ریڈر۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۴) ایضاح سخن | اردو ادب پر ایک نہایت بلند پایہ تنقیدی کتاب جس کا دوسرا اڈیشن نواب گنج ڈھاکہ سے شائع ہوا۔

(۲۵) افعال مرکّبہ | اردو گرامر کی کسی کتاب میں بھی افعال مرکبہ پر اس قدر سیر حاصل بحث نہیں ملے گی جتنی ۷۰ صفحات کی اس کتاب میں ہے۔ اس میں افعال مرکبہ کے علاوہ افعال متصدی اور افعال کی صرف کبیر صرف صغیر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے مکتبہ سوسائٹی مسلم لیگ کوارٹرز ناظم آباد کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۲۶) الطلاق مرّتان | تقریباً دو سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کے طریقۂ طلاق پر صرفی، نحوی، لغوی، ادبی اور فقہی ہر اعتبار سے بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نواب گنج ڈھاکہ سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب دوست ایسوسی ایٹس لاہور نے شائع کردی ہے۔

(۲۷) نماز پنجگانہ اور قرآن کریم | پنجگانہ کی تائید میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۲۸) دُرِّ ثمین | ملک یمین لونڈی اور غلاموں کے متعلق قرآنی ارشادات کی تشریح مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔

(۲۹) **تحفہ اہل بہا** | بہائیوں کے سوالات کے جوابات پر مشتمل تقریباً دو سو صفحات کی کتاب، مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔

(۳۰) **انسان اور اسلام** | تخلیق انسانی اور حیات انسانی کے مختلف عنوانات پر اسلامی احکامات کا مجموعہ۔

(۳۱) **حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ** | حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر بوقت نکاح از رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چالیس نہیں اٹھائیس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی ورقہ والی روایت کی حقیقت۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر بوقت نکاح از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت افک اور روایت ایلا و تحریم کی حقیقت۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۳۲) **بنات النبی** | یہ کتابچہ خاتون پاکستان کراچی کے رسول نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳۳) **وصیت و وراثت** | دارالقرآن نسبت روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ اس میں لا وصیۃ لوارث والی روایت پر تنقید کی گئی ہے۔

(۳۴) **مختلف مقالات و مضامین** | جو ہند و پاکستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔

تیسری قسم کی کتابیں | جو غیر مطبوعہ ہیں اور ان کا تذکرہ علامہ تمنا کے مختلف مضامین میں آیا ہے۔

(۳۵) **الکلالہ** | جس میں قرآن مجید کی آیت کلالہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۳۶) **البدعہ** | بدعت کیا ہے اور کیا نہیں، اس پر قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

(۳۷) **القول الصواب فی ایصال الثواب** | مولانا محمد منظور نعمانی اور بعض دوسرے اہل علم کے جواب میں ایصال ثواب

کتاب وسنت، تعامل صحابہ اور ائمۂ اربعہ کے ارشادات کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

(۳۸) حدیث کساء | آیۂ تطہیر کا قرآنی مفہوم بگاڑنے کے لئے گھڑی گئی روایت کسا (آل عبا) کا تحقیقی تجزیہ۔

(۳۹) رواۃ صوفیہ | اسماء الرجال کی کتابوں میں جن صوفی راویوں کا تذکرہ ہے ان کی تفصیل۔

(۴۰) رواۃ شیعہ | صحاح ستہ کی کتابوں میں جو جو راوی شیعہ ہیں ان کا تذکرہ۔

(۴۱) تنقید لغات القرآن | پرویز صاحب کی مرتب کردہ لغات القرآن کے مختلف مقامات کی تنقید۔

علامہ تمناؔ کے سوانح نگار جناب انیس الرحمن ایڈوکیٹ نے اپنی کتاب "جامع العلوم" کے صفحہ ۴۴ پر علامہ کی دو اور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ردیف پر ایک رسالہ کا اور قوافی پر ایک رسالہ کا۔ اور ص۴۳ پر علامہ کے صاحبزادے مولوی امام الدین فائق کی کتاب "بحر العروض" کا تذکرہ کیا ہے جو ظاہر ہے علامہ کے افادات پر مشتمل ہے۔ سوانح نگار کا کہنا ہے کہ "یہ کتاب مکمل محفوظ ہے جس نے عروض جدید کی بنیاد رکھدی ہے۔"

ص۴۲ ہی پر علامہ کی ایک اور کتاب "عرفان نفس وعرفان ادب" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ سوانح نگار کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ علامہ نے عرفان نفس وعرفان آفاق کا جملہ اپنی کتاب محکم ومتشابہ کے تعارف کے طور پر اس کے شروع میں لکھا ہے۔ یا ممکن ہے سوانح نگار کی معلومات کے مطابق یہ کوئی مستقل علیحدہ کتاب ہو۔

قلمی مسودات | قلمی کتب کے یہ مسودات یا تو علامہ کے چھوٹے صاحبزادے کے ہاں چاٹگام میں ہوں گے جہاں علامہ رہائش پذیر تھے، یا پھر علامہ کے داماد کے ہاں ہوں گے جو مشرقی پاکستان سے ہجرت کر کے کراچی آگئے تھے اور علامہ کا انتقال انھیں کے گھر میں ہوا۔ یا کچھ مسودات وہ ہیں جو علامہ نے لاہوری بلاغ القرآن والے اہل قرآن حضرات کے دلائل کے جواب میں لکھے تھے۔

اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم کے پاس تھے جو انھوں نے اپنے ایک شاگرد قاضی کفایت اللہ صاحب کے سپرد کر دیئے تھے جیسا کہ ایک ملاقات میں قاضی صاحب نے مفتی طاہر صاحب کو بتایا تھا، قاضی صاحب کا پتہ یہ ہے۔ ادارہ ندائے فرقان ۱۲- عالمگیر اسٹریٹ، اسلامیہ پارک لاہور ۲۵

شیعہ اور صوفی رواۃ کے متعلق علامہ کے مسودات کے متعلق سنا ہے کہ وہ جناب محمود احمد عباسی صاحب کے پاس تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مسودات اور خود مرحوم عباسی کے حضرت علیؓ کی سوانح اور نہج البلاغہ وغیرہ کے متعلق کئی مسودات بالکل غائب ہیں کہا جاتا ہے کہ کوئی رضوی صاحب سُنّی کے روپ میں اس قدر آگے بڑھے کہ عباسی صاحب کے انتقال کے فوراً بعد محمود اکیڈمی بنا کر اس کے صدر بن گئے اور مرحوم کی جس قدر علمی وراثت تھی وہ سب غائب کر دی، حتیٰ کہ عباسی مرحوم کے واحد جسمانی وارث ان کے نواسے کے پاس بھی اب کوئی مسودہ نہیں رہا۔ یاد رہے کہ عباسی مرحوم کا کوئی لڑکا نہیں تھا، صرف صاحبزادی تھیں، ان سے مرحوم کے نواسے عباسی صاحب کے وارث ہوئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

علامہ تمنا کے شاگرد شاعری میں تو علامہ تمنا کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ایضاحِ سخن کے آخر میں بھی علامہ کے شاگرد کئی شاعروں کے قطعات موجود ہیں جن میں وہ اپنے نام کے ساتھ تمنائی لکھتے ہیں۔

اہل علم میں جو حضرات علامہ کے سوانح نگار نے ان کے شاگرد کی حیثیت سے گنوائے ہیں وہ یہ ہیں۔ مولانا اسد القادری (ص۹۵) مولانا جعفر شاہ پھلواروی (ص۹۷) مولانا جعفر شاہ کے بھائی مولانا غلام حسنین پھلواروی (ص۹۸) سر فخر الدین وزیر تعلیم صوبہ بہار (جنکی عربی تعلیم کے لئے علامہ نے صرف و نحو کی کتابیں مرتب کی تھیں) جناب عبد العزیز بیرسٹر ڈاکٹر عندلیب شادانی۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، اور بہت سے اہلِ علم مثلاً مولانا افتخار احمد بلخی جو کراچی یونیورسٹی میں لکچرار تھے اپنی کتاب "انکار حدیث کا پس منظر و پیش منظر" کی تیسری جلد میں علامہ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ میں پھلواری شریف

میں علامہ کا شاگرد رہ چکا ہوں۔ اسی طرح مفتی طاہر صاحب کے سامنے علامہ نے ایک
مرتبہ فرمایا کہ دکن کے نواب بہادر یار جنگ صاحب نے علامہ کو کئی ماہ اپنے ہاں بیت
الامت میں ٹھہرا کر قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کروائے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی
کے ایک خلیفہ جو صوبہ بہار کے تھے اور اسی حوالہ سے "صحیح بہاری" کے نام سے ایک کتاب
کے مؤلف بھی ہیں جس میں بریلوی معتقدات کی تائید پر مبنی احادیث جمع کی گئی ہیں، علامہ کے
ابتدائی دور کے طلبہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بھی معلوم نہیں کتنے حضرات نے علامہ کے
پندرہ سالہ دور تدریس میں ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کی تفصیلات معلوم
نہیں اس لئے ہم اس عنوان کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی المرسلین لاسیما علی خاتم النبیین وعلی آلہ وخلفائہ الراشدین وعلی خیار امتہ اجمعین ۰

عُلمائے اسلام سے سوال

مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قربانی کرنا قرآن و سُنت سے ثابت اور جائز ہے یا نہیں؟ اور آئمہ مجتہدین، خصوصاً امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں خاص شاگرد امام ابویوسف اور امام محمدؒ کا اس بارے میں کیا فتویٰ تھا؟

السائلین

مسلمانان محلہ بنسی بازار ڈھاکہ

الجواب مستعینا بملهم الحق والصواب

اختصار اور سہولت کے خیال سے نمبروار جواب لکھا جاتا ہے۔

۱۔ قربانی کی حقیقت قرآن سے اسی قدر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو وہ ذبح کر رہے ہیں۔ انھوں نے اسکو اللہ کا حکم سمجھ کر بیٹے کو اپنے خواب اور جو سمجھے تھے اس سے مطلع کیا۔ لائق فرزند نے کہا کہ آپ کو جو حکم ہے اس کو شوق سے بجا لائیے مجھ کو آپ ثابت قدم پائیں گے۔ باپ نے جب بیٹے کو ذبح کر ہی دینا چاہا

تو پروردگار کی پکار آئی کہ اے ابراہیمؑ! ارے تم نے ایک خواب کو سچا کر دکھایا اور اللہ تعالےٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی جان کا فدیہ ایک پرعظمت رہایت قائم کردینے والے ذبیحے سے دیدیا یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلے ایک دنبہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ سے ذبح کرادیا۔ تو قربانی دراصل جان کا فدیہ ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ یعنی ہم نے اس فدیہ کے طریقے کو بعد دوں میں باقی چھوڑا۔ یعنی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد کو اس اسمٰعیلی فدیہ کی سالانہ یادگار میں قربانی کرتے رہنے کا حکم دیا گیا اسی لئے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ جو بنی اسمٰعیل تھے ان سب میں اس کا رواج رہا۔ مسلمانوں کو بھی اس کا حکم ہوا۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا تھا تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سُنت ہیں۔

۲۔ حدیث کا ترجمہ ابھی ہم لکھ چکے ہیں اور قرآن مبین نے بھی یہی بتایا کہ یہ قربانیاں انسانی جانوں کا فدیہ ہیں حیوانی جان سے۔ سنت ابراہیمیؑ اسی قدر ہے۔ اس لئے جو مرچکا اس کی جان کا فدیہ کیا ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ایک زندہ بیٹےؑ کی طرف سے ان کے فدیہ میں قربانی کی تھی، اس لئے زندوں ہی کی طرف سے قربانی سنت ابراہیمیؑ ہوگی نہ کہ کسی مُردے کی طرف سے۔ بلکہ مُردے کی طرف سے قربانی ایک فعل عبث ہے اور سُنتِ ابراہیمیؑ کے خلاف ہوگی۔

۳۔ قربانی ایک فریضہ ہے دوسرے فرائض کی طرح اور ہر فریضہ زندوں ہی پر ہے لیکن مُردے پر کوئی فریضہ نہیں۔ اس لئے بھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی ایک مہمل سا کام ہے اور خلاف سُنت ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

۴۔ قربانی چونکہ ایک انسانی جان کا فدیہ ہے حیوانی جان سے۔ اس لئے جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کی جان پر اگر بیماری وغیرہ کی کوئی مصیبت یا بلا آنے والی ہو یا اس کو کوئی جانی خطرہ پیش آنیوالا ہو تو اسی قربانی کی وجہ سے وہ مصیبت وہ بلا رد ہو سکتی اور وہ خطرہ جو اس کی جان پر آنیوالا ہو ٹل سکتا ہے۔ جو شخص مرگیا، جس کی جان اس کے بدن سے نکل چکی، اس کی جان کو اب کونسا خطرہ ہے جو قربانی سے ٹل سکتا ہے۔ آخرت کے عذاب سے کوئی بھی فدیہ دے کر نہیں بچ سکتا اور نہ بچایا جا سکتا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک کو آخرت میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے جن کے قدموں کے صدقے میں کروڑوں انسان آخرت کے خطرے سے نجات پائیں گے جو مجرم ہیں

اُن کے لئے تو قرآن میں صاف انکار ہے کہ اگر

—— پوری زمین کی وسعت بھر کوئی سونا خیرات کر کے بھی اپنا فدیہ ادا کرے تو عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ یا کوئی دوسرا اس کی طرف سے صدقہ ادا کر دے تب بھی نہیں بچ سکتا۔ (۳/۹۱)

۵۔ یہاں تک تو عقل یعنی دینی فراست اور شرعی روایت کے ماتحت آپ نے اپنے سوال کا جواب پایا کہ مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب خالص دینی حیثیت سے بھی جواب سُن لیجئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین رض نے صحابہ کرام رض میں سے کسی معروف و مشہور صحابی رض نے، حتےٰ کہ آئمہ مجتہدین رح نے، امام ابو حنیفہ رح، امام ابو یوسف رح و امام محمد رح غرض کسی نے بھی مستند و معتمد علیہ لوگوں میں سے کبھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی نہیں کی (مگر سب[1] نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جو کُتب مذھب میں موجود ہے اس کے بعد عمل کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ واجب تو نہیں ہے) اور نہ اس کا حکم دوسروں کو کیا نہ اس کی ترغیب دی، اور نہ اس کو جائز قرار دیا۔ اس لئے یہ یقیناً بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۶۔ لے دے کر ایک حدیث کوفے کے شیعوں کی گھڑی ہوئی، اس کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔ جو ترمذی میں یوں ہے حدثنا محمد بن عبید المحاربی الکوفی ثنا شریك عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش۔ عن علی رض انہ کان یضحی بکبشین احدھما عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم والاخر عن نفسہ۔ فصیل لہ۔ فقال امرنی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادعہ ابدا ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من حدیث شریك۔ و قد رخص بعض اھل العلم ان یضحی عن المیت ولم یر بعضھم ان یضحی عنہ۔ یعنی امام ابو عیسےٰ الترمذی کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن عبید المحاربی الکوفی نے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے کہا شریک (ابن عبداللہ الکوفی) نے ابو الحسناء (الکوفی)

[1] یہ عبارت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے احسن فتویٰ تحریر صاحب کراچی طرف سے حاشیہ میں لکھدی تھی۔ کاتب نے غلطی سے اس کو متن میں داخل کر دیا۔ (رحمٰن)

سے انہوں نے حکم (بن عتیبہ کوفی) سے۔ انہوں نے حنش (بن معتمر، بن ربیعہ یا بن ربیعہ بن المعتمر، کوفی) سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ وہ قربانی دیا کرتے تھے دو مینڈھوں کی۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک اپنی طرف سے تو ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو

انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس کا حکم دیا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس لئے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا[1]۔ امام ترمذی حدیث لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے (یعنی صرف ایک ہی شخص اس کو روایت کر رہا ہے) ہم لوگ اس حدیث کو صرف شریک (بن عبد اللہ کوفی) کی حدیث کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اسی (حدیث کی وجہ سے) بعض اہل علم نے مُردے کی طرف سے قربانی کی اجازت دی ہے۔ اور بعض اہل علم مُردے کی طرف سے قربانی کو جائز نہیں سمجھتے ("لم یر" افعال قلوب سے ہے۔ ان یضحّٰی عنہٗ اس کا ایک مفعول ہے اور جائزاً یا صحیحاً اس کا مفعول دوم محذوف ہے)۔
(ترمذی جلد اوّل کتاب الاضاحی باب الاضحیہ بکبشین ص۱۸۱)۔

یہی حدیث انہی راویوں سے ابو داؤد اپنے شیخ عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کرتے ہیں مگر ابو داؤد میں یوں ہے۔ باب الاضحیۃ عن المیت۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال نا شریک عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش۔ قال رأیت علیّا رضی اللّٰہ عنہ یضحی بکبشین۔ فقلت لہ ما ھذا؟ فقال ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ۔ یعنی یہ باب ہے مُردے کی طرف سے قربانی کے بیان میں۔ ہم سے حدیث بیان کی عثمان بن ابی شیبہ[2] نے۔ کہا کہ ہم سے کہا شریک نے ابو الحسناء سے، انہوں نے حکم سے، انہوں نے حنش سے کہ حنش نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قربانی کر رہے تھے دو مینڈھوں کی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو

---

[1] اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے لوگ حضرت علیؓ کو ایسا کرنے سے منع کر رہے تھے اس لئے انہوں نے فرمایا کہ "میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا"۔

[2] عثمان بن ابی شیبہ اور محمد بن عبد المحاربی کا حال میں نے قصد طوالت کے خوف سے نہیں لکھا ورنہ ان دونوں کا حال بھی قابل توجہ ہے

وصیت کی ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں (سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ثالث ص۵)۔
۷۔ یہ حدیث خاص کوفے کی ٹکسال میں ڈھالی گئی۔ اس کے تمام راوی کوفی ہیں۔ محمد بن عبید المحاربی، جو ترمذی کے شیخ ہیں وہ بھی کوفی، اور عثمان بن ابی شیبہ جو ابوداود کے شیخ ہیں۔ وہ بھی کوفی ہیں۔ پھر شریک بن عبداللہ کوفی، ابوالحسناء کوفی، حکم بن عتیبہ کوفی اور حنش بن المعتمر کوفی حنش کے باپ کا نام ربیعہ اور ربیعہ کے باپ کا نام معتمر تھا۔ اس لئے ان کو کوئی حنش بن معتمر کہہ دیتا ہے کوئی حنش بن ربیعہ۔ علی بن المدینی نے دھوکا کھایا کہ وہ حنش بن ربیعہ اور حنش بن معتمر کو دو شخص قرار دے گئے۔ مگر وہ جو دو شخص لکھ گئے تو دونوں کو کوفی ہی لکھا۔
ان میں شریک، ابوالحسناء، حکم اور حنش یہ چاروں کے چاروں شیعے تھے۔ مگر حکم کو محدثین ثقہ اور حجت لکھتے ہیں۔ اور ان کو ہلکا پھلکا شیعہ قرار دیتے ہیں۔ مگر شریک کے بارے میں امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جو تحریر فرماتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے۔
تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۳۳۴ میں لکھتے ہیں۔ کان ینسب الی التشیع المفرط یعنی کٹر شیعہ تھے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ مائلا عن القصد غالی المذہب سیئ الحفظ یعنی میانہ روی اعتدال سے ھٹے ہوئے شیعہ مذہب میں غلو رکھنے والے بدحافظہ تھے۔ اور ص۳۳۵ میں لکھا ہے کہ "شہر واسط میں انہوں نے باطل حدیثیں بیان کی ہیں" ابن معین[1] یحییٰ ابن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی ان سے حدیث نہیں روایت کرتے تھے اور متعدد محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے ان کو ضعیف لکھا ہے۔ آخر ترجمہ میں ان کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جو بالکل بے اصل تھی۔ ابن حجر کی ہی تحریر سے ان کی تدلیس کا بھی پتہ ملتا ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۲۵۳ ترجمہ عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ) غالباً ان کے انہی حالات کی بناء پر ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس حدیث کا ذمہ دار انہیں کو قرار دیا ہے

---

[1] ابن معین نے پہلے ان سے کچھ حدیثیں سنی تھیں اور ان کی روایت کر رہے تھے۔ مگر جب ان کا حال معلوم ہوا تو پھر ان کی حدیثوں کی روایت ترک کردی۔ منہ غفر لہ۔

اور اس کو حدیثِ شریک لکھا ہے۔ امام ذہبی نے بھی لسان المیزان میں بضمن ترجمۂ ابوالحسناء لکھا ہے کہ حدّث عنہ شریك لا یعرف لہ عن الحکم بن عتیبۃ یعنی ابوالحسناء سے شریک نے ایک حدیث بیان کی ہے جو نہیں پہچانی جاتی حکم بن عتیبہ سے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس حدیث کو امام ذہبی نے بھی شریک ہی کی کارستانی قرار دی ہے جو بعید از عقل نہیں۔ مگر میرے نزدیک اس حدیث کا گھڑنے والا ابوالحسناء ہی ہے۔ کیونکہ شریک کٹر شیعہ سہی۔ مگر کسی نے ان کو کذّاب ووضاع لکھا نہیں ہے اگرچہ کسی ثقہ سے ثقہ شیعہ راوی حدیث سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنے مذہب کے موافق ایک جھوٹی حدیث بنا کر روایت کردے۔ مگر یہاں زیادہ قرینہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوالحسناء ہی کا یہ فعل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس ایک حدیث کے سوا اور کوئی دوسری حدیث ابوالحسناء سے اہلِ سُنت کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اور شیعوں کی کتب رجال میں ان کے نام کے ساتھ "ممدوح" وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ علامہ مصطفےٰ بن الحسین التفریسی شیعی اپنی کتاب نقد الرجال میں حسین بن الحسن الکوفی ابوالحسناء لکھ کر "ممدوحؒ" تحریر فرماتے ہیں۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ من وجوہ اصحابنا فکنہ لم یرو الا قلیلا۔ مات فی حدود سنۃ مائۃ وخمسین ۔ (نقد الرجال ص۱۰۵) یعنی یہ ہمارے ممتاز لوگوں میں تھے۔ لیکن انہوں نے روایت حدیث بہت کم کی۔ ۱۵۰ھ کے حدود میں مرے۔ اس لئے اس حدیث کے گھڑنے کا سہرا یقیناً اُنہیں کے سر ہے۔ ورنہ پھر شریک ہی غریب تو اس سبب میں شیعہ نہیں ہے۔ خود حکم بن عتیبہ بھی شیعے ہیں بلکے پھلکے ہی سہی۔ اگر یہ ثقہ اور ہلکے پھلکے شیعہ ہیں تو ان کے شیخ حنش صاحب شریک سے کس بات میں کم ہیں۔ دیکھئے امام ذہبی اور حافظ ابن حجر ان کو کیا لکھتے ہیں۔

امام ذہبی میزان جلد اوّل ص۲۹۱ میں حنش بن المعتمر الکنانی[۱] الکوفی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ صرف حضرت علی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کرتے تھے۔ ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں ان کی حدیث ہے مگر خود امام نسائی نے ان کو لیس بالقوی لکھا ہے

---

[۱] کنانہ کی طرف نسبت ہے: دونوں جگہ اس میں نون ہی ہے۔

یعنی یہ حدیث میں قوت نہیں رکھتے ۔ ابن حبان نے انہیں **لا یحتج بہ** لکھا ہے یعنی ان کی سند نہیں لی جائے گی ۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ **کان کثیر الوھم فی الاخبار** ینفرد عن علیؓ **باشیاء لاتشبہ حدیث الثقات حتی صار ممن لا یحتج حدیثہ** یعنی "یہ بہت اوہام میں مبتلا تھے حدیثوں ہی کے بارے میں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی چیزیں تنہا بھی پیش کرتے تھے جو ثقہ لوگوں کی حدیثوں سے مشابہت نہیں رکھتی تھیں ۔ یہاں تک کہ ان لوگوں میں داخل ہو گئے جن کی حدیثوں سے سند نہیں لی جاتی "۔ بزار نے کہا کہ " ان سے سماک بن حرب نے ایک منکر حدیث روایت کی تھی "۔ ابواحمد حاکم نے کہا کہ یہ یعنی حنش متین آدمی نہیں ہیں ۔ عقیلی، ساجی ، ابن الجارود اور ابوالعرب الصقلی نے ان کو ضعفاء میں داخل کیا ہے ۔ ابن حزم نے محلی میں ان کو نظروں سے گرا ہوا ، اور کنارے ڈال دیا ہوا قرار دیا ہے ۔ (تہذیب التہذیب ج ۳، ص۵۸ و ص۵۹) اور یہ سب باتیں بعینہٖ امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اوّل ص۲۹ میں بھی لکھی ہیں ۔ اور دونوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابوحاتم نے کہا کہ " صلاحیت والے ہیں مگر ہم محدثین کو نہیں دیکھتے کہ ان کی سند لیتے ہوں "۔ امام بخاری نے بھی کہا کہ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ کلام ہے ۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے ان کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے ۔ حضرت علیؓ ہی سے (یہ حدیث بھی انہیں کی من گھڑت معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ ان کے سوا کوئی بھی اس کو روایت نہیں کرتا) طوالت کے ڈر سے اس کو یہاں نقل نہیں کرتا ہوں میزان الاعتدال جلد اوّل ص۲۹۱ دیکھ لیجئے ۔ اور پھر اس حدیث کے بعد اس قربانی والی حدیث کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس لئے اگر ابوالحسناء نے اس کو نہیں گھڑا ہے تو یقیناً حنش ہی نے گھڑا ہے ۔

اہل سنت آئمہ رجال نے حنش کو کوفی بھی لکھا ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ثابت کرنے کے لئے جو حدیث انہوں نے بنائی اور روایت کی اور بھی بعض حدیثیں حضرت علیؓ ہی کے متعلق ایسی جو صرف انہیں کی زبان سے سنی گئیں ان کا ذکر بھی ان کے ناقابل سند ہونے کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ، اور خود ان کو بھی ناقابل سند قرار دیا ۔ مگر کھل کر کسی نے بھی ان کو شیعہ نہیں لکھا ۔ مگر علامہ تفریشی نقد الرجال ص۵۹ میں اور علامہ حلی خلاصۃ الاقوال ص۳۲ میں دونوں شیعہ ان کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ کان من اصحابنا و روی حدیث العامہ ۔

یعنی یہ تھے ہماری جماعت شیعہ میں سے مگر حدیث، یہ اہل سُنت کی روایت کیا کرتے تھے۔ حلّی و
تفریسی نے یہ غلط لکھا کہ اہل سُنت کی حدیث روایت کیا کرتے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ شیعوں کی حدیثیں
یا شیعوں کے موافق حدیثیں بنا بنا کر سنیوں میں روایت کیا کرتے تھے جیسا کہ اِس حدیث سے اور اُس
حدیث سے جس کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اوّل ص۲۹ میں ان سے نقل کیا ہے۔ پوری طرح
ثابت ہے۔

ورنہ سمجھنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ۱۱ھ کے ماہ ربیع الاوّل میں
وفات پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی طرف سے قربانی کرتے رہنے
کی وصیت فرمائی تھی تو یقیناً ۱۱ھ کے ذوالحجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے وصیت کے مطابق
قربانی کی ہوگی اور پھر پچیس ۲۵ برس سے زیادہ ہی آپ ہر سال مدینے میں قربانی دیتے رہے ہوں گے
مگر مدینے میں کسی نے حضرت علی رض سے نہیں پوچھا کہ یہ ایک مینڈھا فاضل آپ کس کی طرف سے قربانی دے
رہے ہیں؟ اور کسی شخص کو بھی وہاں اس کا علم نہ ہوا، نہ مدینے کا رہنے والا کوئی شخص تو اس حدیث کو روایت کرتا
تقریباً ۳۶ھ میں جب حضرت علی رض کوفے میں آئے اور یہاں آپ رض نے قربانی کی تو یہاں بھی حنش کے
سوا اور کسی نے آپ سے نہ پوچھا، نہ کسی کو اس کا علم ہوا کہ آپ پچیس ۲۵ چھبیس ۲۶ برس سے بلکہ اس کے
بعد تک یعنی ۳۹ھ تک ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسبِ وصیت قربانی کرتے رہے۔ تمام
صحابہ و تابعین میں سے اس رازِ سربستہ کا علم صرف حنش کو اور حنش ہی کے ذریعے صرف حکم بن عتیبہ کو
اور حکم بن عتیبہ کے ذریعے صرف ابو الحسناء جیسے مجہول آدمی کو ملی جس نے اس حدیث کے سوا کبھی کوئی دوسری
حدیث روایت ہی نہیں کی، اور اس مجہول الحال شخص سے صرف شریک بن عبداللہ کو
ملی۔ ان شریک صاحب سے محمد بن عبید المحاربی الکوفی نے سُنی اور ان سے ابو عیسیٰ الترمذی نے یا
عثمان بن شیبہ کوفی نے سُنی جن سے ابو داؤد کو ملی۔ اور ترمذی و ابو داؤد نے اس رازِ سربستہ کو
جو صرف کوفے کے بعض شیعوں ہی کو، تمام شیعوں کو بھی نہیں، بلکہ ہر دَور میں صرف ایک ایک ہی آدمی
کو معلوم رہا۔ چوتھی پشت کے بعد پانچویں پشت میں ایک ایک کا سلسلہ ٹوٹ کر ایک سے دو ہوا تھا کہ ان
دونوں جامعین احادیث نے اس رازِ سربستہ کو طشت از بام کر دیا۔

رازے کہ سالہا دل و جانم نہفتہ داشت   چشمم دو قطرہ ریخت و طشتش ز بام کرد

افسوس کہ متاخرین علماء حدیث نے اس پر غور نہیں کیا کہ جامعین احادیث کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں لکھ لینا اس کی دلیل نہیں کہ وہ اس حدیث کو صحیح اور حجت وسند بھی سمجھتے تھے۔ وہ کتنے راویوں کے بارے میں خود کہتے اور لکھتے آئے کہ یکتب حدیثہ و لا یحتج بہ یعنی اس کی حدیث لکھ لی جائے گی مگر سند وحجت نہیں سمجھی جائے گی۔ اور آپ نے تو دیکھا کہ اس حدیث کے راویوں میں تین راوی ایسے ہیں جو لا یحتج بہ ہیں یعنی جو سند وحجت سمجھے جانے کے قابل نہیں پھر کس طرح ایک ایسی حدیث کو جو صرف کوفی شیعوں کی من گھڑت ہے، سند سمجھنے لگے اور اس کی بنیاد پر بعض لوگوں نے مردے کی طرف سے قربانی کو جائز قرار دے دیا؟ جیسا کہ ترمذی نے لکھا کہ بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں یقیناً یہ وہی اہل علم ہیں جو بدعات کے لئے حیلے اور بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ اگر انہوں نے شیعوں کی اس من گھڑت حدیث کو صحیح ہی سمجھ لیا تھا تو یہ کیوں نہیں سمجھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضؓ کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے دوسرے کو اس پر عمل کرنے کا اور کسی دوسرے مُردے کی طرف سے قربانی کرنے کا کسی طرح بھی حق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آخر وقت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو نہ اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کی، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور نہ حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما نے کبھی کسی مردے کی طرف سے قربانی کی اور نہ اپنے بعد کے لئے اپنے ورثاء کو قربانی کی وصیت کی۔ حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید کے دن دو مینڈھے ذبح کرتے تھے ایک اپنی طرف سے اور اپنے لوگوں کی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے اور کبھی ایک ہی مینڈھے میں سب کو شریک فرماتے تھے جیسا کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے تو بعض بدعت پسند علماء نے اس سے یہ مطلب نکالا کہ آپ کی امت جس نے توحید اور آپؐ کی رسالت کا اقرار کیا ان میں کتنے اس ذبح کرنے کے دن سے پہلے دنیا سے گذر چکے تھے، اس لئے آپ نے زندہ، مردے سب کی طرف سے قربانی کی۔

جو لوگ اہل علم ہیں وہ "تقابل عدم و ملکہ" کے مفہوم سے واقف ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جب قربانی انسانی جان کا فدیہ ہے حیوانی جان سے، تو یہ اس کی طرف سے ہو سکتی ہے جس کی جان اس کے جسم خاکی میں موجود ہے۔ جو مر چکا اس کی جان تو اس کے جسم سے نکل چکی اس لئے اب اس کی جان کا فدیہ کسی حیوانی جان سے کیا دیا جائے گا۔ اس لئے مُردوں کی طرف سے قربانی ایک دینی سی

بات ہے۔

پھر بعض روایتوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ عمن لم یضح من امتی یعنی اس کی طرف سے ہے جو میری اُمت میں سے قربانی نہ کرسکا۔ یعنی تنگدستی و غربت کی وجہ سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانوں کا فدیہ نہ دے سکا۔ حضرت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ غریبوں تنگدستوں کی جانوں کا فدیہ نہ ادا ہو۔ اس لئے آپؐ نے ایسا کیا۔ آج بھی اگر کوئی صاحب توفیق ایسے کل مسلمانوں کی طرف سے قربانی کر دے جو اپنی تنگدستی کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو یہ اتباع سُنت ہوگا مگر اہلِ بدعت کو تو اتباع سُنت سے زیادہ اختراع بدعت کی دُھن رہتی ہے۔ اس لئے جو سُنت تھی اس کو چھوڑ کر مردوں کی طرف سے زبردستی قربانی ۔ بت کرکے قربانی کرنے لگے

۹۔ اگر واقعی آپ نے زندہ مُردہ سب کی طرف سے قربانی کی تھی، اور اس سے مُردوں کی طرف سے قربانی کا جواز نکلتا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو ضرور سمجھتے۔ اور وہ لوگ اپنے مسلمان مُردوں کی طرف سے خصوصاً جو غزوات میں شہید ہوئے تھے ان کی طرف سے ضرور قربانی کرتے۔ اور اس کا دستور صحابہؓ کے وقت میں ضرور قائم ہو جاتا۔ اپنے مُردوں سے محبت صحابہؓ کو اس سے کم نہ تھی جتنی کہ بعد والوں کو یا آج کل کے لوگوں کو اپنے مُردوں سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ صحابہؓ کو اپنے مُردوں کو نفع یا ثواب پہنچنے کی کوئی فکر نہ ہو اور صرف بعد والوں ہی کو اس کی فکر ہو۔ جو طرح طرح کے طریقے مُردوں کو نفع پہنچانے کے لئے اپنے طور سے یا دوسری قوموں کو دیکھ دیکھ کر اختیار کریں، اور جو طریقہ مُردوں کو نفع پہنچانے کا قرآن و سُنت میں موجود ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عملدرآمد میں رہا ان طریقوں سے ان کا جی نہ بھرے اور ان کو کافی نہ سمجھیں۔ یہ تو درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر بے اعتمادی ظاہر کرنا ہے۔

سنت رسولؐ صحابہ کیا ہے؟

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کا ایک ہی صحیح راستہ بتایا ہے جس کو فرمایا کہ ما انا علیہ و اصحابی یعنی جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس سے کسی کام کو جائز یا ناجائز ثابت کرنا کوئی مشکل نہیں۔ شیعے اسمٰعیلی، بوہری اور جتنے باطل مذہب والے مسلمانوں میں ہیں سب اپنے اپنے دعوے کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کر رہے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "مولوی تو یک انڈے

کو دوانڈ سے ثابت کردیتا ہے"۔ اس لئے "ثابت" ہی کی فکر نہ کیجئے ۔ بس صرف اسی کو دیکھئے کہ اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں عام طور سے سب لوگ کرتے تھے یا نہیں ۔ یہی اتباع قرآن اور اتباع سُنت کے لئے کہا گیا ہے ۔ اور یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ " ہر حدیث سُنت نہیں ہے"۔ حدیث تو ہر اس بات کو کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہٗ کی طرف منسوب کی گئی ہو۔ جو سچی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی بھی ۔ کیونکہ جھوٹی حدیثیں بنانے والے بھی ہزاروں تھے، جو سچی حدیث ہو وہ منسوخ بھی ہو سکتی ہے ۔ کسی وقتی طور سے یا شخصی مصلحت کی بناء پر یا کسی خاص موقع ومحل پر بھی ہو سکتا ہے کہ کہی گئی ہو۔ آپ کا کوئی فعل آپ کے لئے مخصوص بھی ہو سکتا ہے ۔ روایتوں میں بہت سی باتوں کی تصریح نہیں ہوتی ۔ ہر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے الفاظ میں نہیں بیان کی گئی ۔ راوی کے بیان میں الٹ پھیر اور ردوبدل کا بھی امکان ہے اسی لئے ہم کو اتباع حدیث کا حکم نہیں کیا گیا بلکہ اتباع سُنت کا حکم کیا گیا ہے ۔ "سنت" نام ہے اُس تعامل کا اُسی عملدرآمد کا ، اس دستور کا جس کو دینی حیثیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جماعتی حیثیت سے اختیار کیا تھا جس کا دارومدار قرآن مبین اور تعلیم نبویؐ پر تھا ۔ ان تصریحات کی بناء پر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دین کی ہر بات میں صرف یہ دریافت کریں کہ اس بات کے بارے میں تمام صحابہؓ کا عملدرآمد کیا تھا ۔ اگر کسی بات میں صحابہؓ کا باہمی اختلاف معلوم ہو تو جس بات پر اکثر صحابہؓ کا عمل ہو اور قرآنی تعلیم سے جو زیادہ قریب ہو بس اُسی کو اختیار کریں ۔ بعد والوں کی طرف صرف اہل علم ہی کا کام ہے کہ اپنی تحقیق کے لئے دیکھیں کہ کون کیا کہتا ہے ۔ عام مسلمانوں کو بعد والوں کے جھگڑوں میں پڑنا مناسب نہیں ۔ ہر ایسی بات جس میں جائز ناجائز کا جھگڑا ہو، اس کو ناجائز ہی سمجھ کر ترک کرنا بہتر ہے کہ اگر جائز تھا اور ہم نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے ۔ کیونکہ عنداللہ اگر وہ کام ناجائز تھا اور میں نے کر لیا تو جب مجھ کو منع کیا جا رہا تھا کہ نہ کرو تو یقینی ہے کہ کر لینے پر قیامت میں باز پرس ہو گی ۔

والسلام علی من اتبع سبیل السلام و اللّٰہ الموفق العالم بما فی قلوب الانام

حررہ بقلمہ تمنا العمادی المجیبی الفلواری المہاجر کان لہ ربہ القوی القادر

(۷ ذوالحجہ ۱۳۷ھ بمقام ڈھاکہ)

جواب الجواب واللہ الموفق للحق والصواب

حضرت مجیب کے طول طویل جواب کا حاصل یہ ہے کہ میت کی طرف سے جواز قربانی کی دلیل صرف ترمذی کی وہ حدیث ہے جو بواسطہ شریک ابوالحسناء، حکم، حنش کے حضرت علی رضی سے مروی ہے حالانکہ حقیقت یہ نہیں بلکہ اس کی اصل دلیل وہ احادیث ہیں جو میت کی طرف سے صدقہ خیرات کرنے اور اس کو ثواب پہنچانے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ حدیثیں صحیح ہیں۔ بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں جیسے حدیث سعد انہ تصدق عن امہا و قد ماتت بحزاف وفی روایۃ انہ حفر بئرا و تصدق بہا عن امہ۔ صدقہ بدنیہ کا ثواب میت کو پہونچنے میں تو علماء کا اختلاف ہے مثلاً کوئی نماز پڑھ کر یا تلاوت قرآن کرکے مردہ کو بخشے تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا ثواب مردہ کو نہ پہنچے گا مگر جمہور کے نزدیک یہ بھی پہنچتا ہے لیکن صدقہ مالیہ کا ثواب تو سب علماء کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے اس میں سوائے معتزلہ وغیرہ کے جو اہل سنت سے خارج ہیں کسی جماعت اہل حق کا اختلاف نہیں اب دیکھنا چاہیئے کہ قربانی صرف فدیہ جان ہے یا اس میں کچھ ثواب بھی ہے؟ تو جس حدیث سے قربانی کا سُنت ابراہیم علیہ السلام ہونا معلوم ہوا ہے جس کو مجیب بھی تسلیم کرتے ہیں اوس میں یہ بھی مذکور ہے۔

قالو فما لنا فیہا یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہ! قربانی میں ہم کو کیا ملے گا؟ قال بکل شعرۃ حسنہ الخ۔ فرمایا ہر بال کے عوض ایک نیکی (کا ثواب ملے گا) جب قربانی میں ثواب ہے تو یہ صدقہ مالیہ میں داخل ہے اور صدقہ مالیہ میت کی طرف سے بالاتفاق جائز ہے۔ اگر کوئی میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے یا حج کر دے یقیناً درست ہے اسی طرح اس کی طرف سے قربانی کر دینا بھی درست ہونا چاہیئے۔ اگر صراحتاً اس کا ثبوت حدیث میں نہ ملتا جب بھی وہ احادیث جن میں میت کی طرف سے صدقہ مالیہ کا جواز ثابت ہے اس کے جواز کے لئے کافی تھیں۔ چہ جائیکہ حضرت علی رضی کی حدیث سے صراحتہً بھی اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے رواۃ سب کوفی ہیں تو سارے کوفی تو مجروح نہیں نہ سب شیعہ ہیں۔ ورنہ یحییٰ بن معین، مسعر بن کدام، ابوبکر بن ابی شیبہ، امام ابوحنیفہ اور اعمش اور حفص بن غیاث وغیرہ جملہ اہل کوفہ مجروح ہو جائیں گے پھر جب

حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کا زیادہ حصہ کوفہ میں گذارا ہے تو اُن کے فتاوی اور قضایا کو کوفہ والے ہی روایت کریں گے تو یہ جرح لغو ہے۔ رہا یہ کہ ان راویوں کو بعض نے متہم بہ تشیعہ کہا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام جروح کے بعد محدثین کا فیصلہ کیا ہے؟ کیونکہ ایسا راوی کون ہے جس پر کسی نے جرح نہیں کی اگر ہر اس شخص کو جس پر کسی نے جرح کی ہو چھوڑ دیا جائے تو بڑے سے بڑا امام بھی جرح سے سالم نہ ملے گا کیا امام ابو حنیفہ، امام بخاری پر لوگوں نے جرح نہیں کی۔ امام شافعی پر جرح نہیں کی گئی؟ تو کیا اُن کی روایت کو چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح یہاں بھی محض کسی کی جرح کی بناء پر روایت کو ترک کر دینا درست نہیں بلکہ محدثین کے طرز عمل کو دیکھنا ہوگا تو ظاہر ہے کہ شریک کی روایات بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ ابو الحسناء کی روایات ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں موجود ہیں۔ ابوداود اور نسائی نے اس کی روایت پر سکوت کیا ہے اور ان کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

حکم سے جملہ اصحاب صحاح نے روایت کی ہے۔ حنش کی روایات کو بھی جملہ اصحاب سنن روایت کرتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایات کو لیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ کسی راوی کو شیعہ کا اپنی کتابوں میں اچھا کہنا اُس کے بُرے ہونے کی دلیل نہیں وہ تو ابوذر، مقداد اور سلمان فارسی کو بھی شیعہ میں شمار کرتے اور ان کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ حضرت علیؓ نے مدینہ میں حضورؐ کی طرف سے قربانی کیوں نہ کی؟ تو یہ اسی روایت سے کیونکر معلوم ہوا؟ ہوسکتا ہے کہ مدینہ میں بھی کی ہو مگر وہاں کسی نے اس فعل پر شبہ نہ کیا کوفہ والوں نے شبہ کیا تو جواب دے دیا، پس میت کی طرف سے قربانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اُس کو وہ ثواب پہنچاتا ہے جو قربانی پر اس کو ملتا ہے، اور طاعات مالیہ کا ثواب میت کو پہونچانا باتفاق علماء درست ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ

ظفر احمد عثمانی بقلم خود ۱۱ صفر ۱۳۷۱ھ

(یعنی ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ کو لکھا گیا۔ مگر مولانا ظفر احمد صاحب ہی کے پاس رکھا رہا۔ جب محمد بنسی بازار کے لوگوں نے بار بار ان سے مانگا تو آخر ۱۱ صفر ۱۳۷۱ھ کو انہوں نے نظرثانی کے بعد ان لوگوں کو دیا۔ وہ لوگ میرے پاس ۱۶ صفر ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۵۔ نومبر ۱۹۵۱ء کو لے کر آئے۔ تمنا عفرلہٗ)۔

جوابِ جوابِ الجواب

(از مولانا عبدالوحد الخیری)

مُردوں کی طرف سے قربانی کے بارے میں کسی سائل نے حسبِ ذیل سوال بعض علماء کے سامنے پیش کیا تھا۔ مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قربانی کرنا قرآن وسُنّت سے ثابت یا جائز ہے یا نہیں؟ اور آئمہ مجتہدین خصوصًا امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں خاص شاگرد امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا اس کے بارے میں کیا فتوےٰ ہے؟

واضح رہے کہ سائل کے مطالبے کے مطابق جواب آیات قرآنی سے، سنّت یعنی تعامل عہد نبوی وعہد خلفائے راشدین کی رو سے دینا ہر مجیب کا فرض ہے۔ آخر میں حنفیوں کے تینوں اماموں میں سے کسی کا بھی فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔

قرآن سب سے پہلے اس کا جواب مولانا تمنا صاحب عمادی پھلواروی مہاجر مقیم ڈھاکہ نے دیا۔ انہوں نے قرآن سے اس کو ثابت کیا کہ قربانی حقیقت میں جس کی طرف سے کی جاتی ہے دُنیا میں اس کی جان کا فدیہ ہو جاتی ہے۔ یعنی دنیاوی بلائیں اس سے ٹل جاتی ہیں۔ اس لئے زندہ ہی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد کوئی فدیہ دے کر عذاب سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اس لئے کسی مُردے کی طرف سے فدیہ نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن و حدیث قرآن وحدیث دونوں سے مولانا تمنا صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ قربانی سُنّتِ ابراہیمیؑ ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے زندہ کی طرف سے قربانی کی تھی، نہ کہ مردہ کی طرف سے۔ اس لئے مردہ کی طرف سے قربانی سُنّتِ ابراہیمی کے بھی خلاف ہے۔

سُنّت سُنّت نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عادل کے دینی دستور اور دینی عملدرآمد کا۔ مولانا تمنا صاحب نے یہ بھی بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی کسی مردے کی طرف سے قربانی کی نہ اپنی طرف سے اپنے بعد قربانی کرنے کی وصیت اپنے وارثوں کو کی۔ ایک حدیث جو کوفے کے شیعوں کی من گھڑت ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں ہے اس کی تنقید کر کے ثابت کر دیا کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور شیعوں کی

گھڑی ہوئی ہے ۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا ۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبینؒ کے فتووں کا مولانا تمنا صاحب نے کوئی ذکر نہیں کیا ۔ جس کی سب سے بڑی وجہ تو اُن کا پُرانا اصول ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن وسُنت کی روشنی صاف طور سے پڑتی ہے اس مسئلہ کے متعلق کسی امام کا فتویٰ پُوچھنا بہت بڑی گستاخی ہے اور قرآن وسُنت پر پورا اعتماد نہ رکھنے کی دلیل ہے ۔ دوسری وجہ شاید یہ بھی ہو کہ کسی امام نے بھی (چاروں اماموں میں سے یا صاحبین میں سے) مُردوں کی طرف سے قربانی کرنے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے بعد والوں نے اسی شیعوں کی من گھڑت حدیث کی بنیاد پر، یا خلاف اصول قیاس کرکے اس کو جائز لکھ دیا ہے ۔ اور اس طرح قرآن وسُنت دونوں کی مخالفت کی ہے ۔ اس بحث میں کیوں سائل کے دماغ کو الجھایا جائے ۔ کیا قرآن وسُنت کی ہدایت سائل کے لئے کافی نہیں ہے؟ جس کو قرآن وسنت پر اعتماد نہیں ہے ۔ اس سے مولانا تمنا نے الجھنا مناسب نہیں سمجھا ۔ اور اسی الجھاؤ سے بچنے کے لئے غالباً ۔ یہ بھی نہیں لکھا کہ "امام ابوحنیفہ وصاحبین میں سے کسی نے بھی مُردے کی طرف سے قربانی کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے" ۔

حدیث سے غلط استدلال یہ جو بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی طرف سے اور اپنی ساری اُمت کی طرف سے قربانی فرمائی تھی ۔ اس سے بعض متاخرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپؐ کی امت میں تو زندہ اور مُردہ سب کے سب تھے تو جب آپؐ نے ساری اُمت کی طرف سے قربانی کی تو مُردوں کی طرف سے بھی قربانی کی ۔ اسلئے آپؐ کے فعل سے مُردوں کی طرف سے قربانی کا ثبوت نکل آیا ۔ مولانا تمنا صاحب نے اس استدلال کو غلط اور خلاف اصُول ثابت کرکے نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ دوسری روایتوں میں تصریح موجود ہے کہ مِمَّن لَمْ يضحِّ من امتی اور ظاہر ہے کہ مراد یہی ہے کہ جو زندہ ہے اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ قربانی ضرور کرتا مگر ناداری کی وجہ سے جو قربانی نہیں کر سکا اس کی طرف سے آپ نے قربانی کرکے اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا تاکہ وہ بے چارے بھی دنیاوی بلاؤں سے اسی طرح بچ جائیں جس طرح قربانی کرنے والے بچیں ۔ مُردے نہ قربانی کر سکتے ہیں نہ ان کا فدیہ دیا جا سکتا ہے اس لئے آپؐ نے مُردوں کی طرف سے کبھی قربانی نہیں دی نہ آپؐ کے وقت میں کسی صحابی نے کسی مردے کی طرف سے قربانی کی نہ آپؐ کے بعد ۔ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو آپؐ کے بعد تو یقیناً تمام صحابہ رضؓ نہیں تو کم سے کم خلفائے راشدین رضؓ

ضرور ... مسلمانوں کی طرف سے نہیں تو اپنے عزیز مسلمان مُردوں کی طرف سے قربانی کرتے۔

مولانا تمنا صاحب کا پورا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت مدلل ہے اور ترمذی اور ابوداؤد والی حدیث کی تنقید کر کے بھی انہوں نے ثابت کر دیا کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور شیعوں کا افتراء ہے۔

جواب الجواب

مولانا تمنا صاحب کے جواب کا جواب مولانا ظفر احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ نے تحریر فرمایا ہے اور میت کی طرف سے قربانی کرنے کو انہوں نے جائز قرار دیا۔ لیکن

قرآن | نہ قرآن سے اس کے جائز ہونے کا کوئی ثبوت دیا۔ نہ مولانا تمنا صاحب کے قرآنی استدلال کی کسی قسم کی تردید فرمائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے نزدیک بھی میت کی طرف سے قربانی قرآن سے نہیں ثابت ہو سکتی۔ علامہ تمنا صاحب نے جو قرآن سے میت کی طرف سے قربانی کو ناجائز ثابت کیا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔

سنت | سنت سے بھی مولانا تمنا صاحب نے میت کی طرف سے قربانی کو ناجائز یعنی بدعت ثابت کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے اسکا بھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب کے نزدیک متاخرین کے لکھے ہوئے جواز کے فتوے کافی ہیں۔ اس کے لئے متقدمین کے قول وفعل کی جستجو کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہ وصاحبین | سائل نے ان تینوں بزرگوں یا ان میں سے دو یا ایک کا فتوے طلب کیا تھا مگر وائے ناکامی کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے باوجود حنفیت میں کافی استقامت رکھنے کے ان بزرگوں میں سے کسی کا کوئی فتوے میت کی طرف سے قربانی کے جواز کے بارے میں پیش نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ دوسرے مجتہدین امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل میں سے بھی کسی کا فتوے پیش نہیں کیا۔

غرض میت کی طرف سے قربانی کا جواز سائل قرآن، سنت اور آئمہ احناف کے فتووں سے پوچھتا ہے مگر مولانا ظفر احمد صاحب نہ اس کو قرآن سے جائز ثابت کرتے ہیں نہ سنت سے، اور نہ آئمہ احناف کے

دونوں سے۔ اور مولانا تمنا صاحب نے ہر طریقے سے اس کو ناجائز ثابت کر دیا۔ پھر بھی مولانا ظفر احمد صاحب مولانا تمنا صاحب کا جواب تحریر ہی فرما رہے ہیں۔

جناب مولانا ظفر احمد صاحب کا استدلال

مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: "میت کی طرف سے جواز قربانی کی دلیل صرف ترمذی کی وہ حدیث ہی نہیں ہے جو بواسطہ شریک و ابوالحسناء و حکم و حنش و حضرت علیؓ سے مروی ہے بلکہ اس کی **اصل دلیل** وہ احادیث ہیں جو میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے اور اس کو ثواب پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں۔ الخ"

حالانکہ میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کے جواز کے ثبوت میں جو حدیثیں لوگ پیش کرتے ہیں۔ ان میں ایک حدیث میں بھی میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت کا ذکر نہیں ہے اور نہ مولانا ظفر احمد صاحب یا کوئی دوسرا مولانا ایسی کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں جن میں میت کی طرف سے قربانی کی اجازت ہو۔

قیاس | مولانا ظفر احمد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرا صدقہ وخیرات کسی میت کی طرف سے کرتے ہیں اور اس کا ثواب میت کو ملنے کی امید رکھتے ہیں اسی طرح میت کی طرف سے قربانی کر کے بھی ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ میت کو اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جو حدیث مولانا تمنا صاحب نے پیش کی ہے سنۃ ابیکم ابراھیم (ولک) اس کے بعد بلکہ شعیرۃ حسنۃ بھی ہے چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں "جب قربانی میں ثواب ہے تو یہ صدقہ مالیہ میں داخل ہے اور صدقہ مالیہ میت کی طرف سے باتفاق جائز ہے الخ" مطلب یہ ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب میت کی طرف سے قربانی کو نہ قرآن سے جائز ثابت کر سکتے ہیں نہ سنت سے۔ نہ ائمہ احناف کے فتووں سے بلکہ صرف **قیاس** سے مقلد بنکر نہیں بلکہ مجتہد بن کر ثابت کرتے ہیں۔ چاہے وہ ان کا قیاس غلط اور بے بنیاد ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہی بے بنیاد قیاس مولانا ظفر صاحب کے نزدیک اصل دلیل ہے۔

اس قیاس کے بے بنیاد اور غلط ہونے کی دلیلیں

نمبر۱ - قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں۔ جب تک کوئی ایسا قاعدہ کلیہ نہ ہو جو قطعی دلیل سے ثابت ہو

اور مقیس و مقیس علیہ میں ایسی مشابہت قطعیہ نہ ہو، جو علت حکم، قطعیت کے ساتھ ہو سکے، اُس وقت تک قیاس صحیح نہیں ہو سکتا اور پھر جب تک کوئی ضرورت داعیہ نہ ہو، بے ضرورت قیاس بھی جائز نہیں۔

نمبر ۲۔ ہر صدقہ مالیہ میت کی طرف سے بالاتفاق جائز ہو ایسا نہیں ہے کیونکہ میت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں باوجودیکہ غلام کا آزاد کرنا بھی ایک صدقہ مالیہ ہے۔ تو جس طرح غلام کا آزاد کرنا میت کی طرف سے جائز نہیں ہے اسی طرح قربانی کرنا بھی میت کی طرف سے جائز نہیں کیونکہ جب قاعدہ کلیہ نہ رہا تو جس طرح بعض فرد نکل جا سکتا ہے دوسرا فرد بھی اس حکم سے نکل سکتا ہے۔

نمبر ۳۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر صدقہ مالیہ میت کی طرف سے جائز نہیں ہے تو پھر جن چیزوں کے صدقہ کا جواز میت کی طرف سے صحیح حدیثوں سے ثابت ہے ان کو پیش کر کے وجہ شبہ اور عدم فارق پر غور کرنا ایسی سطحی بات نہیں ہے کہ قلم اُٹھا کر حکم لگا دیا جائے۔ دین کا معاملہ ہے۔ ایک عجیب عالم دین بزرگ کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ یہ بات کو جائز ثابت کر رہے ہیں۔ جس کے جواز کا ثبوت نہ قرآن سے نکلتا ہے نہ سنت یعنی تعامل قرون مشہود لہم بالخیر سے ثابت ہے نہ آئمہ ثلاثہ احناف اس کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ قرآن کی نصوص صریحہ سے مخالف ہے۔ اس لئے ایک بدعت کو سنت ثابت کرنا کھیل نہیں ہے۔ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

نمبر ۴۔ قرآن پاک میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے کہ من عمل صالحًا فلنفسہ (جس نے کوئی نیک عمل کیا تو اپنے ہی لئے کیا) اور فرمایا گیا کل امرئ بما کسب رھین (ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے) اس لئے قرآن پاک کی آیتوں سے صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایک شخص کی نیکی کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ مگر یہ حدیثیں جو مردے کی طرف سے صدقہ خیرات یا حج وغیرہ کرنے کی ملتی ہیں اگر صحیح ہوں بھی تو خلاف قیاس کہی جائینگی اور خلاف قیاس باتوں پر قیاس کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے ورنہ خانہ کعبہ پر قیاس کر کے مسجد نبوی کا حج کیوں نہیں شروع کر دیا گیا اور ہر مسجد کا طواف کیوں نہیں شروع کر دیا جاتا۔

نمبر ۵۔ قیاس کے لئے ضرورت قیاس بھی ایک لازمی شرط ہے ورنہ بے ضرورت قیاس کر کے دین میں ہزاروں

ے ہدایہ کتاب الاضحیہ جلد آخری صفحہ ۴۳۳ میں ہے الاعتاق عن المیت لا یجوز۔ یعنی میت کی طرف سے لونڈی غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

بدعتیں پیدا کردی جا سکتی ہیں۔ حدیث میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ لم یزل امر بنی اسرائیل مستقیما حتے کثرت فیھم اولاد السبایا فقاسوا ما لم یکن بما کان فضلوا و اضلوا ۔ بنی اسرائیل کا دین نہایت ٹھکانے سے چل رہا تھا یہاں تک کہ لڑائی کے قیدیوں کی اولاد ان میں بہت بڑھ گئی تو جو باتیں دین میں تھیں ان پر ان لوگوں نے قیاس کر کر کے جو باتیں دین میں نہیں تھیں ان کو پیدا کرنا شروع کر دیا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بے ضرورت قیاس کر کرکے نئی باتیں دین میں پیدا کرنا بالکل گمراہی ہے۔

نمبر۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں قربانی کا حکم آتے ہی ہر صاحب استطاعت صحابی ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانۂ مبارک میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی۔ لیکن کبھی کسی نے کسی مُردے کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ اگر کی ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی کتاب میں اس کی کوئی حدیث مروی ہوتی۔ نہ کسی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کبھی قربانی کی۔ کیونکہ اس کی بھی کوئی روایت نہیں مل سکی حضرت علی رضؓ والی روایت کی تنقید کر کے مولانا تمنا صاحب نے ثابت کر دیا کہ وہ حدیث ایک جھوٹی روایت اور شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ بالفرض وہ روایت صحیح بھی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا وصیت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اور وہ مخصوص تھا حضرت علی رضی اللہ عنہٗ ہی کے لئے ورنہ دوسرے لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ضرور قربانی شروع کر دیتے اور ان دوسرے کی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی روایت کسی نہ کسی کتاب میں ضرور ہوتی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ بھی اپنے بعد اپنی طرف سے ہر سال قربانی کرنے کی وصیت اپنے صاحبزادوں کو کر جاتے یا ان کے صاحبزادے برابر ان کی طرف سے قربانی کرتے رہتے۔ مگر جب ایسی کوئی روایت نہیں ملتی تو اگر وہ حضرت علی رضؓ والی روایت صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اس کا حکم مخصوص تھا حضرت علی رضؓ کے لئے۔ نہ ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔ نہ ہر مُردے کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ ایسی مخصوص باتوں پر قیاس کر کے ان باتوں کی خصوصیت کو مٹا دینا خود ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اور دراصل ایک طرح کا شرک فی الرسالت ہے۔ ان وجوہات سے میں مولانا ظفر احمد صاحب غور فرما کر اپنے جواب الجواب پر دوبارہ نظر ثانی کی تصدیق کی نظر ڈالیں کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں بات کی پیچ کرنا ایک عالم دین کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں۔

بکل شعرۃ حسنۃ (نوٹ) قربانی کے جانور کے بدن میں جتنے بال ہیں اتنی ہی نیکیوں کا ثواب قربانی کرنے والے کو ملے گا۔ مگر کیا خالی خون بہانے اور گوشت کھانے کا ثواب ملے گا؟ قرآن میں فرمایا گیا ہے لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم اللہ تعالے کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون یا گوشت نہیں پہنچتا ہے لیکن تمھارا تقویٰ وہاں پہنچتا ہے۔ اور ثواب جو کچھ ہے وہ تقویٰ ہی کا ہے تو جب تک تقویٰ ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو تو ثواب کس طرح منتقل ہو سکتا ہے کیونکہ ثواب تو تقویٰ سے وابستہ ہے اور تقویٰ منتقل ہونیوالی چیز نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تقویٰ تو اس کے پاس رہ جائے اور ثواب دوسرے کو پہنچ جائے ورنہ خود پیٹ بھر کے کھانا کھا کر کسی بھوکے تک اپنی شکم سیری پہنچانے کی دعا بھی صحیح ہونی چاہیئے۔ ہر بال کے برابر ایک حسنہ کا ثواب ملے گا اُسی کو جس نے قربانی ادا کر کے تقویٰ حاصل کیا ہے نہ کسی دوسرے کو۔

سارے کوفی شیعہ نہیں یہ تو مولانا تمنا نے نہیں لکھا ہے کہ سارے کوفی شیعہ تھے۔ مگر یہ تو معلوم ہے کہ کوفہ شیعوں کا ایک مرکز تھا۔ اسلام میں جتنے فتنے اُٹھے ننانوے فی صدی کوفے ہی سے اُٹھے۔ جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلانے والے زیادہ تر کوفی ہی تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوفے میں کوئی ثقہ اور معتبر شخص تھا ہی نہیں۔ مگر کوئی ایسی حدیث جو "غریب" ہو یعنی صرف ایک ہی ایک راوی جس کی روایت کرتے رہے ہوں اور وہ سب کے سب کوفی ہی ہوں، اور اس حدیث کی کوئی متابعت بھی نہ ملتی ہو پھر قرآنی تصریحات کے بھی خلاف ہو سنت کے بھی خلاف ہو، اس کے راوی بھی بعض ایسے ہوں کہ اس حدیث کے سوا اور کسی روایت میں ان کا نام نظر نہ آتا ہو، اور اس سلسلہ روایت میں متعدد شیعے ہوں اور اس حدیث میں حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہو پھر اس سلسلہ کے متعدد راوی مجروح بھی ہوں ان تمام نقائص و مناقب والی حدیث کو بھی اگر موضوع نہ کہا جائے گا تو کس کو کہا جائے گا کوئی انصاف و دیانت والا مسلمان مجھکو بتا دے۔

حاکم صاحب مستدرک مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "حنش کی روایات کو بھی جملہ اصحاب سنن روایت کرتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایت کر لیا ہے اور صحیح کہا ہے"۔ مولانا ظفر احمد صاحب اس موقع پر بھی پیرانہ سالی کے نسیان میں مبتلا ہو گئے۔ حنش سے جملہ اصحاب سنن نے روایت نہیں لی ہے۔ صحاح میں صرف ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کس سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی بہت کم اد

سب ضعیف اور مشتبہ حدیثیں جن کی متابعت نہیں ملتی اور حاکم سے کیا ہوں نا واقف نہیں ہیں - ان کے بارے میں ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں لکنہ[1] یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطۃ فیکثر من ذلک فما ادری ھل خفیت علیہ فما ھو من یجھل ذلک وان علم فھو خیانۃ عظیمہ ثم ھو شیعی مشھور بذلک - اس کے کچھ بعد لکھتے ہیں - "امام[2] فی الحدیث رافضی خبیث" تو اگر ایک رافضی خبیث کسی شیعے کی حدیثیں کتاب میں بھر دے اور ان حدیثوں کو صحیح لکھے تو تعجب کی کونسی بات ہے -

محدثین کا فیصلہ مولانا تمنا صاحب نے جو ترمذی و ابوداود والی حدیث کے راویوں کی تنقید فرمائی تو اس پر مولانا ظفر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ " رہا یہ کہ ان راویوں کو بعضوں نے متہم یا شیعی کہا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام جرحوں کے بعد محدثین کا فیصلہ کیا ہے؟ الخ "

اس کے بعد مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ " محض کسی کی جرح کی بناء پر روایت کو ترک کر دینا درست نہیں بلکہ محدثین کے طرز عمل کو دیکھنا ہو گا " - مگر افسوس کہ مولانا ظفر احمد صاحب باوجود سخت مقلد ہونے کے اس وقت پکّے غیر مقلد نظر آرہے ہیں - امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا نام تک نہیں لیتے - خود مجتہد بن کے محدثین کا قول محدثین کا فیصلہ اور محدثین کا طرز عمل دیکھنا چاہتے ہیں - مگر افسوس کہ دیکھتے بھی نہیں مولانا تمنا صاحب نے تو حدیث لکھ دی ، راویوں کے نام لکھ دیئے ، ہر راوی کے بارے میں محدثین کی جو رائیں ہیں وہ لکھ دیں اور خود اس حدیث کے بارے میں جو محدثین نے لکھا ہے وہ بھی لکھ دیا - آپ اس کے بعد اور کیا چاہتے ہیں ؟

لیجئے میں بھی بتائے دیتا ہوں محدثین نے کیا فیصلہ کیا ہے - شریک ، ابوالحسناء ، حکم اور حنش

---

[1] (ترجمہ) لیکن وہ اپنی کتاب مستدرک میں اعتبار سے ساقط حدیثوں کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور اس قسم کی بات بہت کرتے ہیں ، میں نہیں جانتا کہ ان حدیثوں کا اعتباری نہ ہونا ان سے پوشیدہ تھا ؟ تو وہ ایسے نہ تھے جو اس سے جاہل (بے خبر) ہوں اور اگر جان بوجھ کے ایسا کیا تو یہ بہت بڑی خیانت ہے - پھر وہ مشہور شیعے تھے -

[2] حدیث کے امام ہیں - مگر رافضی خبیث ہیں -

ہیں سے صرف حکم ہی ایک ایسے ہیں جن کے شیعہ ہونے کا اقرار کرتے ہوئے بھی اکثر محدثین نے ان کو ثقہ ہی قرار دیا ہے۔ شریک کے بارے میں امام یحیی القطان نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سے کبھی روایت نہیں کی۔ عبدالرحمن بن مہدی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سے روایت ترک کر دی۔ فضلک الصائغ نے تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شہر واسط میں بہت سی باطل حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے ان کے صاحبزادے نے شریک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کچھ تعریف کی مگر جب پوچھا کہ ان کی سند لی جائے گی؟ تو فرمایا کہ یہ مجھ سے مت پوچھو۔ ساجی نے فیصلہ کیا کہ یہ کثر شیعیت کی طرف منسوب تھے۔ عبدالحق الاشبیلی نے فیصلہ کیا کہ یہ مدلس تھے ان کی تدلیس کا ثبوت، جلد پنجم ص۲۵۱ تہذیب التہذیب میں بضمن ترجمہ عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلے ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کی روایات موسے بن یزید الخطمی سے جو زہیر و شریک کرتے ہیں وہ عبداللہ بن عیسے بن عبدالرحمن بن ابی لیلے سے نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے مجہول الحال شخص سے ہے اور زہیر بھی کوئی ہی ہیں۔ پر [illegible] نام زہیر بن معاویہ بن حدیج بن الرحیل بن زہیر بن خیثمہ ہے۔ غرض شریک صاحب [illegible] ہونت بھی موجود ہے۔

اب حنش کے بارے میں محدثین کا فیصلہ سن لیجئے۔ امام بخاری [illegible] کہ محدثین ان کی حدیث میں کلام کرتے ہیں۔ ابوحاتم نے فرمایا کہ ہم ان کی حدیث کی سند لیتے لوگوں کو دیکھتے نہیں ہیں۔ ابن حرب نے فیصلہ کیا لا یحتج بحدیثه۔ ابن حبان نے پھر یہی لکھا کہ کان کثیر الوهم فی الاخبار ینفرد عن علیؓ باشیاء لا تشبه حدیث الثقات حتی صار ممن لا یحتج بحدیثه —
ابواحمد حاکم نے یہ فیصلہ کیا لیس بالمتین عندهم۔ عقیلی۔ ساجی۔ ابن الجارود۔ ابوالعرب صقلی سب لوگوں نے ان کے ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا ابن حزم نے اپنی کتاب محلّٰی میں ان کے متعلق اپنا فیصلہ لکھا کہ ساقط مطروح۔ لیا [illegible] کے بعد بھی حنش کے متعلق کسی فیصلے کی [illegible] ضرورت ہے؟

[illegible] ابوالحسناء سے تو دنیائے حدیث میں صرف یہی ایک روایت ہے [illegible] ان کے متعلق مجہول ہونے کا فیصلہ نہ کریں تو کیا کریں۔

باقی رہا حدیث کے متعلق محدثین کا فیصلہ تو ابوداؤد کا یہ دستور نہیں کہ وہ حدیث کی نوعیت پر [illegible] روشنی ڈالیں۔ وہ محدثین کے فیصلہ پر اعتماد کر کے صرف [illegible] کی حدیثیں جمع کر دیا کرتے تھے۔ باقی رہے ترمذی تو انہوں نے صاف لکھ دیا کہ حدیث غریب ہے یعنی اس کے صرف یہی ایک راوی [illegible] ہیں۔ اور صرف شریک ہی کی وجہ سے اس حدیث کو ہم لوگ جانتے ہیں یعنی یہ حنش و ترکیب [illegible]

آدمی تھا اگر وہی روایت کرتا تو کتابوں میں لکھتے بھی نہیں۔ مگر شریک اگرچہ سند وحجت نہیں مگر اس کو محدثین جانتے ہیں اس لئے یہ حدیث لکھ لی گئی۔ اس لئے کہ شریک جیسے لوگوں کو آئمہ رجال وحدیث لکھتے ہیں مگر حدیث مرسل بلکہ یعنی اسکی سند منقطع ہے مگر اسکی سند نہیں کی جائے گی تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محدثین نے اس حدیث کے غریب ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور غریب حدیث کسی محدث کے نزدیک بغیر متابعت کے کبھی حجت وسند نہیں ہوتی خصوصاً جب اس کے راوی خود لا یحتج بہ ہوں۔ اتنی تصریح کے بعد محدثین کے فیصلہ کا تو نہیں قیامت کے فیصلے کا البتہ انتظار کیا جا سکتا ہے ورنہ اہل انصاف ودیانت کے لئے اتنی تصریحات کے بعد کسی مزید فیصلہ یا دلیل وحجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

عجیب وغریب استدلال: مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "اس کے رواۃ سب کوفی ہیں تو سارے کوفی تو مجروح نہیں نہ سب شیعے ہیں۔ الخ" کیا اس حدیث کی رواۃ صرف کوفی ہونے کی وجہ سے مجروح اور شیعے کہہ دیئے گئے ہیں؟ جو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ "کیا سب کوفی مجروح اور شیعے ہی ہیں؟ الخ" آپ کے یہ رواۃ تو ایسے ہیں جن پر کھلم کھلا آئمہ حدیث ورجال جرحیں کر گئے ہیں اور ان کو شیعہ لکھ گئے ہیں۔ البتہ کوفہ شیعوں کا مرکز رہا ہے اور اسلام میں جتنے فتنے اٹھے ، ننانوے فی صدی کوفے ہی سے اٹھے جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے سب سے زیادہ کوفے ہی میں تھے کوفہ کے بعد بصرہ وغیرہ ہیں، اس لئے غیر معروف ومجہول راویوں کا صرف کوفی ہونا بھی ان کے مشتبہ ہونے کے لئے کافی ہے خصوصاً جب وہ حدیث بھی کچھ انوکھی ہی سی روایت کر رہے ہوں جس کی متابعت بھی کہیں نہ ملتی ہو اور پھر قرآن وسنت کے بھی خلاف ہو۔

حنش ہی نے کیوں پوچھا؟ مولانا تمنا صاحب نے اس حدیث کے غلط ہونے کی ایک دلیل عقلی یہ بھی لکھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہوئی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی تو ذی الحجہ سنہ ۱۱ھ ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال قربانی شروع کردی ہوگی۔ سنہ ۳۵ھ سے بالکل اخیر میں حضرت علی خلیفہ ہوئے اور تقریباً سنہ ۳۶ھ میں کوفہ میں آئے تھے۔ سنہ ۴۰ھ کے رمضان میں آپ نے شہادت پائی تو ۲۸ برس تک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے، مدینے میں تو کبھی کسی نے پوچھا ہی نہیں کوفے میں بھی پوچھا تو صرف میاں حنش نے ان سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کہا

کہ کسی دوسرے کو اس کی خبر نہ ہو۔ حنش نے بھی چپکے سے صرف حکم سے کہدیا اور حکم نے بڑی رازداری کے ساتھ ایک مجہول الحال کوفی ابوالحسناء سے کہا۔ حالانکہ حکم کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ کسی دوسرے سے اس کا ذکر حکم نے کبھی نہیں کیا۔ اور اس ابوالحسناء نے صرف شریک سے کہا اور یہ چاروں شیعے ہیں اور حکم کے سوا سب مجروح اور لایحتج بہ ہیں۔ ایسے کوفیوں سے جو روایت ہو اس کو یہ کہنا کہ "اگر یہ لوگ مجروح ہیں اور ان کی حدیث ماننے کے قابل نہیں ہے تو پھر امام ابوحنیفہ اور فلاں فلاں بھی تو کوفی ہی تھے ان پر بھی تو بعض لوگوں نے کچھ جرحیں کی ہیں ان سب کی حدیث بھی ماننے کے قابل نہیں ہونی چاہیئے" تو یہ ویسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ قرآن مجید میں فرعون، ہامان، ابولہب وغیرہ کا ذکر ہے اور ان لوگوں کی برائیاں کی گئی ہیں تو حضرت ذوالنون اور حضرت لوط اور حضرت آدمؑ کی بھی تو غلطیوں کا ذکر ہے اس لئے فرعون، ہامان و ابولہب کو برا نہ کہو۔ اور کہو، تو سب کو برا کہو۔ کیا اس کہنے والے کا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ کہاں شریک و ابوالحسناء و حنش وغیرہ، کہاں امام ابوحنیفہ و یحییٰ بن معین و مسعر بن کدام وغیرہم مزید تعجب یہ ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے یحییٰ بن معین کو بھی کوفیوں میں شمار کر لیا حالانکہ وہ بغدادی تھے

شریک کی روایتیں مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "شریک کی روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہیں" میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں شریک کی روایت محض متابعۃً آئی ہے۔ مگر صحیح بخاری میں شریک کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اگر مولانا ظفر احمد صاحب صحیح بخاری میں ایک روایت بھی شریک کی دکھادیں تو میں جانوں۔

ابوالحسناء کی روایات مولانا ظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "ابوالحسناء کی روایات ابوداؤد ونسائی و ترمذی میں موجود ہیں۔ ابوداؤد و نسائی نے اس کی روایت پر سکوت کیا ہے۔ اور ان کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل ہے"۔ مولانا ظفر احمد صاحب اپنی پیرانہ سالی کے نسیان کی وجہ سے لکھ گئے۔

ابوالحسناء کی روایت نسائی میں بھی ہے۔ حالانکہ نسائی میں اس کی کوئی روایت نہیں۔ یہ جھوٹی حدیث بھی نسائی میں نہیں۔ اور ابوالحسناء سے صرف یہی ایک جھوٹی حدیث ترمذی نے بیان کی ہے۔ باقی رہے ابوداؤد تو ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عموماً ہر حدیث کو لکھ دیا کرتے ہیں اس کی حیثیت کو واضح نہیں کرتے۔ اس کو جب سکوت کہا جاتا کہ وہ دوسری حدیثوں کی نوعیت کو واضح کرتے رہے ہوتے۔ البتہ ترمذی کا دستور ہے کہ وہ حدیث کی حیثیت بتادیا کرتے ہیں چنانچہ انھوں نے اس حدیث کو جھوٹی تو

نہیں بتایا مگر ھذا حدیث غریب لانعرفہ الامن شریک لکھدیا۔ اور یہ بتادیا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ یہ تو اہلِ علم جانتے ہیں کہ غریب حدیث فقط غریب ہونے کی وجہ سے حجت وسَند نہیں ہوسکتی اور یہاں تو متعدد وجہیں ہیں۔

مولانا ظفر احمد صاحب ذرا یہ بتادیں کہ اصول حدیث کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ " ابوداود و نسائی جس حدیث کو لکھکر سکوت اختیار کریں یعنی اس کی حیثیت کو واضح نہ کریں وہ حدیث حسن یا صحیح ہے" ۔

شیعوں کی کتابوں میں ذکر ۔ جو لوگ اہلِ سُنت کے یہاں بالاتفاق سَند وحجت ہیں شلاً بعض اکابر تابعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۔ تو ان میں سے اگر چند بزرگوں کی مدح و توثیق شیعوں کی کتابوں میں بھی ہو تو اس سے ان بزرگوں پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔ مگر جو راوی چاہے وہ تابعی یا تبع تابعی ہی کیوں نہ ہو، اہلِ سُنت کے نزدیک مجروح یا مشتبہ یا مجہول ہو اور شیعوں میں ممدوح اور معتبر و معتمد ہو تو اس کو ضرور ایک خطرناک راوی سمجھا جائے گا۔ اس لئے ابوذر و سلمان و مقداد پر شریک و ابوالحسناء و حنش کو قیاس کرنا ایک سنی عالم دین سے بہت بعید ہے ۔ ھل یستوی الاعمٰی والبصیر (کیا اندھا اور بینا ایک جیسا ہوسکتا ہے)۔

یہاں تک تو جواب الجواب کی تنقید ہوئی ۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک عجیب وغریب کام یہ کیا، کہ مولانا تمنا صاحب کے جواب کے دوسرے صفحہ کی چوتھی سطر کے آخر میں " ۲ " بنا کر حاشیہ پر ایک عبارت اپنی طرف سے لکھ دی ہے جس سے ہر دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ اتنی عبارت لکھنے کے وقت لکھنے والے سے چھوٹ گئی تھی جس کو کسی دوسرے شخص نے بڑھا دیا ہے ۔ مگر یہ عبارت بھی اسی کی ہے جس کا پورا جواب ہے ۔ حالانکہ وہ عبارت بطور جواب کے مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہے اس لئے ان کو " ۲ " نہیں بنانا تھا بلکہ حاشیہ کی علامت بنا کر لکھنا تھا اور آخر میں اپنا نام لکھ دینا لازم تھا مگر اپنا نام بھی نہیں لکھا ۔ وہ تو مستقل طور سے جواب الجواب لکھ ہی رہے تھے اس تدلیس (دھوکہ) کی کیا ضرورت تھی ؟ ۔

مولانا تمنا صاحب نے لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آئمہ مجتہدین تک کسی نے کبھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی نہیں کی ۔ اس کے بعد صاد بنا کر مولانا ظفر احمد صاحب نے

حاشیہ پر لکھ دیا کہ "مگر سب نے جواز کا فتوے دیا ہے جو کتب مذہب میں موجود ہے۔ اس کے بعد عمل کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ واجب تو نہیں ہے"۔ جواباً عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء آئمہ مجتہدین رح کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ "سب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو کتب مذہب میں موجود ہے" تو برائے خدا ان سب بزرگوں کے فتوے نہ سہی ایک ایک کا نام اور کتابوں کا نام معہ حوالۂ جلد و صفحہ لکھ کر بھیج دیجئے جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور صحابہ رض اور پھر آئمہ مجتہدین سب کا فتوے جواز موجود ہے تو جو اس کو ناجائز کہے وہ تو کافر ہے۔ مگر یاد رہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ان میں سے کسی ایک کا فتویٰ جواز بھی کبھی نہیں پیش کر سکتے۔

والسلام حقیر عبدالواحد خیری عفی عنہٗ

۲۴، نومبر ۱۹۵۱ء

مکتوب ۱۳

مکرمی مولانا تمنا عمادی صاحب! السلام مسنون۔

اموات کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق میں نے آپ کی مطول و مفصل تحریر پر مختصر اشارات کر دیئے تھے تا لعل قبل تکفیہ الاشارہ اس پر کسی عبدالواحد صاحب خیری نے نو سیپ سے سات صفحہ کا جواب لکھا ہے جس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے نہ بخاری پڑھی ہے نہ دوسری کتب سنن و صحاح اور نہ اس نے فقہ مذاہب اربعہ کا مطالعہ کیا ہے اس لیے میں ایسے لوگوں کے منہ لگنے کو گوارا نہیں کر سکتا اگر جناب خود اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے رہیں گے اور جیسا اہلِ علم کا طریقہ ہے تہذیب و متانت سے گفتگو ہو تو کچھ لکھنے کو دل چاہے گا ایسی عامیانہ غیر مہذبانہ تحریروں کے جواب میں تو حسب ارشاد قرآنی سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین کے سوا کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہٗ ۲۹ صفر ۱۳۷۱ھ

مکرر آنکہ اگر عبدالواحد صاحب خیری کو اپنی تحریر کے جواب کا شوق ہو تو میں اپنے شاگردوں میں سے کسی کے حوالہ کر دوں گا تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ میں پیرانہ سالی کی وجہ سے بھولا ہوں یا وہ اپنی جوانی دیوانی کی وجہ سے دیوانوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔

نمبر۵.   باسمہ تعالٰی

مولانا وبالفضل اولٰنا ۔ مدظلکم العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب والا نے حضرت مولانا تمنا صاحب مدظلہٗ کے فتوے کا جواب اضحیہ عن المیت کے جواز کے اثبات پر مشتمل جو تحریر فرمایا تھا میں نے اس کا جواب الجواب محض علمی ذوق اور دینی جذبہ کے تحت لکھا تھا ورنہ حضور سے مقابلے کا دعوٰی اور میں ؟ بخدا میرے دل میں حضور کا کافی احترام ہے میں حضور کو اپنے اساتذہ میں سے کسی سے بھی کم محترم نہیں سمجھتا ۔ میں منتظر تھا کہ اس کے متعلق حضور کی کوئی تحریر اس حقیر کے نام سے ضرور آئے گی ۔ مگر جب دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے اور کچھ جواب نہ آیا تو آج حضرت مولانا تمنا مدظلہٗ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہٗ نے میری تحریر کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور اس کا کچھ جواب نہ دیا تو مولانا تمنا مدظلہٗ مسکرائے اور آپ کا نامۂ گرامی جو مولانا مدظلہٗ کے نام سے آیا تھا الماری میں سے نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا اس کو پڑھ کر مجھے سخت تکلیف پہنچی اور سخت تعجب بھی ہوا ۔ اس لئے نہیں کہ حضور نے میرے متعلق بعض ایسے الفاظ لکھے جو حضور کی بزرگانہ شان کے خلاف تھے ۔ اس بات سے تو تعجب ہوا ملال نہیں ہوا تکلیف اس سے پہنچی کہ حضور کو میری تحریر سے تکلیف پہنچی اس لئے نہایت ادب کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں برائے خدا معاف فرما کر ممنون فرمائیے ۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین ۔

اپنے متعلق عرض ہے کہ ؎

جس گلستاں کے ہیں گل تر آپ   خار اسی بوستاں کے ہم بھی ہیں

میں نے دیوبند ہی سے فراغت کی سند حاصل کی ہے اور میں نے بخاری ومسلم ودیگر کتب حدیث پڑھی ہیں فراغت کے بعد چند سال دوسرے مشاغل میں رہنے سے کچھ بھول گیا ہوں یہ ممکن ہے، لیکن بفضلہ تعالٰی ابھی کتابوں سے مناسبت باقی ہے ۔ دیوبند کے نصاب درس میں فقہ سے متعلق جتنی کتابیں ہیں وہ سب میں نے پڑھی ہیں ۔ اور بفضلہ تعالٰی اس وقت بھی اتنی صلاحیت رکھتا ہوں کہ اگر کسی مدرسے میں ملازمت مل جائے تو متوسطات ہی نہیں درجہ فاضل کی کتابیں بھی پڑھا سکتا ہوں انشاء اللہ

حضور نے حضرت مولانا تمنا مدظلہٗ کو تحریر فرمایا ہے کہ اگر وہ خود حضور کے جواب کے متعلق کچھ لکھیں تو آپ اس پر غور فرمائیں گے اور سلسلہ مراسلت جاری رکھیں گے ۔ مگر اس حقیر کی تحریر چونکہ گستاخانہ ہے اس لئے آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرمائیں گے البتہ اگر اس خاکسار کا اصرار ہو گا تو حضور اپنے کسی شاگرد کو میرے جواب کے لئے آمادہ فرمائیں گے ۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ میں نے جو کچھ جواب الجواب میں عرض کیا ہے اس میں بہت زیادہ حصہ حضرت مولانا تمنا مدظلہ کی کتاب القول الصواب فی ایصال الثواب ہی سے مستفاد ہے اور کچھ مولانا کے اس فتوے سے ۔ میرا اپنا مال اس خزانے میں بہت کم ہے ۔ ممکن ہے کہ جو بعض باتیں میں نے خود لکھی ہیں ان میں کچھ لغزشیں رہ گئی ہوں ۔ میں اپنے کو خطا و نسیاں سے بالاتر نہیں سمجھتا ۔ بہرحال میری باادب یہ درخواست ہے کہ حضور میری تحریر حقیر پر کم سے کم چند سطریں ہی لکھ کر مجھے میری غلطیوں سے مطلع فرما دیں تو جناب کی شفقت بزرگانہ سے بعید نہ ہو گا ورنہ کسی شاگرد ہی کو حکم دیں کہ وہ جناب کے ارشادات کو قلمبند کر کے میرے پاس بھیج دیں ، کیونکہ میرے پاس جس کی بھی تحریر آئے گی پھر میں جو کچھ بھی اس کے متعلق عرض کرونگا اس کے مخاطب حضور ہی ہوں گے ۔ اگر اس کا بھی جواب مجھے لکھنا پڑا تو حضور ہی کی خدمت میں باادب گذارش کروں گا ۔ میں کسی دوسرے کو کیا جانوں ۔ ہاں اگر حضور کے صاحبزادے مولانا عمر احمد صاحب تحریر فرمائیں گے تو میں ان کو مخاطب کر کے اپنے خیالات عرض کروں گا ۔ کیونکہ حضرت مولانا تمنا مدظلہٗ سے ان کی تعریف میں نے سنی ہے ۔ وہ صاحب علم آدمی ہیں یقیناً جو کچھ لکھیں گے سمجھ بوجھ کے لکھیں گے ورنہ کسی گمنام شاگرد کی طرف سے اگر کوئی مراسلہ آیا تو میں اس کو مخاطب نہ کروں گا ۔ مجبوراً پھر جو کچھ عرض کروں گا وہ حضور کی خدمت میں عرض کروں گا اور اس کی بھی کوشش کروں گا کہ میرے کسی لفظ سے حضور کو کوئی صدمہ نہ پہنچے ۔ انشاء اللہ ۔

زیادہ حد آداب

۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ ۱۱ دسمبر ۱۹۵۱ء روز سہ شنبہ

خادم عبدالواحد الخیری عفی عنہٗ بدست خاص

نمبر۶۔ مکرمی عبدالاحد صاحب خیری! سلام مسنون۔ بجواب تحریر غیر مؤرخہ عرض ہے کہ کیا آپ اپنے اساتذہ کو بھی اسی عنوان سے جواب دیتے؟ کیا آپ کی تحریر شان علم و تہذیب کے شایان تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ لفظی علم حاصل کرنے کے بعد کسی کے پاس رہ کر حقیقی علم حاصل نہیں کیا۔ یہ مجھے منظور نہیں کہ جس کو میں خطاب کرنا نہیں چاہتا وہ مجھے خواہ مخواہ خطاب کریں اگر آپ کسی دوسرے کو نہیں جانتے تو میں آپ کو کیا جانوں؟ میرے لئے تو آپ بھی اب تک گمنام ہی ہیں۔ پس ہرچہ برخود نہ پسندی بدیگراں مپسند والسلام۔ مکرر آنکہ جب گفتگو میرے اور مولانا تمنا کے درمیان چل رہی تھی تو بلاوجہ آپ کو درمیان میں دخل دینے کو کس نے کہا تھا؟

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

نمبر۷۔ باسمہ تعالےٰ

مولانا المکرم و اخانا المحترم! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

جناب کا ایک مختصر مکتوب مورخہ ۲۹ صفر ۱۳۷۰ھ بدست صاحبزادہ مولوی قمر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ مجھے غالباً غرہ ربیع الاول کو مل گیا تھا مگر میں نے صاحبزادے سے عرض کر دیا تھا کہ مصروفیتوں کی وجہ سے مجھے ۱۸ ردسمبر سے پہلے مطلق فرصت نہیں مل سکتی کہ میں اضحیہ عن المیت کے جواز و عدم جواز جیسے غیر اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے کچھ وقت نکالوں۔ انشاءاللہ تعالےٰ ۲۰، ۲۱ تک میں اس کا جواب دے سکوں گا۔ ۱۸ کے بعد جب میں اپنی اہم مصروفیتوں سے فارغ ہوا تو جناب کا مکتوب گرامی پھر پڑھا اس کے بعد اضحیہ عن المیت سے متعلق اپنا فتوے دیکھ کر جناب کا جواب بھی پڑھ گیا۔ یہ جواب پہلے بھی پڑھ چکا تھا مگر جواب الجواب کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ اگلے علماء میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ میں نے اپنی رائے دیدی تھی آپ نے اپنی رائے دے دی۔ مگر جناب نے "جواب الجواب" کا لفظ لکھ کر جواب جواب الجواب لکھنے کی گویا دعوت دے دی تھی۔ میرے پاس وقت نہ تھا تو مولانا خیری سلمہ نے وہ دعوت قبول کر لی جس میں انہوں نے میری کتاب القول الصواب فی مسئلۃ ایصال الثواب سے بہت زیادہ مدد لی اور پھر تہذیب التہذیب و

لسان المیزان وغیرہ سے بھی، کچھ مجھ سے زبانی بھی پوچھا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا وہ بہت طویل تھا میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے دیکھ نہ سکا۔ اگر انہوں نے گستاخانہ کلمات لکھے تو یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ جناب کے اس مکتوب کے بعد بعض وقتی مصروفیتوں سے فرصت پاکر میں نے کل ان کا جواب جواب الجواب پڑھا۔ بے شک بعض عنوان تحریر مجھ کو بھی نامناسب معلوم ہوا۔ اور دو ایک غلطی بھی نظر آئی۔ مثلاً انہوں نے قیاس کے لئے علت قیاس کا قطعی ہونا ضروری لکھ دیا ہے۔ حالانکہ سَنَد قیاس کا قطعی ہونا ضروری ہے اگر علت بھی قطعی ہو تو اس کی بناء پر قیاس ظنی نہ ہوگا بلکہ قطعی ہی ہوگا۔ مگر مجموعی حیثیت سے مولانا خیری کا جواب، جواب الجواب نہایت مدلل اور بالکل صحیح ہے۔ اگر آپ خذ ما صفا ودع ما کدر کے مطابق ان کی گستاخیوں اور لغزشوں سے قطع نظر فرماتے ہوئے ٹھنڈے دل سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ان کی ہر دلیل کو صحیح یا قریب الی الصحۃ پائیں گے۔ اور میرا اصل جواب استفتاء خود کافی ہے۔ کم سے کم یہی بات قابل غور ہے کہ بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی تو یہ ادائے وصیت ہوئی نہ کہ ایصالِ ثواب۔ اور پھر مخصوصات نبویہ سے ہوئی۔ تمام امت کی طرف سے قربانی کرنا اگر زبردستی ان میں اموات کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ بھی مخصوصات نبویہ سے ہوا۔ اگر مخصوصات سے نہ ہوتا تو پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس کے مطابق عمل کرتے۔ کسی کا اس پر عمل جب ثابت نہیں ہے، تو اگر یہ باتیں صحیح بھی ہیں تو مخصوصات نبویہ سے ہیں نہ کہ سُنتِ نبویہ۔

آپ نے اضحیہ عن المیت کے جواز کی اصل دلیل اسی کو قرار دیا ہے کہ صدقات مالیہ عن الاموات، جائز ہے اور اضحیہ بھی ایک صدقہ مالیہ ہے اس لئے اموات کی طرف سے اضحیہ کو بھی جائز ہونا چاہیئے۔ اگر یہ قیاس صحیح ہوتا، اور مقیس علیہ واقعی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مسلّم ہوتا تو صحابہ بعد والوں سے زیادہ حریص علی الخیر تھے، وہ ضرور اس قیاس کی بناء پر مُردوں کی طرف سے قربانیاں کرتے رہتے۔ آخر کون سی ضرورت داعیہ اس اختراع کی بعد والوں کو پیش آئی جو قرون اولے والوں کے سامنے نہ تھی؟ لقد صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم قال لترکبن سنن الذین من قبلکم (اوکما قال) وقد قال صلے اللہ علیہ وسلّم لا یزال امر بنی اسرائیل مستقیماً حتّٰے کثرت فیھم اولاد السبایا فقاسو مالم یکن بما کان فضلّوا واضلّوا (اوکما قال)۔

مولانا المحترم! ایک برادرانہ مگر مؤدبانہ گذارش ہے۔ اگر آپ قرونِ مشہود لہا بالخیر کا نقشہ حاضر فی الذہن کرکے اس وقت کے عوام اور اہل بدعات نہیں بلکہ اس وقت کے، بلکہ آج سے دو چار صدی بیشتر ہی کے اکابر علماء و صلحاء کے نقشۂ زندگی سے ملا کر دیکھیں گے تو بے ساختہ کہہ اٹھیں گے شتان بینھما۔ آخر یہ فرق عقائد و عبادات میں کیوں پیدا ہوا؟

جناب کی حکیمانہ دور اندیشیوں سے مجھے یقین ہے کہ ہر ایسی بات جو موصل الی الابتداع ہو اس سے بھی احتیاط کی لوگوں کو تلقین فرمائیں گے اور ابتداء سے روکنے میں تو ہر ممکن سعی برابر فرماتے رہیں گے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے اگلوں سے بہت سی کوتاہیاں ہوئیں، ان کی کوششیں نفس دین کیلئے اتنی نہیں ہوئیں جتنی کہ اپنے فرقہ دارانہ عقائد و عمال کے اثبات و تردید اور اپنے اساتذہ و مشائخ کی لغزشوں کی تصحیح اور بے جا حمایتوں میں صرف ہوتی رہیں۔ غفراللہ لہم وشفر لہم ورحمہم۔ اس وقت اور اس دور کے ذمہ دار ہم لوگ ہیں۔ اگلے تو گذر گئے۔ تلک امۃ قد خلت لہا ماکسبت ولکم ماکسبتم ولاتسئلون عما کانوا یعملون۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے اس کو سوچنا چاہیئے۔ کیا ہم بھی اپنے اگلے جو ایک ہزار سال کے اندر گذرے، جن کی جدوجہد فرقہ وارانہ حدود کے اندر ہی رہی انہیں کی روش پر چلتے رہیں؟ یا ہم لوگ اپنے آپ کو، اور اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو بھی تیرہ سو برس قبل کی خالص اسلامی دنیا میں پہنچانے کی جدوجہد میں لگ جائیں؟ یہ بات کہ ہم کس طرح تیرہ سو برس قبل کی دنیا میں پہنچ سکتے ہیں ایک غور طلب مسئلہ ضرور ہے، مگر پہلے ارادہ تو کرلیں کہ ہم درمیانی زمانے کو پھاند ہی جائیں گے۔ اور وہ تیرہ سو برس قبل کی دنیا کیا تھی، اور کیسی تھی، اس کو پوری طرح ذہن نشین تو کرلیں۔ اگر ہم لوگوں نے اس تیرہ سو برس قبل والی دنیا کا پتا لگا لیا اور اس کو پوری طرح ذہن نشین کر لیا، تو پھر خود اپنے کو وہاں تک پہنچا دینا تو کوئی مشکل کام نہیں آن واحد میں ہو سکتا ہے۔ دوسروں کو موجودہ دنیا سے اس خیر القرون والی دنیا میں کھینچ لینا ضرور مشکل ہے مگر ہم لوگوں کا کام تو فقط دعوت و ترغیب و ترہیب ہے۔ ہم لوگ اپنا کام زندگی بھر کرتے رہیں گے کوئی مانے یا نہ مانے۔ یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ کے مطابق ہم لوگوں کی نیت ہونی چاہیئے۔

میری یہ گذارش محض مخلصانہ اور برادرانہ و دوستانہ ہے۔ اس پر سکون و طمانیت کے ساتھ غور فرمائیے۔ ہماری آپ کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے خصوصًا آپکی، اس لئے کہ مجھ سے پہلے سے یہاں مقیم ہیں مجھ سے بہت زیادہ اثر و اقتدار رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس وسائل اثر و اقتدار مجھ سے صدگونہ زائد ہیں، آپ کے جاننے والے یہاں مجھ سے زیادہ ہیں اس لئے عند الناس و عند اللہ آپ مجھ سے بہت زیادہ ذمہ دار ہیں اور مشرقی پاکستان والوں کے عقائد و اعمال سے متعلق سب سے زیادہ قیامت میں جس سے باز پرس ہو گی وہ آپ ہی ہوں گے۔ اس لئے ؎

انچہ بر سنحہ محشر زشما ازدہ زجبر ما ہماں با ادب اکنوں زشمامے پرسیم

آخر میں با ادب گذارش ہے کہ کس طرح جلد درمیانے زمانے کو پھاند کر تیرہ سو برس قبل کی اسلامی دنیا میں پہنچا جائے، اگر اس پر آپ آمادہ ہیں تو آپ مجھ کو بھی ایک اپنا کم ترین رفیق راہ تصور فرما کر طریق کار پر غور کرنے کے لئے کسی دن کسی وقت طلب فرمائیں۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ اس راہ میں آپ میرے پیشرو ہوں اور میں آپ کے پیچھے پیچھے منزل مقصود تک پہنچوں اور آپ کے وسیلے سے میری طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی خیر القرون والی زندگی نصیب ہو اور اس طرح ثلۃ من الاولین و قلیل من الاٰخرین والی پیشن گوئی ہم لوگوں پر صحیح اترے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

والسلام خیر الختام۔ آپ کا مخلص بھائی تمنا عمادی غفرلہٗ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ۔

مکتوب ۷۸ مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ موجب عزت ہوا۔ میں جناب کا اطمینان کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے اکابر بحمد اللہ برابر اس کوشش میں رہے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے ما انا علیہ و اصحابی کی خالص اسلامی دنیا کا نقشہ پیش کریں۔ وہ خود بھی اسی پر مستقیم تھے اور یہ ناچیز بھی اُن ہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے مگر اُن کی روش میں اور جناب کی روش میں ایک

فرق ہے جس کو میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

الف۔ وہ قرآن سے استنباطِ مسائل کرنے میں قواعد عربیہ کے ساتھ اُن قواعد کی بھی پابندی کرتے ہیں جو اصول فقہ میں فقہانے بتلائے ہیں کیونکہ قرآن عربی مبین ہے اس سے استنباط کا طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو اہلِ عربیت واہلِ فقہ و اہل اللسان نے بتلایا ہے۔

ب۔ وہ حدیث شریف کو قرآن کی شرح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ کو صرف تلاوت کر کے ہی قرآن نہیں پڑھایا۔ بلکہ اس کے معانی اور مطالب بھی بتلائے ہیں۔ یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم کے بعد ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اس پر دال ہے نیز آیۃ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم اس باب میں صریح ہے۔ یہی سبب تھا کہ اس امت نے حدیث رسولؐ کا وہ اہتمام کیا کہ دوسری قوموں نے کتاب الہیٰ کا بھی اس قدر اہتمام نہیں کیا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی محفوظ کرنے کے لئے ہزارہا راویانِ حدیث کی زندگیاں محفوظ کر دی گئیں علم اسناد کی بنیاد ڈالی گئی ہر راوی کی زندگی کو عدالت اور تقویٰ کی کسوٹی پر کسا گیا۔ تاکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ آج دوسری قوموں کے پاس اُن کی آسمانی کتاب کی سند نہیں۔ اُمت محمدیہؐ کے پاس قرآن کی مسلسل سَنَد بھی موجود ہے اور احادیث رسولؐ کی بھی جسے دوسرے درجہ میں حجت شرعیہ قرار دیا گیا۔ حدیث کا درجہ محض تاریخ کا نہیں بلکہ شرح قرآن کا مرتبہ ہے جس کے لئے اُمت نے بہت کچھ جانفشانی کی ہے۔ دوسروں کی بے سَنَد تاریخ سے ہماری ضعیف حدیث بھی بہت بلند ہے کیونکہ ہمارے پاس اُسکی سَنَد ہے اور یقیناً بے سَنَد بات سے مستند کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے۔

ج۔ یہ مسلم ہے کہ احادیث میں صحیح اور حَسَن کے ساتھ کچھ ضعیف اور موضوعات بھی ہیں مگر محدثین نے ان سب کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ اس لئے چند موضوعات کی وجہ سے سارے ذخیرۂ حدیث کو رد کر دینا امت محمدیہ کی خصوصیت اسناد کو مٹانا اور اس کی سخت بے قدری کرنا ہے جو کوئی بھی عاقل گوارا نہیں کر سکتا۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس خصوصیت کے سامنے دوسری قوموں کی گردن جھکی ہوئی ہے اور اہلِ انصاف تسلیم کرتے ہیں کہ اس خصوصیت میں اُمتِ مسلمہ کا مقابلہ کوئی دوسری قوم نہیں کر سکتی۔

حدیث قرآن کی شرح بھی جاتی ہے

د . کتب صحاح ستہ میں بخاری مسلم کا درجہ تو مسلّم ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف اور موضوع کا وجود نہیں۔ ابن ماجہ میں ایک دو حدیث موضوع آگئی ہے جس پر محدثین نے نشان دیدیا ہے بقیہ صحیح ہیں یا حسن اور کچھ ضعیف بھی ہیں۔ حدیث ضعیف کے متعلق محدثین اور فقہا کی تصریح ہے کہ تعدد طرق سے ضعف منجبر ہو جاتا ہے اسی طرح کسی صحابی یا مجتہد کے فتویٰ کی موافقت سے بھی۔

ترمذی میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے۔ وہ اپنی کتاب میں ہر حدیث کا درجہ تبلادیتے ہیں اور کتاب العلل میں تصریح کردی ہے کہ میری کتاب میں جس قدر حدیثیں ہیں سب معمول بہا ہیں۔ بجز دو حدیثوں کے ایک ابن عباس کی حدیث جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینہ بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا عذر ولا مطر۔ دوسری حدیث شارب خمر کے متعلق ہے۔ فی الرابعۃ فاقتلوہ یہ دو حدیثیں بھی موضوع نہیں بلکہ فقہا کے نزدیک مؤوّل ہیں۔ کیونکہ بعض سندوں میں اگرچہ علت ہے مگر دوسری سند غیر معلول بھی موجود ہے۔

ابوداؤد میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ہر حدیث کا درجہ نہیں تبلاتے۔ مگر انہوں نے یہ تبلادیا ہے کہ جس حدیث میں وھن شدید ہوگا اسکو بیان کردوں گا اور جس پر کچھ کلام نہ کریں گے وہ صالح ہے۔

قال فی تدریب الراوی ومن مظان الحسن ایضاً سنن ابوداود فقد جاء عنہ انہ یذکر فیہ الصحیح وھشابھہ ویقاربہ وما کان فیہ وھن شدید بینہ ومالم یذکر فیہ شیئاً فھو صالح اھ اسی لئے علماء اور آئمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ ابوداود کا حدیث پر سکوت کرنا حجت ہے۔ قال المنذری فی مقدمۃ الترغیب والترھیب وکل حدیث عزوتہ الی ابی داؤد وسکت عنہ فھو کما ذکر ابوداؤد ولا ینزل عن درجۃ الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین او احدھما۔ اھ وقال الشوکانی فی النیل وقد قدمنا ان جماعۃ من آئمہ الحدیث صرحوا بصلاحیۃ ما سکت عنہ ابوداؤد للاحتجاج

نسائی میں بھی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ صحاح ستہ میں جس کتاب کو نسائی کہا جاتا ہے وہ [illegible] سنن کبریٰ للنسائی کا منتخب ہے اس کے متعلق امام نسائی نے تصریح کی ہے کہ مجتبیٰ کی سب حدیثیں صحیح ہیں (یعنی صحیح یا مشابہ صحیح کیونکہ اس میں احادیث حسان بھی

موجود ہیں)۔

حاشیہ قال فی تدریب الراوی وزھر الربی۔ ومن مظان الصحیح ایضاً کتاب المجتبیٰ للنسائی وھو الشائع اسم فردی الدیان۔ فقد قال محمد بن معاویۃ الاحمر الراوی عن النسائی قال النسائی کتاب السنن کلہ صحیح وبعضہ معلول۔ الا انہ لم یبین علتہ والمنتخب المسمّی بالمجتبیٰ صحیح کلہ۔ اھ وقال۔ الحافظ ابن حجر رقد اطلق رسم الصحۃ علی کتاب النسائی ابو علی النیساپوری و ابو احمد بن عدی۔ وابو الحسن الدارقطنی و ابو عبداللہ الحاکم۔ وابن مندہ۔ و عبدالغنی بن سعید و ابو یعلی الخلیلی و ابو علی بن السکن۔ وابوبکر الخطیب و غیرھم۔ اھ۔

۵۔ ترمذی کا کسی حدیث کو غریب کہنا اُس کے ضعیف یا موضوع ہونے کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ وہ خود لکھ چلے ہیں کہ اُن کی کتاب میں سب حدیثیں معمول بہا ہیں جس پر کسی نہ کسی جماعت فقہا کا عمل ہے اور بعض جگہ وہ غریب کو صحیح یا حسن بھی کہہ دیتے ہیں۔ پس اس سے صرف کسی راوی کا تفرد بتلانا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے علم کے موافق۔ کیونکہ محققین نے بعض مقامات میں تحقیق کرکے بتلا دیا ہے کہ جس حدیث کو ترمذی نے غریب کہا تھا وہ غریب نہیں بلکہ راوی کی متابعت موجود ہے۔

۶۔ کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ منصب آئمہ حدیث کا ہے۔ وہی حدیث کے امام ہیں وہی صحت، وہی ضعیف و وضع کا حکم لگا سکتے ہیں خصوصاً بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی کی کسی حدیث کو موضوع کہنا تو ان حضرات سے معارضہ کرنا ہے۔ اور معارضہ کے لئے مساوات طرفین شرط ہے ناقص کو کامل سے معارضہ کا کوئی حق نہیں۔

۷۔ رواۃ حدیث کے متعلق بھی کتب رجال میں سب قسم کے اقوال ملیں گے۔ ایسا تو کوئی شاذ و نادر ہوگا جس میں کسی نے بھی جرح نہیں کی۔ یہ محدثین کی دیانت و صداقت ہے کہ جن بزرگوں کو وہ ثقہ اور عادل اور امام اور حجت سمجھتے ہیں ان کے تذکرہ میں بھی جس نے جو کہا ہے سب نقل کر دیتے ہیں۔ ان سب اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ یہ راوی حجت ہے یا نہیں اس کی حدیث کو مانا جائے گا یا نہیں؟ آئمہ حدیث ہی کا کام ہے۔ ہر شخص کا نہیں۔ پس اگر کسی راوی میں بہت لوگوں نے جرح کی ہو لیکن بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہو یا اس کی روایت کو صحیح میں لیا ہو۔ یا ابوداؤد نے اس

کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا ہر ایک کا کام نہیں۔

حدیث کو روایت کرکے سکوت کیا ہو۔ یا نسائی نے مجتبیٰ میں اس کی حدیث لے کر کلام نہ کیا ہو۔
اس سے سمجھا جائے گا کہ یہ راوی ساقط نہیں بلکہ اس کی حدیث لی جائے گی۔

ان تمہیدی مقدمات کے بعد اگرچہ مفصل جواب کی ضرورت نہیں رہی نیری صاحب کے تمام دلائل کا جواب اس میں آ گیا ہے مگر کسی قدر اشارہ تفصیلی جواب پر بھی کر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان کے مکمل مدلل جواب کی حقیقت واضح ہو جائے۔

قرآن | اس مسئلہ میں ساکت ہے اس نے نفیاً یا اثباتاً اس سے تعرض نہیں کیا۔ آیۃ وفدیناہ بذبح عظیم میں نہ قربانی کا ذکر ہے نہ اس کا کہ قربانی صرف دنیا میں فدیہ ہوتی ہے نہ کہ آخرت میں۔

قواعد عربیت اور قواعد اصول پر صرف قرآن کے الفاظ سے اس مسئلہ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا محض عوام کو مرعوب کرنے کے لئے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ قرآن کی روشنی میں مسئلہ کو ثابت کیا گیا ہے حالانکہ قرآن کے الفاظ سے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ آیۃ کا ترجمہ صرف اس قدر ہے کہ "اور ہم نے اس کا فدیہ بڑے ذبیحہ سے کیا" اس سے نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا؟ ذابح کون تھا؟ اور فدیہ کون بات میں تھا؟ اور یہ فدیہ عقیقہ تھا یا اضحیہ؟ جب تک یہ سب باتیں قرآن کے الفاظ سے واضح نہ ہوں اس وقت تک قرآن کی اس آیۃ سے نہ قربانی کا ذکر ثابت ہوتا ہے نہ زندہ اور مردہ کی قربانی کا۔ اپنی طرف سے تشریحات بڑھا کر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن سے مسئلہ کو ہم نے ثابت کر دیا سخت جرأت ہے۔

سُنّت | ما ھٰذہ الاضاحی یا رسول اللّٰہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ حدیث صحاح میں نہیں ہے اس کو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور بیہقی ابو عبداللہ حاکم کے شاگرد ہیں۔ تو سب سے پہلے اس کی سند کو صحیح ثابت کرنا ضروری ہے۔ جس کے نزدیک ابوداؤد و ترمذی کی حدیث میں کلام ہو سکتا ہے اسکو خارج صحاح کی حدیث بلا سند بیان کرنے کا حق نہیں۔ ممکن ہے اس کی سند میں بھی کوئی راوی متہم بالتشیع ہو پھر یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اگر قرآن کی آیت وفدیناہ بذبح عظیم میں قربانی کا ذکر ہے جیسا آپ کا دعویٰ ہے تو اس سے تو قربانی کا سنت الٰہی ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ فدیناہ کا فاعل حق تعالےٰ ہیں

اور آیت ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (الحج) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر امت کے لیئے قربانی کو مشروع کیا ہے اور آیت واتل علیھم نبأ ابنی آدم بالحق ط اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر (المائدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی آدم علیہم السلام کے وقت سے ہوتی آ رہی ہے۔ اس حال میں یہ حدیث حجت میں پیش کرنے کا کیا حق ہے جب تک اُسکی صحت کا ثبوت نہ دیا جائے اور اس تعارض کو رفع نہ کیا جائے۔ پھر حدیث سے اتنا ہی تو معلوم ہوا کہ قربانی سُنتِ ابراہیمؑ ہے اس سے آگے جو کچھ کہا گیا ہے حاشیہ ہے۔ مانا کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی تھی اور یہ اُن کی سُنت ہے اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ زندہ کی طرف سے کی تھی مردہ کی طرف سے نہیں کی تھی۔ حدیث کے الفاظ پر جو کچھ بڑھایا جائے اس کو کسی حدیث ہی سے ثابت کیا جائے تو مسئلہ حدیث سے ثابت ہوگا ورنہ اپنی رائے اور حاشیہ سے ثابت ہوگا۔

حدیث سے غلط استدلال اس عنوان کے تحت میں کہا گیا ہے کہ جس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی اس سے بھی مُردوں کی طرف سے قربانی کا جواز نہیں نکلتا ہے کیونکہ دوسری روایتوں میں تصریح موجود ہے۔ عمن لم یضح من امتی جس سے ظاہر مراد یہی ہے کہ جو زندہ ہے اور ناداری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا اس کی طرف سے آپؐ نے قربانی کر کے اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا الخ۔

اس ظاہر کی دلیل پیش کی جائے کیا لُغت میں لفظ مَنْ زندہ کے لیئے خاص ہے یا لفظ امتی زندوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ اگر حدیث میں عمن لم یضح من اصحابی ہوتا تو آپ کا بیان کردہ مطلب ظاہر تھا۔ لفظ امتی کو زندوں کے ساتھ خاص کرنا بالکل خلاف ظاہر ہے۔

پھر اسی حدیث کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بکبشین املحین و قال فی ذبح احدھما ھذا عن محمد واھل بیتہ وقال فی ذبح الثانی ھذا عمن اٰمن بی وصدقنی من امتی (مجمع الزوائد) ظاہر ہے کہ لفظ من اٰمن بی وصدقنی من امتی ساری اُمت کو عام ہے اس کو کسی طرح بھی زندوں کے ساتھ خاص کرنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی جبکہ بعد والوں میں بھی ایمان اور تصدیق کی صفت موجود ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آپ نے قربانی کر کے

اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا تھا کہ وہ بیچارہ بھی دنیوی بلاؤں سے بچا رہے۔ طبعزاد حاشیہ ہے حدیث کا کوئی لفظ اس پر دال نہیں اور یہ ظاہر۔ کے بھی خلاف ہے کیونکہ دنیوی بلاؤں سے مومن کو نقصان نہیں پہنچتا ثواب ہی بڑھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اُمت کے لئے زیادہ فکر نجات آخرت کی تھی۔

میری دلیل پر اعتراض ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ہر صدقۂ مالیہ میت کی طرف سے جائز نہیں کیونکہ میت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں۔ الخ اس دعوی کی دلیل حدیث و قرآن یا اقوال آئمہ سے پیش کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص نے قتل خطا کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے ذمہ کفارہ واجب تھا جس کے ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو کیا اُس کی طرف سے غلام آزاد نہ کیا جائے گا؟۔

نمبر۲، نمبر۳ میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا جواب اُوپر کے بیانات میں گذر چکا ہے۔

نمبر۴ میں آیت من عمل صالحاً فلنفسہ اور کل امرئٍ بما کسب رهين سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک شخص کی نیکی کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ قرآن نے جتنا کہا ہے اُس پر زیادتی نہ کی جائے تو یہ مدعیٰ قرآن سے ثابت نہیں۔ آیت کا صاف ترجمہ صرف اتنا ہے کہ' جو شخص نیک کام کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے رہا یہ کہ دوسرے کو اس کے عمل سے نفع نہیں پہنچتا قرآن اس سے ساکت ہے اگر کسی کے نیک عمل سے دوسروں کو بھی اس عمل کی رغبت و ہدایت ہو جائے وہ بھی اس کی طرح نیک کام کرنے لگیں تو کیا اُن کے عمل سے اس کو ثواب نہ ملے گا۔

جس بات سے قرآن ساکت تھا حدیث نے اس سے تعرض کیا ہے۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها۔ جو شخص اچھا طریقہ چلائے اُس کو اُس کا بھی ثواب ملے گا اور جو اس طریقہ پر چلیں اُن کا ثواب بھی ملے گا۔ والدال على الخير كفاعله۔ میت کے لئے دُعا کرنا تو قرآن سے بھی ثابت ہے۔ والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان (سورۃ الحشر) اور دعا بھی ایک عمل ہے جس کا نفع میت کو پہنچتا ہے پھر دوسرے اعمال سے نفع پہنچنا خلاف قیاس کیونکر ہوگا؟

تو جو نصوص حدیث مردہ کی طرف سے صدقہ خیرات، حج وغیرہ کو جائز کر رہی ہیں سب قیاس کے

موافق ہیں پھر میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے نزدیک میّت کی طرف سے حج بدل جائز ہے تو کیا حج
بدل میں میّت کی طرف سے قربانی نہ کی جائے گی جو کہ مفرد کے لئے مستحب اور قارن اور متمتع کے حق
میں اگر کی جائے گی تو اسی سے میّت کی طرف سے قربانی کا ثبوت ہو گیا۔ اگر نہیں کی جائے گی تو آپ حج
بدل میں سے ایک شق کو بلا دلیل کم کرتے ہیں۔ اسی سے نمبر ۵ کا جواب بھی واضح ہو گیا۔

نمبر ۶ میں کہا گیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر صاحب استطاعت صحابی
ہر سال قربانی کیا کرتے تھے خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی"
کسی حدیث سے صراحتاً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ جب حضور نے اضحیہ کی
تاکید فرمائی تھی تو سب اہل استطاعت ایسا کرتے ہوں گے تو اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت
علی رضؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کا ذکر ہے۔ اور ہمارے آباء و
اجداد جن میں صدیقی شیوخ بھی ہیں فاروقی بھی عثمانی بھی ہیں سید و علوی بھی برابر ایک حصہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتے آ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دوسرے صحابی
بھی حضرت علی رضؓ کی طرح کرتے ہوں گے۔ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ (کما صرح بہ الاصولیون)
رہا یہ دعویٰ کہ اگر حضرت علی رضؓ کی حدیث صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص تھی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے اور اس کا حکم مخصوص تھا حضرت علی رضؓ کے ساتھ الخ۔ بہت ہی عجیب ہے یہ
قیاس کی کونسی قسم ہے؟ اور اس تخصیص کی کیا دلیل ہے؟ اگر قربانی ثواب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے تو دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو جبکہ دوسرے حضورؐ سے
زیادہ ثواب کے ضرورت مند ہیں؟

اور اگر حضرت علی رضؓ حضورؐ کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں تو ابوبکر و عثمان کو اس سے کون
مانع ہے؟ یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جو حضرت علی رضؓ کو وصی مانتا ہو۔

نکل شعرۂ حسنہ پر عجیب نکتہ لکھا گیا ہے کہ خالی خون بہانے، اور گوشت کھانے کا ثواب
نہ پہونچے گا بلکہ تقویٰ پہونچے گا تو جب تک ایک شخص کا تقویٰ دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو تو ب
کیسے پہونچے گا۔ اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں الخ۔ نکتہ رس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ
تقویٰ صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ ہر عمل کے لئے شرط قبول ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین

حضرت علیؓ کی روایت پر حملہ کا جواب

تقویٰ سے استدلال کا جواب

(سورہ مائدہ) اس دلیل کا تو حاصل یہ ہوا کہ کسی کی طرف سے حج بدل بھی صحیح نہ ہو کیونکہ قبول حج کے لئے تقویٰ شرط ہے اور وہ منتقل نہیں ہو سکتا تو اس کا حج دوسرے کے کام نہ آئے گا حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور ظاہر ہے کہ نیت بھی ہر شخص کے ساتھ ہے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی تو دوسرے کی طرف سے کوئی عمل بھی صحیح نہ ہوگا نہ زندہ کی طرف سے نہ مردہ کی طرف سے کیونکہ ایک کا تقویٰ ایک کی نیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی ہے نہ صدقۂ مالیہ صحیح ہوگا نہ دعا پہونچے گی نہ حج بدل ہوگا۔ اور زندہ مردہ سب کیلئے یہی حکم ہوگا۔ ولا قائل بہ۔
آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عمل بغیر تقویٰ و نیت کے قبول نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ قبول کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اس کو پہنچے گا ہی نہیں۔ قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟ اور حدیث نے تبلا دیا ہے کہ ثواب منتقل ہو سکتا ہے۔ اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله

آگے چل کر کہا گیا ہے کہ جس سلسلۂ روایت میں متعدد شیعے ہوں اور اس حدیث میں حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ہونا ثابت کیا گیا ہو اس کو بھی موضوع نہ کہا جائیگا تو پھر کس کو کہا جائے گا۔
رُوات کے شیعہ ہونے کا جواب تو آگے آئے گا مگر حدیث میں حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ صلی علیہ وسلم ثابت کیا جانا عجیب استدلال ہے تو کیا جس حدیث میں لفظ اوصانی یا اوصانا آجائے اُس سے صحابی کا وصی رسول اللہ ہونا ثابت ہوگا اور حدیث موضوع ہو جائے گی؟ حالانکہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اوصانی خلیلی صلعم بثلاث۔ اس سے نہ کسی نے ابوہریرہؓ کو وصی رسول اللہ سمجھا نہ اس کو کسی نے صرف اس بناء پر موضوع کہا۔
حضرت علیؓ کی حدیث مذکور ابوداؤد اور ترمذی میں آپ کے اقرار سے موجود ہے۔ اور ان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی (ملاحظہ ہوں تمہیدی مقدمات) ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے ابوداؤد نے سکوت کیا ہے اس لئے یہ حدیث غریب حسن سے کم نہیں ہے۔
حاکم صاحب مستدرک سے | اس کے متعلق اولاً مقدمۂ مستدرک حاکم مطالعہ کر لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ جس نے حاکم کو رافضی خبیث کہا ہے وہ خود ناصبی وخارجی ہو۔ کیونکہ بعضے ناقدین رجال خارجی بھی ہیں۔ آئمہ حدیث نے برابر حاکم کی ان احادیث واقوال کو حجت مانا ہے جن پر تعقب نہیں کیا گیا۔ امام ذہبی کو تو کسی نے رافضی نہیں کہا انہوں نے مستدرک

حاکم کی تلخیص میں ان احادیث واقوال پر تعقب کر دیا ہے۔ جو قابل تعقب تھے باقی سب حدیثیں صحیح ہیں یا حسن۔ مقدمہ فتح الباری کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ سلف میں تشیع کے معنی صرف حضرت علی رضؓ کی طرفداری بمقابلہ حضرت معاویہؓ ہے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے ان کو علوی یا شیعی کہا جاتا ہے۔ جو حضرت معاویہؓ کے طرفدار تھے ان کو عثمانی یا اموی کہا جاتا ہے۔ حاکم متہم بالتشیع ہے رافضی خبیث نہیں ہے۔ اسی طرح ان حدیثوں کے جن راویوں کو متہم بالتشیع کہا گیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اور یہ جرح نہیں۔

شریک کی روایت دعویٰ کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری میں ایک روایت بھی شریک کی دکھا دیں تو میں جانوں نہ معلوم وہ کیا جانیں گے؟ کیا اس حدیث علیؓ کو صحیح مان لیں گے؟ اور اپنی تحریر کو بالکل غلط؟ تو ملاحظہ ہو بخاری باب صلوٰۃ الاستسقاء صفحہ ۱۳۹، ۱۳۷، باب علامات النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۵۰۴، باب الاسراء صفحہ ۱۵۲، ونیز صفحہ ۵۱۸، باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب بخاری صفحہ ۱۶۷ میں ایک دو روایت نہیں۔ بہت حدیثیں شریک کی روایت سے موجود ہیں۔ بعض روایات میں امام مالک شریک سے راوی ہیں اور مالک غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتے اور ترمذی نے اس حدیث کو غریب لاتعرفہ عن احد من الثقات غیر شریک اور شریک رجال بخاری میں سے ہیں تو جس حدیث کا مدار ایسے راوی پر ہو اس کو موضوع نہیں کہا جا سکتا۔ ترمذی کے قول سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غرابت حدیث کا مدار دوسرے رُوات پر نہیں ان کی متابعت موجود ہے مدار غرابت صرف شریک پر ہے اور وہ ثقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہٗ

۲۸ ربیع ۱۳۷۱ھ

نوٹ۔ چونکہ آپ کا بنا نا اصول ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن وحدیث سے صاف طور سے روشنی پڑ رہی ہو اس کے متعلق کسی امام کا فتویٰ پوچھنا بڑی گستاخی ہے جس میں بھی صرف قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں کلام کرنا چاہتا ہوں اور اس حالت میں آپ کے سامنے اپنے فقہا کا فتویٰ پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

[illegible]

البتہ اتنا اشارہ کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ اہل ظاہر نے حدیث[۲۹] من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ (بخاری ومسلم) سے استدلال کرکے کہا ہے کہ میت کی طرف سے دوسرا آدمی نماز روزہ بھی کرسکتا ہے جمہور فقہاء نے جواب دیا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کیونکہ خود راویان حدیث عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و حضرت عائشہ رضہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں ۔

[۳۰] (یصلین احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن ان کنت فاعلا تصدقت عنہ او اھدیت رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ وسندہ صحیح علی شرط مسلم وبلعی و ذکرہ فی بہجۃ النفوس شرح مختصر البخاری ایضاً) کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ روزہ رکھ سکتا ہے لیکن اگر تم کچھ کرنا چاہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردو یا قربانی کردو۔ جمہور کا اس حدیث کو اپنی حجت میں پیش کرنا بتلا رہا ہے کہ راویان حدیث کا یہ فتویٰ سند صحیح سے ثابت ہے ورنہ حدیث صحیح کے معارضہ میں اس کو پیش نہ کیا جا سکتا۔ نیز یہ بھی بتلا رہا ہے کہ جمہور کے نزدیک میت کی طرف سے جس طرح صدقہ کیا جا سکتا ہے قربانی بھی کی جا سکتی ہے ۔ وجہ وہی ہے جو میں نے اوّل

اپنے مختصر جواب میں عرض کی تھی کہ قربانی بھی صدقہ مالیہ ہے حدیث من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے -- بخاری اور مسلم کی شروح سے مراجعت کرلی جائے وہاں اہل ظاہر کا اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرنا اور جمہور فقہاء کا اُن کے استدلال کو رد کرتے ہوئے طاعات بدنیہ صوم وصلوٰۃ میں نیابت کا باطل ہونا اور طاعات مالیہ صدقہ وقربانی میں نیابت کا صحیح ہونا اور میت کی طرف سے صدقہ وقربانی کا درست ہونا بیان کردیا گیا ہے۔ من شاء فلیراجع والسلام اور اس سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے مجتہد بن کر نہیں کہا بلکہ مقلد بن کر ہی کہا ہے ۔

ظفر احمد عثمانی عفا عنہ
۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ
مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء

مکتوب ۲۵ ـ ـ ـ مسـتـو لے

میرے محترم اور بزرگ بھائی! دامت برکاتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں آپکے مراسلے کا جواب بادلِ ناخواستہ بھیج رہا ہوں ۔ اللہ اس کا گواہ ہے کہ میں آپ سے راہ ورسم محبت رکھنے اور بڑھانے کا متمنی تھا اور ہوں ۔ اور عموماً اس طرح کے مناظروں میں قلم سے سخن گسترانہ جملے نکل ہی جاتے ہیں، چاہے ابتداء کسی کی طرف سے ہو اور پھر اس کا خطرہ رہتا ہے کہ دلوں میں کھوٹ پیدا ہو جائے ۔ خدانخواستہ باشد ۔

اختلافات کا سامان اس قدر مہیّا ہے کہ شاید ہی دو شخص آپس میں متحد الخیال ہو سکیں اگر تقلید کا سہارا نہ ہو تو استاد و شاگرد اور پیر و مرید میں اتحاد مذہبی شاید ناممکن ہو ۔ کونسا دینی مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق متضاد و متخالف روایتیں نہیں ملتیں، کون سی آیت ایسی ہے جس کے لئے متعدد تفسیریں ایک دوسرے کی متبائن منقول نہیں ۔ میں نے اسی لئے عرض کیا تھا کہ اس کی کوشش کیوں نہ کی جائے کہ ہم لوگ عقائد و عبادات کے اعتبار سے آج سے تیرہ سو سال قبل کی دنیائے اسلام میں یعنی عہدِ صحابہؓ میں اپنے کو پہنچادیں ۔ پھر گذارش ہے کہ ایک بار میرے اس معروضہ مورخہ ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ کو پھر ملاحظہ فرمالیا جائے ۔ اور اس پر غور فرماکر اپنے ارادے سے مجھے مطلع فرمایا جائے ۔

مولانا! قرآن کریم کے بتائے طریقہ دعا کے علاوہ باقی ذرائع سے ایصال ثواب ہی تو [illegible] جس کے سہارے تمام قبر پرستیاں قائم ہیں ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی مباح چیز بھی ایسی ہو جو موصل الی الحرام بن گئی ہے تو اس فی نفسہ مباح چیز کو قبیح لغیرہ ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیدیا جائے ۔ فقہاء کا یہ مسلّمہ اصول شریعت ہے کہ سدًّا للذریعہ مباح چیزوں پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے ۔ متقدمین کے بہت سے فتوے اذا ضاق الامر توسع واذا اتسع یضاق کے اصول پر تھے اور دورِ ضیق کا فتویٰ دورِ وسعت میں وبالعکس (اگر ضیق و وسعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھے گئے تھے) جائز العمل نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے اس [illegible] ضرورت ہے کہ نئے سرے سے تدوین فقہ کریں خصوصًا معاملات پر تحقیقات ضرور سب پر مقدم ہے ۔ مگر یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ علماء اپنے جمود کو چھوڑ دیں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں ۔

بہرحال جواب مراسلہ باادب پیش کر رہا ہوں ۔ قلمی لغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے نفسِ جواب پر نگاہ ڈالی جائے مگر باادب یہ بھی عرض ہے کہ پہلے سے جواب دینے کا ارادہ نہ قائم فرمالیا جائے

مراسلہ کی طوالت کی بھی معذرت عرض کر رہا ہوں کہ اتنی لمبی تحریر باوجود سعی اختصار کے ہو ہی گئی۔ بعض ضروری باتیں پھر بھی چھوٹ ہی گئیں۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا ایک حقیر بھائی

تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

مہاجر غفرلہ

۳۔ فروری ۱۹۵۳ء

۲۰۔ بی کے رائے لین (آحسا نواب کی ڈیوڑھی) ڈھاکہ

مطابق ۶ جمادی الاولی ۱۳۷۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین لا سیما علی خاتم النبیین

وعلی صحابہ وخیار امتہ اجمعین وبعد

محترمی۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ایسے وقت مشرف ہوا کہ میں جنوری کے ریڈیو پروگرام سے متعلق درس قرآن کے مضامین لکھنے میں مصروف تھا اور پھر دوسرے مستقل مشاغل تو اپنی جگہ پر رہتے ہی ہیں اس لئے اس جواب کے بارے میں کچھ التماس کرنے کے لئے وقت نہ نکال سکا۔ اب جبکہ ریڈیو والے مضامین سے فرصت ہوئی تو کچھ عرض کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ یہ میرے آپ کے درمیان مراسلات محض دوستانہ و مخلصانہ تبادلۂ خیالات ہیں یا حقیقی معنوں میں انہیں مناظرہ کہا جائے۔ میں جو کچھ عرض کروں گا وہی عرض کروں گا جو میرے نزدیک دیانۃً حق اور صحیح ہے جس بات کو میرا دل غلط سمجھتا ہو اس کو محض بات کی پچ کے لئے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کروں یا جس کو دیانتہ غلط جانتا ہوں اس کو آپ کو خوش کرنے کے لئے صحیح کہہ دوں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اب ستر کے قریب پہنچ چکا ہوں آخر کتنا جیوں گا مرنے کے بعد کی فکر اب بھی نہ کروں گا تو کب کروں گا۔ وہاں اپنے ہی عقائد و اعمال کام آئیں گے۔

نہ اسلاف کچھ مدد کر سکیں گے نہ اخلاف کچھ کام آئیں گے۔ یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئاً ولا یقبل منها شفاعۃ ولا یؤخذ منها عدل ولا ھم ینصرون (سورۃ بقرہ)

نمبرا۔ اس کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ میرے اکابر بھی بڑے بڑے علماء و فضلا گذرے ہیں اور بفضلہ میرے خاندان میں جہاں تک مجھے علم ہے ایک شخص بھی مجھ سے اوپر جاہل نہیں گذرا۔ اور میں بھی ایک مدت تک ما علیہ اکابری کو بالکل فرمودہ نبوی ما انا علیہ و اصحابی کے مطابق ہی سمجھتا رہا اور اس بناء پر اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنا ہی ذریعہ نجات جانتا رہا اور انہیں کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ مگر توفیق الہٰی نے جب دستگیری کی تو پھر تعصب و غلو کی عینک آنکھوں پر سے اتر گئی اور نگاہوں کے سامنے سے تسویل نفس کا پردہ اُٹھ گیا۔ اس کے بعد ما علیہ اکابری میں اور ما انا علیہ و اصحابی میں جو بون بعید تھا وہ صاف نظر آنے لگا۔

اکابر اور صحابہؓ کے طریقہ کا فرق

محترما! ما انا علیہ و اصحابی کوئی راز سربستہ نہیں ہے، جس کو آپ کے اکابر یا میرے اکابر ہی جانتے ہوں۔ دعوے کرنے کے لئے تو اہل حدیث سب سے زیادہ اس طریقے پر چلنے کا دعوے کر رہے ہیں، اور احمد رضا خان بریلوی کے متبعین سب کے سب اسی طریقے پر چلنے کے مدعی ہیں اور مجھ کو، آپ کو اور سب کو اس ما انا علیہ و اصحابی والے طریقے سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں۔ ہر ایک کا دعوے ہے اور ہر ایک کے پاس دلیلیں ہیں۔ جب ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کیا جا سکتا ہے تو پھر کونسا دعوے ہے جو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ہر فرقہ اپنے اپنے معتقدات میں مست ہے۔ قرآن و حدیث سے وہ صرف یہی کام لیتا ہے کہ اپنے اکابر کے مخترعات و محدثات کو کھینچ تان کر جس طرح بھی ہو صحیح ثابت کر دے۔ اتباع کے لئے درحقیقت نہ قرآن ہے نہ سنت رسولؐ۔ اتباع کے لئے ہر فرقے کے پاس اس کے اکابر کی سنت اور اس کے اسلاف کی مخترعات و محدثات ہیں۔ کل حزب بما لدیھم فرحون۔

[right margin, vertical: قواعد عربیہ اور اصول فقہ [illegible]]

نمبر۲۔ قرآن سے استنباط مسائل میں قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت عربیہ کی پابندی تو فرض عین ہے اس سے آزاد ہو کر قرآن سمجھنے کی کوشش الحاد فی آیات اللہ ہے۔

نمبر۳۔ باقی رہی اصول فقہ کی پابندی۔ تو اول تو یہ ہے کہ اصول فقہ انسانی دماغوں کی پیداوار ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ دوسرے فرقوں کو جانے دیجئے خود اہل سنت کے نزدیک

بعض بعض باتوں میں اختلاف ہے یہ اصول جس ماحول میں مُدوّن ہوئے ہیں اس ماحول ... لہٰ
. بدعت از اسباب ایشے ۔ اگر در ... مگر اصول اس دقت سوت تو یقیناً نئے سرے سے اس فن کی تدوین فرماتے
مجھ کو بعض بعض جگہ متقدمین سے اُصول فقہ میں اختلاف ہے اور میں دیانتاً اپنا یہ حق سمجھتا ہوں کہ جس
بات کو اپنا ایمان صحیح نہ سمجھے اس کو کبھی صحیح نہ سمجھوں اور محض تقلیداً کسی ایسی بات کو حق نہ کہدوں
جس کو میری دیانت باطل سمجھتی ہے ۔ یہی حال اصول حدیث کا بھی ہے کہ میرے نزدیک اصول حدیث
میں بھی کسی قدر محو و اثبات کی ضرورت ہے مگر باوجود ان باتوں کے حتے الوسع میں اصول فقہ و
اصول حدیث دونوں ہی میں متقدمین کے کسی متفق علیہ مسئلے سے انحراف نہیں کرتا ۔

(قرآن و حدیث)

میں بھی صحیح حدیثوں کو قرآن مبین کی شرح ہی سمجھتا ہوں ، اور صحیح حدیثوں کی عینک لگا کر
قرآن مبین پر نظر دوڑاتا ہوں ۔ صحیح حدیثوں سے قطع نظر کر کے صرف قرآن سے مسائل نکالنے کی
کوشش کو مستقل گمراہی جانتا ہوں اور احادیث صحیحہ کی حجیت فی الدین سے انکار کو الحاد و زندقہ
بلکہ کفر صریح سمجھتا ہوں ۔ میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح مبلّغ قرآن تھے
اسی طرح مبیّن قرآن بھی تھے ، میری ایک مثنوی فارسی میں ہے جس کا نام ہے " کتاب وسنت "
اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں ۔

شعر

(مثنوی کتاب و سنت)

ای کہ گفتی بر نبی آمد بلاغ — چوں رسانده حاصلش آمد فراغ
نیز در آیات اخریٰ ہم مبیں — کاں بلاغ آمد مقید از " مبیں "
چوں مبیں نبود بود لاغ آن بلاغ — نیست جز گُل گُل اگر باشد چراغ
بے بیاں نبود بلاغ او مبیں — واں بیاں باشد نہ ختم المرسلیں
آں بلاغ کو بود خاطر نشیں — از بیان مصطفٰے باشد مبین
گر نگشتہ اصل معناش آشکار — کے بلاغ لفظ صرف آید بکار
گر نہ معیارے نہ حق دارد نہ پیش — فہمدش ہر کس بحسب عقل خویش
عقل را اغراض سازد کور و کر — از ہوسہا عقل را نبود مفر
چوں ہوس باشد عنان گیر خرد — باشدش در تبع خواہش اخذ و رد

صد تفاوت بنگری اندر عقول — مختلف باشد در ردّ و قبول

پس چو باشد عقل او آئین او — غیر عقل او نباشد دین او

حسب تعداد عقول بے حساب — صد ہزاراں دیں برآید یک کتاب

بلکہ ہر کس را بہر شام و سحر — مذہبے دیگر بود دینے دگر

حیف اے نازاں بعقل و راے خویش — از رہ طغویٰ منہ بر پاے خویش

بہر تعلیم کتاب آمد نبی — جز بتعلیمش کتاب آید غوی

بہر تلقیں ہدیٰ آمد رسول — جز بتلقینش ہدیٰ نبود حصول

فہم پیغمبر کہ معیاری بود — خود برد افہام حق طاری بود

فہم رسل نیست بے تفہیم حق — ہست علمش جملہ از تعلیم حق

پس چو خواہی مقصد ربّ قدیر — فہم پیغمبر ز تعلیمش بگیر

اندریں رہ بے پئے رہبر مرو — ہیچگہ فارغ ز پیغمبر مشو

اسوۂ اش بنگر کہ تعلیمش ہماں ست — یعنی قرآں دریں مجمل نہاں ست

اسوۂ او شرح قرآن آمدہ — روح دین و جان ایماں آمدہ

از خدا پیغمبر آمد در جہاں — تا نماید خلق را سود و زیاں

حکمت آموزد، نماید تزکیہ — خلق را دارد، تمہید تربیہ

قول دیگر کے تواں کردن قبول — وحی را بہتر کہ فہمد از رسول

سنت او کے بود غیر از کتاب — باشد از گل منتزع بوئے گلاب

قول و فعلش شرح قرآن مبیں است — آنچہ کرد و آنچہ گفت آں عین دیں ست

قول و فعلش ہر دو باشد از الٰہ — ہر دو باشد رہرواں را شمع را

قول و فعلش آنچہ در تعلیم دیں ست — جملہ از تعلیم ربّ العٰلمیں است

یک تعلیم رب از اقوال رب — از چہ باشد مختلف؟ یا للعجب

الخ

یہ تقریباً سوا دو سو[۲۲۵] شعروں کی مثنوی صرف اسی موضوع پر ہے۔ اس میں جہاں روایت و ڈوات پرستی کی مخالفت کی گئی ہے وہاں انکار حجیّتِ حدیث نبوی و سنت خلفائے راشدین کو بھی مستقل کفر و ضلالت ثابت کیا گیا ہے

نمبر۴۔ قرآن کی عبارت النص اور اقتضاء النص[۲۲۶] دونوں قطعی ہیں جن کا تعلق سیاق و سباق سے لفظاً و معنیً[۲۲۷] ہوتا ہے میں ان کے خلاف کسی حدیث مروی کو حدیث صحیح نہیں سمجھتا اور بفحوائے ما خالفہ فردوہ میں اسں کو رد کر دیتا ہوں۔ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ کسی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے نص قرآنی کی تاویل کروں چاہے وہ حدیث صحیحین ہی میں کیوں نہ ہو۔

قرآن کے خلاف ہو تو اسے رد کردو

نمبر۵۔ میں ہر حدیث کو ظنی ہی جانتا ہوں۔ کسی حدیث میں قطعیت آسکتی ہے تو صرف مطابقت قرآن ہی کی بدولت آسکتی ہے۔

نمبر۶ میں قرآن کو جس طرح حدیثوں کی صحت کا معیار سمجھتا ہوں اسی طرح قرآنی مفاہیم کی تعیین و تصحیح کے لیے اس حدیث کو معیار سمجھتا ہوں جو قرآنی سیاق و سباق کے مطابق ہو۔ اگر ایسی حدیث بھی تعیین و تصحیح مفہوم یا طریق عمل کے لیے کافی نہ ہو تو تعامل صحابہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ مگر کسی جگہ بھی مطابقت قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتا۔

نمبر۷۔ میں قرآن کے سوا کسی ایسی کتاب کو جو دنیا کے ہاتھوں میں ہے خطا سے پاک نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالےٰ نے صرف قرآن ہی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اگر کسی دوسری کتاب کو بھی قطعی الصحت تسلیم کیا گیا تو درحقیقت یہ قرآن مجید کی صفت خصوصی پر حملہ ہے۔ بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وعدہ حفاظت الٰہیہ کے بعد قرآن تحریف و تصحیف سے محفوظ رہا تو کیا ہوا بغیر وعدہ حفاظت الٰہیہ کے صحاح کی چھ چھ کتابیں ہر طرح کی تصحیف و تحریف و خطا سے محفوظ ہیں۔

نمبر۸۔ امام بخاری نے سُنا زید سے، زید نے سُنا بکر سے، بکر نے سُنا خالد سے اور خالد نے سُنا فلاں صحابی سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے تھے۔ اب زید، بکر اور خالد کے معصوم عن الخطا ہونے پر ایمان بالغیب کس طرح لایا جا سکتا ہے خصوصاً جب صحیح بخاری کے بعض راویوں کو ہم مجروح اور سخت مجروح بھی پا رہے ہیں، یا دوسری روایتی شہادتیں مجھ کو اس حدیث کے غلط ہونے کی مل رہی ہیں

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسمٰعیل بن ابی ادریس کو آئمہ رجال کذاب لکھ رہے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ عوف اعرابی کو شیطان خبیث تک لوگ کہہ گئے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ کوئی قرآن میں تصحیف کرنے سے باز نہیں ~~آتا~~ تو پھر جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں اس کو کیا باک ہو سکتا ہے، مگر صرف اس لئے کہ صحیحین میں ان لوگوں سے روایتیں ہیں اگر کچھ لوگوں نے ان کی وثاقت کا اعتراف کر لیا ہے صحیحین کا بھرم رکھنے کے لئے تو کیا ان کی ایسی روایتیں بھی ہم صحیح مان لیں جو قرآنی سیاق وسباق کی مخالف ہیں؟ میرا ایمان اس کو قبول نہیں کر سکتا۔

نمبر۹. بے شک حدیث رسولؐ حجت شرعی ہے۔ حدیث رسولؐ ہی نہیں بلکہ تعامل صحابہؓ بھی حجت شرعی ہے مگر وہ حدیث، حدیث رسولؐ ہو بھی؟ صرف کسی روایت سے تو ہر قول حدیث رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ آخر موضوعات بھی تو اسی طرح کے عنعنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناداً پہنچا دیئے گئے ہیں۔

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ پر تو ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر امام بخاری رحمۃ اللہ کے بقول خواہ اگر فرمائیں کہ ما اٰتٰکم عثمان بن ابی شیبۃ الذی کان یصحف فی القرآن فخذوہ تو میں اس پر کس طرح ایمان لے آؤں۔

نمبر۱۰. روایت پرستی کے جذبے میں بعض محدثین کا یہ لکھ دینا کہ ترمذی یا ابوداؤد وغیرہ میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے اس کے نزدیک کیا قابل توجہ ہو سکتا ہے جس کی بالغ نظر آنکھیں بخاری ومسلم میں بھی موضوع حدیثیں دیکھ رہی ہیں۔

نمبر۱۱. ترمذی کا یہ لکھ دینا کہ "میری کتاب میں جس قدر حدیثیں ہیں سب معمول بہا ہیں" کئی حیثیتوں سے محل نظر ہے۔ (۱) کس کی معمول بہا؟ پوری جماعت کی؟ یا کسی فرد واحد کی؟ عہد نبوی سے لے کر ترمذی کے وقت تک؟ یا ترمذی ہی کے وقت میں معمول بہا ہوئیں؟ اگر عہد نبوی سے ترمذی کے وقت تک معمول بہا رہی ہیں، یہی مراد ہے تو بے شک ایسی حدیث کو دین میں حجت ہونا چاہیئے۔ مگر پھر ایسی سب حدیثوں کو صحیحین میں بھی ضرور مروی ہونا چاہیئے۔ ورنہ یہ بات سوچنے کی ہے کہ ایسی حدیث جو عہد نبوی سے ترمذی کے وقت تک تمام یا اکثر صحابہ وتابعین وتبع تابعین کی معمول بہا رہی ہیں شیخین نے اس کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ اور اگر عہد نبوی میں اس پر تعامل نہ تھا، صحابہ کی معمول بہا وہ حدیث نہیں ہے بعد کو چند افراد یا کسی خاص فرقے نے اس کو معمول بہا بنا لیا یا کسی خاص شخص کی معمول بہا رہی تو وہ دین کے

اندر سند و حجت نہیں ۔ بلکہ بخوبی ممکن ہے کہ وہ بدعت و ضلالت ہو۔ ترمذی میں اگر تتبع کیا جائے تو موضوعات کی نشاندھی کی جا سکتی ہے ۔

نمبر ۱۲۔ محدثین متأخرین کا یہ لکھ دینا کہ جس حدیث پر ابوداود نے سکوت اختیار کر لیا وہ حجت ہے شاید ایسا لکھنے والوں کے نزدیک ابوداود بذریعہ کشف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر حدیث لکھا کرتے سو ان کو جن کی ایسی روایت پرستانہ عقیدت ہو وہ اس پر ایمان لا سکتے ہیں۔ جن کے نزدیک کسی حدیث کی صحت کا معیار صرف مطابقت کتاب اللہ ہے وہ اشخاص و افراد کے اس تحکم کو کب برداشت کر سکتا ہے ۔

نمبر ۱۳۔ "صحت حدیث"، کے یہ معنی ہی محدثین کے نزدیک نہیں کہ ھذا خرج من فی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ انہوں نے جو معیار صحت و حسن اپنے اصول مخترعہ کے مطابق بنایا ہے اس معیار پر ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اُتر گئی ہے اور بس ۔ اس سے زیادہ ان کے ھذا حدیث صحیح یا حسن لکھنے کا کچھ مطلب نہیں۔ یعنی جس طرح ہر مسلم قرآن کی ہر آیت پر قسم کھا سکتا ہے کہ ھذا انزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کسی حدیث پر بھی نہ امام بخاری نہ امام مسلم بلکہ امام مالک بھی قسم کھا کر نہیں کہہ سکتے تھے کہ ھذا خرج من فی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس لئے ترمذی وغیرہ میں سے کسی کے بھی کسی حدیث کو صحیح یا حسن لکھ دینے سے یا امام بخاری و امام مسلم کے اپنی اپنی کتابوں کا نام الصحیح رکھ دینے سے دھوکا کھا کر ان کی ہر حدیث کو قطعی الصحۃ سمجھ لینا بڑی خطرناک غلطی ہے ۔

نمبر ۱۴۔ مختصر یہ ہے کہ صحاح کی کوئی کتاب بھی موضوعات سے پاک نہیں ہے، اور نہ پاک رہ سکتی تھی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ یہ صرف اور صرف قرآن ہی کی شان پاک ہے دنیا کی کسی اور کتاب کے بارے میں یہ دعوی کرنا مجھ کو تو شرک سا معلوم ہوتا ہے ۔ خاص کر کے جب ان کتابوں کی بعض حدیثوں کے بعض راویوں کو ہم دینی خطرناکیوں کا سرچشمہ پاتے ہیں۔

نمبر ۱۵۔ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ "خصوصاً بخاری و مسلم و ترمذی ابوداود و نسائی کی کسی حدیث کو موضوع کہنا تو ان حضرات سے معارضہ کرنا ہے، اور معارضے کے لئے مساوات طرفین شرط ہے ناقص کو کامل سے معارضے کا کوئی حق نہیں "

میں جواباً عرض کرتا ہوں کہ ان بزرگوں کا اپنے دفاتر میں قرآن کے خلاف روایات کا درج کرنا (اگر واقعی ان بزرگوں نے خود درج کیا ہے اور وہ روایتیں زنادقہ کی داخل کردہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جیسا کہ میرا ظن غالب ہے) کیا قرآن کے ساتھ معارضہ نہیں ہے؟ اور ایسی حدیثوں کو، جو قرآن کے صریحاً خلاف ہیں، جو قرآن میں کمی بیشی یا بعض حصہ قرآن کے ضیاع پر دال ہیں یا خلاف سیاق و سباق شانِ نزول بتلانے والی ہیں، اور آیت کے مفہوم کو اس کی عبارۃ النص کے خلاف بدلنے والی ہیں، اور ان کتابوں میں مروی ہیں صحیح سمجھنے والا قرآن مبین کے ساتھ معارضے کا مرتکب نہیں ہے؟ کیا ان جامعین احادیث کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور مدوّنات کو قرآن مجید کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل ہے؟ اگر ان ناقصوں کو قرآن جیسے کامل و مکمّل سے معارضے کا حق ہے تو مجھ جیسے ناقص کو بھی ان کاملوں سے معارضے کا حق حاصل ہے۔

میں کسی حدیث کو صرف اس لئے رد نہیں کرتا کہ میرے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ میرا کوئی مسلک قرآن و سُنت کے سوا ہے ہی نہیں۔ نہ اس لئے رد کرتا ہوں کہ میرے فرقے کے خلاف ہے کیونکہ میرا کوئی فرقہ ہی نہیں۔ میرا مذہب صرف اسلام ہے اور میں صرف مسلم ہوں۔ نہ میں کسی حدیث کو اس لئے رد کرتا ہوں کہ میرے اکابر، میرے آباؤ اجداد یا میرے پیران سلاسل کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ میں تمام اکابر و سارے پیرانِ سلاسل اور اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ جتنی بھر بھی عقیدت اور جتنا غلو رکھتا تھا سب کو قرآن و سنت ثابتہ پر قربان کر چکا ہوں اور اکابر پرستی و آباء پرستی و پیر پرستی سے مدت ہوئی کہ توبہ کر چکا ہوں۔ میں جبھی کسی حدیث کو موضوع قرار دے کر رد کرتا ہوں کہ اس کو قرآن مجید کے خلاف صراحتہً پاتا ہوں۔

قرآن کی تاویل یا حدیث کی تاویل

نمبر ۱۶۔ قرآن و حدیث کے تعارض کو مٹانے کے لئے قرآنی آیت کی تاویل، اور ایسی تاویل جس سے اقتضاءُ النص ہی بدل جائے یا مفہوم عبارۃ النص کے مطابق نہ رہے میں حرام سمجھتا ہوں اور اس کو الحاد فی آیات اللہ جانتا ہوں۔

اور ایسی حدیثوں کی تصحیح کے خیال سے انہیں کی تاویل رکیک کر کے اپنے دل کو یا اپنے ہمخیالوں کو چپ کر دینا بھی خطرناک غلطی جانتا ہوں۔ کیونکہ خطرناک حدیثوں کی لایعنی تاویلیں ان کی خطرناکی کو نہیں مٹا سکتیں، ممکن ہے کہ تاویل کرنے سے اس کے معتقدین و تلامذہ کی تشفی ہو جائے مگر خالی الذھن

لوگوں کے شکوک اور بڑھ جائیں گے اور مخالفین کو اعتراض کا زیادہ موقع ملے گا۔ ان وجوہ کی بنا پر میں جس حدیث کو بھی قرآن کے خلاف پاتا ہوں، بلاخوف لومۃ لائم اپنی ایمانی قوت کے ساتھ اس کو موضوع کہہ دیتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ ایسی ناپاک حدیثیں ان بزرگوں کی کتابوں میں ان کے بعض ملحد تلامذہ یا کاتبوں یا وراقوں نے داخل کر دی ہیں، خود ان بزرگوں نے ایسی حدیثیں کبھی اپنی کتابوں میں جان بوجھ کے نہیں درج کی ہوں گی۔ رحمہم اللہ و تجاوز عن زلاتہم۔

نمبر ۱۷۔ ان معروضات کے بعد خیال فرمایا جائے کہ سیوطی نے اگر تدریب یا اتقان وغیرہ میں کچھ لکھ دیا یا منذری و شوکانی کی قلمی جولانیوں کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے ؎

آنکہ طے کردہ ایں مواقف را ~~~ بہ چہ شناسد قتیل دو واقف را

نمبر ۱۸۔ اس جواب الجواب سے میری غرض مناظرہ اور سلسلہ مراسلات کی اطالت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے حالات و خیالات کی اطلاع اس سے مقصود ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جناب کو میرے خیالات سے اتفاق نہ ہوگا بلکہ میرے خیالات پر تعجب ہوگا۔

قرآن کی حدیثی شرح

نمبر ۱۹۔ جناب نے خود جو تحریر فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جناب اور جناب کے اکابر کے نزدیک حدیث کو قرآن کی شرح ہونا چاہیے۔ اور احادیث ہی کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا چاہیے مگر فَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی آیت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "اس سے نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا؟ ذابح کون تھا؟ اور فدیہ کس بات میں تھا؟ اور یہ فدیہ عقیقہ تھی یا ضحیہ؟ اس آیت کے سلسلے میں جو روایتیں آئی ہیں ان کی طرف بھی تو توجہ فرمانی چاہیے۔" میں نے یہ کب کہا کہ اگر قرآن کسی شرح کا محتاج نہیں ہے اپنے مفہوم کو خود ادا کر دیتا ہے تو انسان اپنی کم علمی و کوتہ عقلی کی وجہ سے قرآن کو صحیح طور سے اور پوری طرح سمجھنے کے لئے کسی تعلیم و تبیین کا بھی محتاج نہیں ہے؟ ایک حکیم بھی ایک نسخہ لکھتا ہے تو دواؤں کے نام لکھ کر کوفتہ بیختہ جوش دادہ ہمراہ شربت دینار ۲ تولہ بنوشند لکھ دیتا ہے مگر نہ دواؤں کی پہچان بتاتا ہے نہ شربت دینار کا نسخہ لکھتا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ یہ دوائیں کہاں ملیں گی۔ مگر کوئی بھی اس نسخے کو ناقص اور غیر مفید المعنے نہیں کہتا۔

نمبر ۲۰۔ صفحہ ۵۵ سنۃ ابیکم ابراہیم والی حدیث صحاح سے باہر نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں موجود ہے۔ ابن ماجہ کی صرف [illegible] ایک [illegible] حدیث کی [illegible] صحت کے گمان پر تو بعض محدثین نے سُرخ نشان [illegible] دیا ہے

یقیناً ان میں یہ حدیث نہیں ہے اور بیہقی وغیرہ ہی نے نہیں بلکہ مسند امام احمد میں امام احمد نے بھی (اگر وہ امام احمد کی تالیف واقعی ہے) اس کو روایت کیا ہے۔ اس کے رجال میں بے شک ایک شیعہ کذاب ہے اور وہ ابو داؤد نفیع ہے مگر جسطرح محدثین کے نزدیک کسی حدیث کا صحیح الاسناد ہونا اس کی صحت کی دلیل قطعی نہیں ہے بالکل اسی طرح میرے نزدیک کسی حدیث کے سلسلہ اسناد میں کسی رافضی یا منکر الحدیث یا وضاع وکذاب کا ہونا اس حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل قطعی نہیں جھوٹے سے جھوٹا آدمی بھی سچ بول سکتا ہے۔ وضاعین وکذابین یقیناً دس سچی حدیثوں میں دو ایک اپنی من گھڑت حدیث بھی لگا دیتے ہوں گے۔ ورنہ اگر وہ صرف جھوٹی ہی حدیثیں روایت کرتے رہتے تو ان کا عیب نہ چھپتا اور پھر کوئی بھی ان کی کوئی حدیث روایت نہ کرتا۔ اسی حدیث کو دیکھئے کہ ابو داود نفیع جیسے کذاب رافضی نے اس کی روایت کی ہے اور اس سے عائذ اللہ روایت کرتے ہیں جو منکر الحدیث ہیں۔ مگر عائذ اللہ سے جو روایت کرتے ہیں سلام بن مسکین وہ ثقہ ہیں سلام سے مسند احمد میں یزید بن ہارون روایت کر رہے ہیں جو مشاہیر حفاظ میں بڑے پائے کے محدث ہیں آپ جانتے ہیں، ان سے امام احمد ان سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ روایت کر رہے ہیں۔

اور ابن ماجہ میں سلام بن مسکین سے آدم بن ابی ایاس ان سے محمد بن خلف اور ان سے ابن ماجہ روایت کرتے ہیں اور یہ سب ثقہ ہیں جن پر کسی طرح کی جرح نہیں۔ باوجود اس کے کہ ابو داود نفیع سے امام احمد وابن ماجہ سب واقف تھے خود امام احمد کی جرح اس پر موجود ہے۔ مگر اسی اصول کے بناء پر یہ حدیث سلام بن مسکین اور سلام سے یزید بن ہارون جیسے محدث نے اور آدم بن ابی ایاس جیسے کھرے راوی نے یہ حدیث لی اور امام احمد وابن ماجہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کو درج کر لیا (جیسا کہ مسند احمد کو امام احمدؒ ہی کی تالیف کہا جاتا ہے اگرچہ اس کی حقیقت محققین سے پوشیدہ نہیں) غرض جو حدیث قرآن کے مطابق ہو۔ درایت اس کو قبول کرتی ہو، کوئی راوی یا اس کے متعدد راوی بھی وضاع وکذاب ہوں تو وہ محتمل الصحۃ ہو سکتی ہے، احتجاج واستدلال تو قرآن وسنت ثابتہ سے ہے ایسی روایتیں محض تائید کا کام دے سکتی ہیں، اور یہی کام لیا گیا تھا۔ اگر صرف اسی حدیث پر مدار استدلال ہوتا تو بے شک یہ صحیح ہوتا۔ اور پھر تو

لوگ حدیث کو وحی غیر متلو اور مثلِ قرآن مع القرآن مانتے ہیں۔ قرآن کے علاوہ قرآن سے باہر احکام حدیثوں میں ہونا جن کے نزدیک ثابت و مسلّم ہے۔ جو صحاح ستہ کی ہر حدیث کو حجت سمجھتے ہیں، ان کے لئے تو صحاح کی ہر حدیث حجت ہے اور اُن پر تو حجت ہے۔ مجھ پہ حجت نہیں ہے مگر میرے لئے حجت ہے۔

نمبر ۲۱۔ جناب نے اس سنۃ ابیکم ابراہیمؑ والی حدیث کو قرآن مبین کے خلاف قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قرآن کی شرح ہے، اور قرآن اس کی صحت کی تائید کر رہا ہے۔ فدینٰہ کی ضمیر جمع متکلم بے شک اللہ تعالےٰ کی طرف پھرتی ہے۔ مگر ذبح کیا تھا حضرت ابراہیمؑ ہی نے۔ اس لئے یہ سنتِ ابراہیمیؑ ہے لیکن اس کو سُنتِ ابراہیمیؑ بنانے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ لکل امۃ جعلنا منسکا اور ہابیل وقابیل کا قربانی دینا بھی بالکل صحیح ہے۔ بے شک قربانی ایک سُنتِ قدیم ہے مگر تعیین ماہ و تاریخ کے ساتھ جس نوعیت میں مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اس نوعیت کے ساتھ وہی سُنت قدیمہ سُنت ابراہیمیؑ بن کر اُمتِ محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام پر فرض ہوئی۔ اس میں مخالفت کی کونسی بات ہے مخالفت ہونا اور بات ہے اور مخالف ثابت کرنا اور بات ہے۔

نمبر ۲۲۔ تعجب ہے کہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ " مانا کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی تھی اور یہ ان کی سُنت ہے۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ زندہ کی طرف سے کی تھی مردہ کی طرف سے نہیں کی تھی " فدینٰہ کی ضمیر مفعولی مامور بالذبح حضرت اسمٰعیلؑ ہی کی طرف پھرتی ہے نہ کہ کسی اور کی طرف، اور وہ یقیناً زندہ تھے اس لئے وہ قربانی زندہ ہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ کسی مردہ کی اس میں شرکت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ضمیر مفعولی واحد ہی کی ہے۔

نمبر ۲۳۔ جنابنے اس کے بعد فرمایا ہے کہ "حدیث کے الفاظ پر جو کچھ بڑھایا جائے، اس کو کسی حدیث ہی سے ثابت کیا جائے تو مسند حدیث سے ثابت ہوگا ورنہ اپنی رائے اور حاشیہ سے ثابت ہوگا "۔

"ان محترم اپنی اس عبارت کو اچھی طرح ذہن نشین رکھیں۔ آگے چل کر یہ بہت کام آئے گی۔

میں نے تو حدیث کو قرآن کے ساتھ بطور بدرقہ پیش کیا ہے۔ صرف اس حدیث سے تو میں نے کچھ ثابت نہیں کیا ہے فدینٰہ بذبح عظیم سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ ایک ذبیحہ کے ذریعے دلوادیا۔ ذابح حضرت ابراہیمؑ کے سوا دوسرا

کون ہو سکتا ہے؟ خواب میں انہوں نے دیکھا تھا جو حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک پھر اس خواب کو حکم سمجھ کر جب حضرت اسمٰعیلؑ نے کہا کہ یآبت افعل ما تؤمر تو حضرت ابراہیمؑ ہی ذبح کے لئے تیار ہوئے۔ فلما اسلما میں جو تثنیہ کی ضمیر فاعلی ہے وہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ ہی کی طرف پھرتی ہے اور تلہ کی ضمیر فاعلی حضرت ابراہیمؑ کی طرف اور ضمیر مفعولی حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف صاف طور سے پھر رہی ہے۔ اس کے بعد جو ندا دی گئی کہ قد صدقت الرؤیا اس کے مخاطب حضرت ابراہیمؑ ہی تھے اس کے بعد وفدینہ کی ضمیر مفعولی کا حضرت اسمٰعیل کی طرف پھرنا صاف بتا رہا ہے کہ ذبیحہ کے ذابح حضرت ابراہیمؑ ہی تھے۔ قرآن مجید کے اس تصریحی بیان کے باوجود یہ کہنا کہ "قرآن سے) نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا۔ ذابح کون تھا اور فدیہ کس بات میں تھا، اور یہ فدیہ عقیقہ تھا یا اضحیہ؟" جناب کی علمی و دینی بصیرت سے بہت بعید ہے۔ عقیقہ یا اضحیہ کی اصطلاح تو بعد کی ہے اس کو عہد ابراہیمیؑ میں تلاش کرنا عجیب بات ہے۔ ذبیحہ یقیناً کوئی حلال چارپایہ ہی تھا۔ اونٹ ہو یا مینڈھا، بکری ہو یا دنبہ، جو بھی ہو حدیثوں کی تشریح سے قطع نظر بھی کر لیجئے تو اس کا جاننا کچھ ضروری نہیں اسی لئے تو جانور کی تعیین فرض نہیں ہے۔ مگر یہ تو قرآنی تصریحات مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ ذابح حضرت ابراہیمؑ ہی تھے، اور فدیہ انہیں کے ہاتھ سے دلوایا گیا تو پھر حدیث میں جو اضحیہ کو سنت ابراہیمیؑ کہا گیا تو یہ قرآن سے مطابقت ہوئی یا قرآن کی مخالفت؟ تو پھر میں نے جو اس حدیث کو قرآن کی متابعت میں پیش کیا تو کیا غلط کیا؟ بینوا توجروا۔

مَن سے کیا مراد ہے؟

نمبر۴۔ جناب نے حدیث سے غلط استدلال کی سرخی قائم فرما کر ایسا استدلال پیش فرمایا ہے جو جناب کے علم و فضل سے بالکل غیر متوقع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مَن کا لفظ اس قدر عام ہے کہ اس میں حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے انسان پیدا ہوں گے وہ سب کے سب داخل ہیں۔ مگر مَن جس جملے میں ہو گا اس جملے کے مطابق اپنی تحدید خود کرے گا۔ مَن قتل قتیلاً فلہ سلبہ۔ اس جملے میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے کسی خاص وقت کسی خاص جماعت اور کسی خاص جگہ کے لئے اس کو مخصوص سمجھا جائے۔ تو کیا اسے ہابیل و قابیل کے وقت سے قیامت کے لئے ایک حکم عام کوئی کہہ

سکتا ہے؟ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من امن باللّٰہ والیوم الآخر الایۃ کیا یہاں مَن کو زندہ مردہ سب کے لئے کہا جائے گا؟ من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ میں کیا مَن کے مفہوم میں مُردوں کو بھی شامل سمجھا جائے گا؟ مرنے کے بعد تو ہر کافر مشرک کو اس کا اعتراف ہو گا۔ پھر آپ مَن لم یُضَحّ کے مَن میں مُردوں کو کس طرح داخل فرما رہے ہیں؟

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر حدیث میں عمن لم یضح من اصحابی ہوتا تو آپ کا مطلب ظاہر تھا۔ لفظ امتی کو زندوں کے لئے خاص کرنا بالکل خلاف ظاہر ہے"۔

محترما! اضحیہ کی فرضیت سے پہلے بہت سے صحابہؓ بھی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے نہ اصحابی ہی کا لفظ زندوں کے لئے مخصوص سمجھا جا سکتا ہے نہ امت ہی کا لفظ۔ یہاں زندوں کی خصوصیت مَن یا اُمّتی کے لفظ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ لَمْ یُضَحِّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ زندوں کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ جانور خریدنا اور اس کو قربان گاہ تک لانا اور پھر ذبح کرنا زندوں ہی سے ہو سکتا ہے، کسی مُردے سے ان کاموں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ قربانی کرنے والے زندہ مُسلم کو آپ مُضَحّی کہہ سکتے ہیں اور جس زندہ انسان نے قربانی نہ کی اس کو آپ غیر مُضحّی کہہ سکتے ہیں مگر کسی مردے کو آپ کبھی غیر مضحّی نہیں کہہ سکتے جس طرح کسی گھوڑے، کسی بیل کو، کسی شجر و حجر کو آپ غیر مضحّی نہیں کہہ سکتے۔ میں نے تقابل عدم و ملکہ کا ذکر کر دیا تھا مگر افسوس کہ آں محترم نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ جو محدثین صرف محدث ہی تھے انہیں تقابل عدم و ملکہ کی کیا خبر؟ شریک بن عبداللّٰہ الکوفی کی زیر بحث روایت سے وہ متأثر تھے ہی، لگے یہاں بھی امۃ کے لفظ کو زندہ و مردہ میں عام کر کے شریک کی حدیث کو تقویت پہنچانے۔ من امن بی وصدقنی من امتی۔ یہاں تو من امتی کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ امتی سے مراد اس وقت کی موجودہ جماعت تھی ورنہ من امن بی وصدقنی کہنے کے بعد من امتی کا لفظ محض بیکار اور لایعنی ہے۔ یہ من امتی کا لفظ صاف بتا رہا ہے تو ایک قید کی صورت میں ہے کہ ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے جو گذر گئے اور جو آئندہ آنیوالے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور جو آئندہ آنے والے تو اس لئے بھی داخل نہیں ہو سکتے کہ لم یضح ماضی پر دلالت کر رہا ہے۔ زمانہ مستقبل میں جو لوگ قربانی نہیں کر سکیں گے وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتے

اس لئے یہ لکھنا صحیح نہیں کہ " جبکہ بعدو. ون میں بھی ایمان اور تصدیق کی صفت موجود ہے"۔
جناب نے میرے بلا سند حدیث نقل کرتے پر تو الزام دیا ہے مگر خود مجمع الزوائد کی حدیث جو صحاح کی بھی نہیں اس کو بلا سند ایسے شخص کے سامنے فرما رہے ہیں جو صحاح کی حدیثوں کو بھی بغیر پرکھے ہوئے آنکھیں بند کر کے محض تقلیداً ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کے نزدیک تو صرف کتابیں سند و حجت ہیں۔ آپ کو اسناد سے کیا کام؟ اسناد کی ضرورت تو اس کو ہے جو اسناد کو پرکھے۔
نمبر۲۵۔ میرا یہ کہنا کہ " حضرت رحمۃ للعلمین صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ غریبوں تنگدستوں کی جانوں کا فدیہ نہ ادا ہو اسلیئے آپ نے ایسا کیا"۔ آپ کے نزدیک "میرا طبغزاد حاشیہ ہے" چونکہ " حدیث کا کوئی لفظ اس پر دال نہیں"۔ حالانکہ یہ میرا طبغزاد نہیں اور قرآن و حدیث دونوں کے الفاظ اس مفہوم کو ظاہر کر رہے ہیں۔ میں اپنے پہلے جواب میں بھی اور اس مراسلے میں بھی ثابت کر چکا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی جان کے بدلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک جانور فدیہ کی حیثیت سے ذبح کرایا، جس سے یہ ثابت ہے کہ جانور کی قربانی انسانی جان کا فدیہ ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ قربانی جو سنت فدیہ ہے مسلمانوں پر تعین ماہ و تاریخ کے اعتبار سے سنتِ ابراہیمیؑ کی حیثیت سے فرض ہوئی۔ اگلی امتوں پر قربانی فرض تھی تو اس وقت قربانی دینے والے کے تقویٰ کے مطابق اس کو قربانی کا ثواب آخرت میں ملنے کی امید رہتی تھی، اور دنیا میں اس کو یا فقراء و مساکین کو گوشت خواری کا ایک پُرلطف موقع تھا۔ اور بس۔ امت محمدیہ علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ نے اس کو سنتِ ابراہیمیؑ اپنے رسول کی زبان مبارک سے قرار دے کر ایک نیا فائدہ فدیۂ جان کا بھی عنایت فرمایا۔ اسی لئے قربانی دینے والے اپنے نابالغ بچوں اور نادار اولاد اور بیویوں کی طرف سے بھی قربانی دیتے ہیں تاکہ ان کی جانوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔ اس لئے یہ مفہوم میرا طبغزاد نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہے۔ جن کی طرف قرآن و حدیث کے الفاظ ہی کافی رہنمائی فرما رہے ہیں۔
مگر جناب خود اپنے استدلال میں بادلیل تحریر فرماتے ہیں کہ " اگر قربانی ثواب ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے (کہاں ہو سکتی ہے کیا آپ نے کسی ہو

سکنے کو ثابت کیا؟) تو دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو؟ جب کہ دوسرے حضورؐ سے زیادہ ثواب کے ضرورت مند ہیں"، میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کونسا طریق استدلال ہے؟ آپ کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مخاطب اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ "قربانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے" کیا اس سے زیادہ نمایاں کوئی مثال مصادرہ علی المطلوب کی ہو سکتی ہے کہ جو موضوع میرے آپ کے درمیان ما بہ النزاع ہے جو مجھے بالکل تسلیم نہیں آپ اس کو تسلیم شدہ قرار دے کر اس پر قیاس کر کے اور غلط قیاس کر کے ایک نئی چیز بھی مجھ سے منوانا چاہتے ہیں؟۔

نمبر۲۶۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ "دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو جبکہ دوسرے حضورؐ سے زیادہ ثواب کے ضرورت مند ہیں"، تو پھر درود بھی دوسروں کے لئے پڑھنا چاہیئے اللھم صلے علی فلاں فلاں وبارک وسلم پڑھنے کا حکم دیدیجئے۔ کیونکہ دوسرے لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دعائے رحمت وبرکت وسلامتی کے محتاج ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں "اگر حضرت علیؓ حضورؐ کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں تو ابوبکر[۱] وعمر و عثمان کو اس سے کون مانع ہے" آپ کی شرط کو کس نے تسلیم کر لیا ہے جو آپ جزا کو بھی اس غیر تسلیم شدہ شرط کی بنیاد پر تسلیم کرانا چاہتے ہیں؟

کیا یہ طبعزاد نہیں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دی تو پھر حضرت صدیق اکبرؓ وحضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ نے بھی ضرور قربانی دی ہو گی؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

نمبر۲۷۔ جناب نے نامکمل جملہ تحریر فرمایا ہے کہ "یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جو حضرت علیؓ کو وصی مانتا ہے" اس کے بعد ایک اور جملے کی ضرورت ہے "اور اس حدیث شریک الکوفی کو صحیح تسلیم کرتا ہے" دونوں جملے جب تک ملا کر ایک جملہ معطوفہ نہ بنے اس وقت تک یہ جملہ صحیح نہیں ہو سکتا، اور یہ واقعہ ہے

---

[۱] ان بزرگوں کے، اسمائے گرامی نہ "حضرت" کے لفظ سے شرف بخشا گیا نہ "رضہ" نام کے بعد مرقوم ہے یہ صورت تفصیل معلوم نہیں کیوں اختیار فرمائی گئی؟ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

کہ بعض لوگ جو اس حدیث غلط کو صحیح مانتے ہیں وہ یہ کہ حضرت علی رضؓ کے وصی ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں جو حضرت علی رضؓ کو وصی نہیں مانتے ہیں اور اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں وہ اسی قسم کی طبعزاد باتوں سے اپنے دل کو تسکین دے لیتے ہیں کہ حکم مخصوص حضرت علی رضؓ ہی کو نہ تھا دوسرے لوگ بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ چاہے کسی دوسرے صحابی کے ایسا کرنے کا کوئی ثبوت کبھی خواب میں بھی نظر نہ آئے۔

نمبر۲۸۔ آں محترم نے صد میں تحریر فرمایا ہے کہ "نمبر۲ میں کہا گیا ہے (یعنی اس حقیر نے کہا ہے) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ہر صاحب استطاعت صحابی ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی الخ (میری عبارت نقل فرما کر جناب ارقام فرماتے ہیں) کسی حدیث سے صراحتہً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ جب حضورؐ نے اضحیہ کی تاکید فرمائی تھی تو سب اہل استطاعت ایسا کرتے ہوں گے۔ تو اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر ہے۔ اور ہمارے آباد اجداد جن میں صدیقی شیوخ بھی ہیں، فاروقی بھی، عثمانی بھی ہیں، سید علوی بھی۔ برابر ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دوسرے صحابی بھی حضرت علی کی طرح کرتے ہوں گے"۔

یہ طریق استدلال اختیار فرما کر جناب نے مجھے اپنی طرف سے تقریباً مایوس کر دیا۔ کہاں اضحیہ کے حکم کی تاکیدی حدیثیں، جن کی مجموعی تعداد پر نظر ڈالنے سے اس حکم کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور وہ حکم بھی عام ہر صاحب استطاعت کو اور کہاں شریک بن عبداللہ الکوفی نہیں تو ابوالحسناء یا حنش کی من گھڑت ایک غریب بلکہ عجیب وغریب آحاد روایت! کہاں راجہ بھوج اور کہاں بھجوا تیلی! دونوں کو ایک ترازو میں رکھ کر دونوں کا وزن برابر برابر دکھانا آپ جیسے علمائے دین سے بہت بعید ہے

صحیح بخاری کتاب الاضاحی میں ہے صد۸۳۳ قال یحییٰ بن سعید سمعت ابا امامۃ بن سھل قال کنا نسمن الاضحیۃ بالمدینۃ وکان المسلمون یسمنون۔ پھر اسی باب میں صد۸۳۴ کی پہلی سطر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا قول پاک منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من ذبح قبل الصلوٰۃ فانما یذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین۔

جس سے صاف یہ ظاہر ہے کہ عہد نبوی ہی میں قربانی سنت المسلمین بن چکی تھی اور تمام مسلمانوں میں اس کا عام رواج قائم ہو چکا تھا۔ صرف مردہی نہیں عورتوں پر بھی قربانی اسی طرح فرض تھی جس طرح مردوں پر بلکہ عورتیں بھی کبھی اپنے ہاتھوں سے جانور ذبح کرتی تھیں۔ امام بخاری نے اسی صفحہ میں باب باندھا ہے من ذبح ضحیۃ غیرہ واعان لاجل بابن عمر فی بدنتہ وامر ابو موسی نباتہ ان یضحین بایدیھن۔ گو عنوان کے تحت عنوان کے مطابق کوئی حدیث مذکور نہیں ہے بجز اتنی بات کے کہ ضحی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن نسائہ بالبقر۔ اگر عنوان باب کے مطابق اس کے معنی کیجئے تو سمجھنا ہوگا کہ ازواج مطہرات نے اپنے مال سے جانور خریدا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ذبح کر دیا تھا۔ واللہ اعلم باقی دو باتیں جو عنوان میں ہیں جن کا تعلق دو وقعوں سے ہے عنوان میں ان واقعوں کا ذکر ہو نا بتا رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ دونوں واقعے صحیح ہیں مگر روایت ان کی تشفی کے مطابق نہ ملی اس لئے حدیث نہیں لکھی یا مسودے میں درج نہ فرما سکے۔ ایسی حدیث میں ایسی بات مذکور نہ ہو رہی جس کو عنوان سے کوئی مناسبت نہیں۔

بہرحال۔ پھر صفحہ ۸۳۵ میں ابو عبیدہ والی بن ہے ایسی حدیث بھی موجود ہے جس سے خلفائے راشدین کے زمانوں میں بھی عید الاضحیہ کی قربانی کے عام رواج کا ثبوت مل رہا ہے۔ ایسی متداول معمول بہا سنۃ متواترہ کے مقابلہ میں کوئی شیعوں کی ایک من گھڑت بالکل احاد روایت جس کے اکثر راوی مجروح اور ایک ایسا مجہول جس کا نام صرف اسی ایک سلسلہ روایت میں آتا ہے۔ آپ اس طرح پیش فرما رہے ہیں جس طرح دونوں مقابل کی چیزیں ہوں۔ مولانا خیری صاحب کا آپ سے مقابلہ سخت گستاخی، ائمہ حدیث کے مقابل میرا آنا ناقص کا مقابلہ کاملین سے ہے۔ مگر ایک سنت متواترہ اور بیسیوں احادیث مشہورہ و متعارفہ و معمول بہا کے مقابل ایک ایسی احاد موضوع روایت کا پیش کرنا برابر کا جوڑ سمجھا جائے، تعجب ہی تعجب ہے۔

اضحیہ کا حکم اور تاکیدی حکم لمن لم یضح فلا یقربن مصلانا اوکما قال، اور صرف حضرت علیؓ سے یہ کہہ دینا کہ تم میری طرف سے ہر سال قربانی کر دیا کیجیو دونوں کو کس طرح برابر سمجھا جاتا ہے۔ اگر واقعی حضرت علی کو یہ حکم ہوا بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسرا بھی یہ سمجھ لے کہ میں بھی یہ کر سکتا

سکتی ہوں۔ اگر روایت میں یہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عام مخاطبت کے
ساتھ کہا تھا کہ جس کو موقع ہو جس کو گنجائش ہو میری طرف سے بھی قربانی دے دے۔ اور اسی بناء پر
حضرت علیؓ قربانی دیا کرتے تھے تو یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ دوسروں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی طرف سے ضرور قربانی کی ہوگی۔ سب نے نہیں تو اکثروں نے یا کم سے کم بعضوں نے۔ مگر جب روایت میں
عام مخاطبت نہیں ہے، بلکہ حضرت علی بصیغہ واحد متکلم امرنی بہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حسب
روایت ترمذی فرما رہے ہیں اور حسب روایت ابو داود اوصانی ان اضحی عنہ کہہ رہے ہیں تو اس کی کوئی وجہ
نہیں ہے کہ اگر حضرت علیؓ ممبر پر چڑھ کر خطبے میں بھی ایسا بیان فرماتے تو سننے والے یہ سمجھ سکتے کہ ہم
لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں۔ اور اگر دوسرے لوگ بھی ایسا کرتے
ہوتے تو اس حدیث کا راوی ضرور یہ بھی کہتا کہ حضرت علیؓ سے سن کر ہم لوگ بھی ایسا کرنے لگے۔ راوی
کو تو حضرت علیؓ کی خصوصیت دکھانی مقصود تھی۔ اور اسی لئے یہ روایت اس نے گھڑی تھی۔

جناب عہد صحابہ و تابعین و اتباع تابعین کا تو کوئی واقعہ اپنی تائید میں نہ پیش کر سکے۔
البتہ اپنے آباء و اجداد کا تعامل پیش فرمایا ہے مگر غالباً آں محترم اس کی بھی تدریج نہیں پیش فرما سکتے
کہ کس وقت سے اور کتنی پشت اوپر سے جناب کے آباء و اجداد اس کے پابند چلے آ رہے ہیں۔ بالیقین
ہندوستان میں آنے کے بعد ہی سے اس کا سلسلہ شروع ہوا ہوگا۔ تیمور کے زمانے ہی سے شیعی
رسوم اور شیعی حدیثیں اہل سنت میں مروج و متعارف ہونے لگی تھیں۔ پھر نور جہاں کے زمانے میں یہاں
تک کہ لکھنؤ کے نوابوں کے عہد میں تقریباً سارا یوپی شیعہ نہیں تو تفضیلیہ ضرور تھا۔ آج تک کاکوری
کے مشائخوں کو دیکھ لیجئے کس قدر تفضیلیت میں غلو رکھتے ہیں۔

اور اس میں آپ ہی کے آباء و اجداد کی خصوصیت نہیں ہے۔ میرے آباء و اجداد جو جعفری
زینبی ابا عن جد اور امہات کے اعتبار سے زیادہ تر حسنی حسینی گذرے وہ بھی باوجود علم و
فضل و ورع و تقویٰ کے اس قسم کے محدثات سے بالکل محفوظ نہ رہ سکے۔ مگر محترما! ہم لوگوں کو تو
حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا کے مصداق بننے سے بہت بلند رہنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے
غور نہ کیا۔ بعض بدعات کو سنت سمجھ کر بہ نیت اتباع سنت کرتے رہے۔ اب ہم لوگ پاکستان جیسی
ایک نئی اسلامی حکومت میں ہیں۔ جہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی فکر ہے، جس کے ذمہ دار آپ

ہی جیسے اکابر علمائے پاکستان ہیں، اگر یہاں کے اکابر علماء اپنے آباء و اجداد کے اتباع کو مرکز جدوجہد بنا کر ضعیف سے ضعیف اور موضوع سے موضوع حدیثوں کا سہارا ڈھونڈتے پھریں گے تو پھر حدیثوں کے ذخیروں میں کیا کچھ نہیں ہے اہل بدعات و اہوا کو ہم لوگ راستہ دکھا دیں گے کہ جو کر رہے ہو کئے جاؤ اور حدیثوں کے ذخیروں میں ڈھونڈ کر کوئی روایت اپنے موافق نکال لو اور پھر ہر بدعت کا نام سنت رکھ کر اس کو کئے جاؤ کہ آخر ہمارے آباء و اجداد اتنے زمانے سے کیوں کر رہے ہیں یقیناً قرون مشہود لہا بالخیر میں بھی ان باتوں کا رواج ہوگا۔ ورنہ پھر یہ رواج قائم کس طرح ہوگیا؟ اگر حدیث کی کتابوں میں ذکر نہیں ہے تو بقول آں محترم کے "عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں" تو پھر یہ قل، عرس، چہارم، چہلم، مولود، قیام اور قبروں پر سجدہ اور چادر میدہ کا چڑھاوا، درگاہوں پر منتیں یہ سب کی سب بدعات و مخترعات عین سنت ثابت ہو کر رہیں گے، اور اس کے ذمہ دار پھر معاف فرمائیے گا صرف آپ اور آپ جیسے بزرگان پاکستان ہی ہوں گے۔

مولانا میں بخدا سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اگر ٹھنڈے دل سے غلو سے الگ اور خالی الذہن ہو کر مقابلہ کریں گے تو ما علیہ اباؤنا اور ماکان علیہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنہم میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔

(تقویٰ اور ثواب)

نمبر ۲۰۔ جناب نے اسی صفحہ میں بڑے تعجب کے ساتھ اس طرح ایک پیرگراف شروع فرمایا ہے۔ "بکل شعرۃ حسنۃ پر عجیب نکتہ لکھا گیا ہے کہ خالی خون بہانے اور گوشت کھانے کا ثواب نہیں پہنچے گا۔ بلکہ تقویٰ پہنچے گا تو جب تک ایک شخص کا تقویٰ دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو، ثواب کیسے پہنچے گا؟ اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں' الخ" (میرے اس مضمون کو جو قرآنی تصریحات پر مبنی ہے جناب نے ایک نکتہ عجیبہ قرار دے کر اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا ہے)

قلتم۔ "نکتہ رس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تقویٰ صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ ہر عمل کے لئے شرط قبول ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔

اقول۔ یہ تو قربانی ہی کے متعلق وارد ہے مگر مورد کے خصوص کے باوجود عموم حکم میرے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

قلتم۔ اس دلیل کا تو حاصل یہ ہوا کہ کسی کی طرف سے حج بدل بھی صحیح نہ ہو۔

اقول ۔ بے شک حج بدل کو صحیح نہ ہونا چاہیئے، اور ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس کی روایتیں قرآنی نصوص صریحہ کے خلاف ہیں اسلئے ماخالفہ فہو رد کے مطابق واجب الرد ہیں۔ اور پھر درایتۃً بھی حج بدل کی کوئی روایت صحیح نہیں ٹھہرتی جس کی تفصیلی بحث میری کتاب القول الصواب فی ایصال الثواب میں درج ہے۔

قلتم ۔ کیونکہ قبولِ حج کے لئے تقویٰ شرط ہے اور وہ منتقل نہیں ہو سکتا، تو اس کا حج دوسرے کے کام نہ آئے گا۔

اقول ۔ بالکل صحیح ہے ہرگز کام نہ آئے گا۔

قلتم ۔ حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور ظاہر ہے کہ نیت بھی ہر شخص کے ساتھ ہے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی، تو دوسرے کی طرف سے کوئی عمل بھی صحیح نہ ہوگا، نہ زندے کی طرف سے نہ مردے کی طرف سے کیونکہ ایک کا تقویٰ ایک کی نیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی، نہ صدقہ مالیہ صحیح ہوگا نہ دعا پہنچے گی نہ حج بدل۔ (دعا کا انکار نہیں ہے)

اقول ۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے طنزیہ اور الزاماً فرمایا ہے۔ مگر واقعے کے اعتبار سے اس کی پوری عبارت کا ہر حرف صحیح ہے بجز ایک لفظ کے اور وہ "نہ دعا" کا لفظ ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ بھی صحیح ہے کہ مردے کے پاس جس طرح کسی عمل نیک کا ثواب جو کسی دوسرے نے اس کے لئے یا اس کی طرف سے کیا ہو، نہیں پہونچتا نہ وہ عمل پہونچتا ہے بالکل اسی طرح نہ کسی کی دعا کسی مردے کے پاس پہونچتی ہے، نہ دعا کا ثواب پہونچتا ہے۔ مگر اس اعتبار سے صحیح نہیں کہ اگر کوئی مسلم کسی دوسرے مسلم کے لئے دعائے رحمت و مغفرت و ترقی درجات آخرت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہے چاہے وہ مسلم مدعولہ مردہ ہو یا زندہ تو وہ دعا بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی امید قوی ہے جس طرح کسی زندہ کی بقائے صحت و شفائے مرض و ترقی دنیادی کے لئے دعا بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے اور اس کے مقبول ہونے کی امید کی جا سکتی ہے اگر اس قسم کی دعا کے بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کا انکار مقصود ہے۔ تو یہ انکار غلط ہے کیونکہ ایسی دعاؤں میں تقویٰ یا نیت کے انتقال کا ایک سے دوسرے کی طرف کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

قلتم ۔ اور زندہ مُردہ سب کے لئے یہی حکم ہوگا۔

اقول - بالکل صحیح ہے۔

قلتم - ولا قائل بہ۔

اقول۔ نعم قد قال بہ اللہ عزوجل فی کلامہ المبین وقد قال بہ الرسول الامین صلے اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وخیار امتہ اجمعین وان لم یقل بہ احد من الفقہاء والمحدثین۔ ولا حاجۃ لمسلم بعد اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الی احد فی شیئ من امور الدین۔

قلتم : آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عمل بغیر تقویٰ ونیت کے قبول نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ قبول کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اس کو پہنچے گا بھی یا نہیں، قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟

اقول۔ آں محترم کو اس کا تو اعتراف ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عمل بغیر تقویٰ کے قبول نہیں ہوتا (آیت میں صرف تقویٰ ہی کا ذکر ہے نیت کا ذکر تو حدیث میں ہے)۔ اور جناب کو اس سے بھی یقیناً انکار نہ ہوگا کہ تقویٰ منتقل نہیں ہو سکتا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ تقویٰ تو زید ہی کے پاس رہ جائے اور تقویٰ کا ثمرہ خالد کو مل جائے؟

(نیابت اور بدلیّت)

نمبر۴۔ "ایصال ثواب" یعنی ثواب پہنچانا جس کو بخشنا کہتے ہیں، چاہے وہ صدقہ، مالی کا ہو یا حج کا یا کسی کار خیر کا اس کا تو کوئی ثبوت کتب صحاح کی مرویات سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس وقت تک اس کا رواج نہیں ہوا تھا۔ ورنہ کچھ روایتیں اس کے متعلق بھی ضرور بن جاتیں۔ جتنی روایتیں بھی ان مجلدات میں ملتی ہیں ان میں نیابت اور بدلیّت کا مفہوم ظاہر کیا گیا ہے، یعنی حج زید نے کیا ہے خالد کی طرف سے خالد کی نیابت میں یا خالد کے بدلے میں۔ یہ تو ایصال ثواب ہی نہیں۔ مجازاً اس کو ایصال ثواب کہا جائے تو یہ اور بات ہے تو اب اس نیابت یا بدلیّت والے ایصال ثواب پر دونوں آیتوں کی روشنی میں نگاہ ڈالی جائے۔ ینالہ التقویٰ منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین۔ پہلی آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو کام تقویٰ سے خالی ہو وہ قبول ہی نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا کوئی ثواب

---

[1] یعنی اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ (ترجمہ) ہاں۔ اللہ تعالیٰ تو اس کا قائل ہے اپنے کلام مبین (قرآن مجید) میں اور رسول امین صلے اللہ علیہ وسلم اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ فقہاء و محدثین میں سے کسی نے بھی نہ کہا ہو۔ دین کی باتوں میں کسی مسلمان کے لئے اللہ و رسول کے قول کے بعد کسی دوسرے کے قول کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔

ہی نہیں ملتا۔ دوسری آیت یہ بتا رہی ہے کہ انہی لوگوں کا عمل قبول ہوتا ہے جو متقی ہیں، یعنی انہیں کو ان کے عمل کا ثواب ملتا ہے جو متقی ہوں۔ ان دونوں آیتوں کے مفہوموں کے ملانے کے بعد یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر عمل کا تقویٰ کے زیر اثر ہونا ضروری ہے جب تک تقویٰ کے زیر اثر نہ ہو اس عمل کا کوئی ثواب نہیں۔ گویا اس عمل والے کا تقویٰ بارگاہ الٰہی میں پہنچ کر اس عمل کا ثواب اس کو دلوائے گا۔ اور اسی کو دلوائے گا جس کی طرف سے قبول ہوا ہے اور قبول ہوتا ہے تقویٰ۔ اور جس عمل کا جو تقویٰ قبول ہوا وہی تقویٰ اسی عمل کا اس کو ثواب دلوائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جس نے عید الاضحیہ کی نماز تو بڑے خشوع اور خضوع اور تقویٰ کے ساتھ پڑھی تھی مگر اس کی قربانی تقویٰ سے بالکل خالی تھی۔ پھر بھی نماز والا تقویٰ اس کی قربانی کو بھی قبول کرا دے۔ ہر عمل نیک کا تقویٰ اسی عمل سے وابستہ ہے تو جس نے دوسرے کی طرف سے حج کیا تقویٰ کے ساتھ کیا یا بغیر تقویٰ کے؟ بصورت دوم تو مقبول ہی نہ ہوگا، اور جب مقبول ہی نہ ہوگا تو پھر ثواب کیا؟ بصورت اوّل وہ حج والا تقویٰ اسی کو اس حج کا ثواب دلوائے گا جس کے پاس سے یہ تقویٰ بارگاہ الٰہی میں پہنچا ہے کسی دوسرے کو نہیں دلوا سکتا۔ اور چونکہ دوسرے میں اس عمل والا تقویٰ نہیں ہے، اس لئے دوسرے سے اللہ تعالیٰ قبول بھی نہیں فرمائے گا کیونکہ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اگر آپ فرمائیں کہ جس نے تقویٰ کے ساتھ حج کیا، اور اس کے حج والے تقویٰ کی وجہ سے اس کا حج قبول ہو گیا اور اس کو اس حج کا ثواب مل گیا، تو اب یہ اس ثواب کو دوسرے کی نذر کر دینا چاہتا ہے دوسرے کو دے دینا چاہتا ہے۔ تو اوّل تو یہ کہ اس طرح ثواب نذر کرنے اور دینے کی کوئی روایت تک صحاح میں نہیں قرآن کی آیت کیا مل سکتی ہے۔ دوم یہ کہ اس طرح بزعم خود اللہ کو دھوکہ دے کر اس کے قائم کئے ہوئے اصول توڑ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ اسی کو ثواب کسی عمل کا دینا چاہتا ہے جس کے پاس اس عمل والا تقویٰ ہو اور آپ چاہتے ہیں کہ جس کے پاس اس عمل کا تقویٰ نہ ہو ہم اس کو اس عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ سے دلوا دیں۔ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔

نمبر ۱۳۔ جناب نے پوچھا ہے کہ "قبول کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اس کو پہنچے گا یہ بھی قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟" جواباً عرض ہے کہ قرآن نے کیا یہ بتلایا ہے کہ قبول کے بعد اگر کسی نیک عمل کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچا دے تو پہنچ جائے گا۔ [illegible] قرآن نے بتا دیا ہے کہ ہر شخص کو

خود اس کی سعی کام آئے گی۔ قرآن نے بتا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔ قرآن نے بتا دیا ہے کہ من عمل صالحاً فلنفسہ اس لئے کوئی شخص اپنے عمل نیک کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچا سکتا۔ لنفسہ کا لفظ جو حصر کے ساتھ ہے بتا رہا ہے کہ لغیرہ نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳۲۔ جناب نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اور حدیث نے بتلا دیا ہے کہ ثواب منتقل ہو سکتا ہے اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔

مولانا! اس حدیث نے انتقالِ ثواب کو کہاں ثابت کیا؟ صدقہ جاریہ خود اس کا اپنا عمل ہے مسجد بنانے والے تک نمازیوں کی نمازوں کا ثواب منتقل ہو کر نہیں پہنچتا، شاگرد دینی خدمت انجام دے رہا ہو تو اس شاگرد کی ان خدمتوں کا ثواب منتقل ہو کر استاد تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث نے تو انتقالِ ثواب کے خرمنِ اُمید کو بالکل جلا کر خاک کر دیا۔ اس حصر کے بعد تو حج بدل وصدقات مالیہ عن المیت وغیرہ سب ختم ہو گئے۔ بلکہ یہ حدیث تو صاف بتا رہی ہے کہ اس میت ہی کے ان تین عمل کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے کیونکہ انقطع عملہ سے استثناء ہے اس لئے مستثنیات کے متعلق اس حدیث سے مالا ینقطع من عملہ ثابت ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف اعمالِ میت کے سلسلے کے انقطاع وعدم انقطاع کا ذکر ہے نہ کہ ثوابِ عملِ غیر کا۔ اس حدیث سے عملِ غیر کے ثواب کا میت تک پہنچنا تو بدرجۂ ادنیٰ ناممکن ثابت ہو رہا ہے مگر تعجب ہے کہ لوگ اس کو ایصالِ ثواب کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں۔

نمبر ۳۳۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "تو کیا جس حدیث میں لفظ اوصانی یا اوصانا آجائے اس سے صحابی کا وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ثابت ہو گا؟

عرض یہ ہے کہ کسی صحابی نے اپنے وصی رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضؓ کو وصی رسول ہونے کا دعویٰ تھا اور تمام شیعوں کا یہ ایمان ہے کہ حضرت علی رضؓ وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لئے جس حدیث کے راوی شیعے ہوں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت علی رضؓ کو کسی بات کے بطور وصیت کہنے کا ذکر ہو تو یہ ضرور سمجھا جائے گا کہ یہ حدیث حضرت علی رضؓ کو وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے کے لئے ان شیعے راویوں

سے گھڑی ہے مگر کسی اور صحابی یا جماعت صحابہ کے متعلق اگر وصیت کا لفظ کسی حدیث میں ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف وصیت کے لفظ سے وہ صحابی یا جماعت وصی سمجھی جائے اور وہ حدیث صرف اس وجہ سے موضوع قرار دی جائے۔ آں محترم خود عجیب وغریب استدلال پیش فرماتے ہیں، اور میرے واضح استدلال کو عجیب بتاتے ہیں۔ تعجب ہے۔

نمبر ۴۳۔ جناب فرماتے ہیں "حضرت علیؓ کی حدیث مذکور ابوداؤد اور ترمذی میں آپ کے اقرار سے موجود ہے۔ ان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی ہے۔ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے ابوداؤد نے سکوت کیا ہے اس لئے یہ حدیث غریب حسن سے کم نہیں"۔

جناب نے بھی اپنے تمہیدی مقدمات کا حوالہ دیا ہے۔ میں بھی اپنے تمہیدی مقدمات کا حوالہ دیتا ہوں کہ میں اس کا جواب عرض کر چکا ہوں۔ جب بخاری ومسلم موضوعات سے خالی نہیں تو ترمذی و ابوداؤد کا کیا ذکر ہے۔

یہ کہنا کہ ان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی ہے۔ عجیب بات فرمائی گئی ہے کیا ابن ماجہ نے جو دو ایک موضوع حدیث بقول آپ کے لی ہے تو جان بوجھ کے؟ یا جامعین حدیث کسی موضوع حدیث کو موضوع جان کر بغیر موضوع بتائے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھ دیا کرتے تھے؟ اگر ایسا کسی نے کیا ہے تو وہ محدث نہیں ہے بلکہ وضاعین وکذابین کا ایجنٹ ہے۔ اور چور کا بھائی گرہ کٹ ہے۔ ان بزرگوں کی کتابوں میں جو موضوع حدیثیں آگئی ہیں وہ نادانستہ آگئیں۔ ہرگز اُن کو وہ موضوع نہ سمجھ سکے۔ یا کسی وضاع وکذاب ملحد شاگرد یا وراق یا کاتب نے ان کے مجموعۂ احادیث میں ان کے آخر وقت میں یا ان کی وفات کے بعد داخل کر دیں۔ جب کہ ایک جماعت کا یہی کام تھا۔ میری ایک کتاب ہے اَلْبُرَاغیث فی الوراقین وکُتّابِ الاحادیث۔ اس میں کم وبیش ڈیڑھ سو کاتبین ووراقین کے مختصر حالات قلمبند ہیں جن میں اکثر اسی قسم کے تھے۔ یہ کتاب قلمی ہے چھپی نہیں ہے۔ اور اس میں ایک حرف بھی اپنا نہیں ہے۔ جو کچھ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے میں نے نقل کر دیا ہے وہ کتاب القول الصواب فی مسئلۃ ابصال الثواب بھی قلمی ہی ہے جس کی متعدد نقلیں لوگوں نے لیں یہ کتاب مولانا منظور نعمانی ایڈیٹر الفرقان کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس لئے ان کی ایک نقل ان کی خدمت میں بھی بھیج دی گئی تھی۔ میں اپنے قلمی مسودے نقل نہیں دیتا [illegible]

فرمائیں تو مطلوبہ کے خط اور اس کے وصول ہونے کے بعد دستخطی رسید موجودہ مدہ وعدہ واپسی جلد از جلد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے لئے بھیج سکتا ہوں۔

مستدرک حاکم

نمبر ۳۵۔ ابو عبداللہ الحاکم ابن البیع صاحب المستدرک کے بارے میں آپ امام ذہبی کی توثیق نقل فرماتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے مستدرک کی تلخیص فرمائی ہے۔ یہ تلخیص مستدرک کا مسئلہ بہت اہم ہے اس کو سردست چھوڑیئے۔ کام ہے امام ذہبی سے، تو دیکھئے وہ اپنی کتاب الضعفاء لعلہ میزان الاعتدال میں اور پھر ابن حجر لسان المیزان میں خود کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ امام ذہبی میزان الاعتدال نمبر ۳ صفحہ میں لکھتے ہیں "الحاکم ابو عبداللہ الحافظ صاحب التصانیف امام صدوق لکنہ یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطۃ ویکثر من ذلک فما ادری اخفیت علیہ فما هو ممن یجهل ذلک وان علم فهذہ خیانۃ عظیمۃ ثم هو شیعی مشهور بذلک" اتنا لکھ کر امام ذہبی لکھتے ہیں اور ابن حجر بھی اس کو نقل فرماتے ہیں کہ من غیر تعرض للشیخین مگر یہ نہیں سمجھے کہ وہ جس ماحول میں تھے اگر ایک لفظ بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں نامناسب استعمال کرتے تو معلوم نہیں ان کے سر مبارک کا کیا حال ہوتا۔ اور پھر ان کی کتاب دیکھتا ہی کون؟ اس لئے عدم تعرض للشیخین سے ان کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ آگے چلئے امام ذہبی لکھتے ہیں وقد قال ابن طاهر سألت ابا اسمعیل عبداللہ الانصاری عن الحاکم ابی عبداللہ فقال امام فی الحدیث رافضی خبیث۔ اتنا لکھ کر امام ذہبی لکھتے ہیں۔ قلت اللہ یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی مگر ابن طاہر اور ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاری کون تھے؟ اس کو بھی خود امام ذہبی ہی کی زبان قلم سے سن لیجئے۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳۵۴ سے صفحہ ۳۶۰ تک شیخ الاسلام الحافظ الامام الزاہد ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری کا ترجمہ اور ان کے فضائل و مناقب کی تفصیل موجود ہے کوئی ہلکی سی جرح بھی کسی نے نہیں کی ہے نہ کسی نے کبھی ان پر خارجی یا ناصبی یا اباضی ہونے کا وہم بھی کیا۔ اور ان کے شاگرد رشید محمد بن طاہر کا ترجمہ وہی امام ذہبی میزان جلد ۳ صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے صوفی تھے تصوف کے غلو میں مسلک سنت سے کچھ کھسکے ہوئے ضرور تھے جیسا کہ اکثر قدمائے صوفیہ کا حال رہا ہے مگر امام ذہبی انہیں صدوق فی نفسہ ولہ حفظ ورحلۃ واسعۃ لکھتے ہیں اور پھر تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۷ سے صفحہ ۴۱ تک تفصیل کے

ساتھ ان کے فضائل و مناقب ارقام فرماتے ہیں۔ شروع ہی اس طرح کرتے ہیں۔ محمد بن طاہر [صفحہ ۹۳]
بن علی الحافظ العالم الجوال۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ قال السمعانی سألت ابا الحسن
الکرخی الفقیہ عن ابن طاہر فقال ما کان علیٰ وجہ الارض له نظیر۔ وقال ابوزکریا بن مندہ
کان ابن طاہر احد الحفاظ حسن الاعتقاد جمیل الطریقۃ صدوقا عالما بالصحیح والسقیم
کثیر التصانیف لازما للاثر وغیر ذلک۔ البتہ ان کے صوفیانہ غلو کی وجہ سے ان کی روایت کو محدثین
ضعیف قرار دیتے ہیں بہرحال یہ خارجی یا ناصبی نہ تھے۔ اس لئے ابن طاہر کی یہ روایت کہ انہوں
نے شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ الانصاری سے ابو عبداللہ الحاکم صاحب مستدرک کے بارے میں
جو پوچھا تو شیخ الاسلام نے کہا کہ وہ امام الحدیث تو ہے مگر رافضی خبیث ہے۔ یہ کسی نصب و
خروج کی بنیاد پر نہ تھا اور نہ معاصرانہ چشمک کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ شیخ الاسلام نے ہرچند حاکم کا وقت
ضرور پایا تھا مگر حاکم کی وفات کے وقت شیخ الاسلام آٹھ نو برس سے زیادہ کی عمر نہیں رکھتے تھے۔ اس
لئے معاصرانہ چشمک نہیں ہوسکتی ہے البتہ شیخ الاسلام نے حاکم کے دیکھنے والوں کو ان کے تلامذہ کو
ان کی تصنیفات کو ضرور دیکھا ہوگا اور بہت قریب سے دیکھا ہوگا اس لئے ان پر حاکم کی صحیح کیفیت
منکشف ہوگئی۔ بخلاف امام ذہبی کے، جن کی پیدائش ابو عبداللہ الحاکم کی وفات کے دو سو اڑسٹھ [۲۶۸]
برس کے بعد ہوئی تھی جنہوں نے حاکم کے دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی نہیں دیکھی تھیں اتنی دور سے یہ
حاکم کی صحیح حقیقت کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ اور خود امام ذہبی کے بیان میں جو تضاد ہے وہ
صاف بتا رہا ہے کہ یہ حاکم کی حقیقت کو کسی قدر سمجھتے تھے جیسا کہ خود شروع ترجمہ میں لکھ گئے ہیں [صفحہ ۹۵]
لکنہ یصحح فی المستدرک احادیث ساقطۃ **ویکثر من ذلک** فما ادری اُخفیت علیہ؟ فما ھو
ممن یجھل ذلک۔ وان علم فھذہ خیانۃ عظیمۃ۔ دو صورتیں بیان کیں۔ اُخفیت علیہ؟
اس صورت کی یہیں پر تردید خود ہی کردی، کہ فما ھو ممن یجھل ذلک اس لئے خفیت علیہ والی صورت
باقی نہ رہی تو لامحالہ وہی صورت باقی رہی جس کو انہوں نے خود فھذہ خیانۃ عظیمۃ فرمایا۔ اور پھر
حاکم کے خوان عظیم ہونے کی وجہ خود وہیں لکھ دی کہ ثم ھو شیعی مشھور بذلک یعنی ابو عبداللہ الحاکم [صفحہ ۹۵]
ایک مشہور شیعے تھے اور شیعوں کی خیانت قرآن و حدیث کے متعلق بھی مشہور و معروف ہے اس لئے
ان سے یہ خیانت عظیمہ کوئی بعید اور غیر متوقع بات نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل

عبداللہ الانصاری جیسے مشہور و معروف امام حدیث کا قول ان کے بارے میں خود ہی نقل کر دیا کہ انہوں نے حاکم کو امام حدیث کہنے کے باوجود **رافضی خبیث** کہا۔ اس کے بعد پھر جو صفائی پیش کی کہ ھا الرجل برافضی بل شیعی۔ اس کی کیا حیثیت رہی۔ جناب والا خود ہی انصاف سے فرمائیں۔ امام ذہبی تو لکھتے ہیں کہ اللہ یحب الانصاف۔ اگر امام ذہبی زندہ ہوتے تو میں انہیں سے پوچھتا کہ برائے خدا بیان فرمائیے کہ انصاف آپ ہی کی تصریحات کی بدولت میرے ساتھ ہے یا آپ کے ساتھ؟ امام ذہبی نہیں ہیں تو آں محترم خود انصاف کے ساتھ ان کی طرف سے اس کا جواب دیں۔

شیعہ اور رافضی کا فرق

تحریر بہت طویل ہو چکی ہے اور ابھی بعض ہم باتوں کے بارے میں لکھنا باقی ہے اس لئے رافضی اور شیعے کے فرق پر سر دست کچھ عرض کرنے کی اس کے سوا ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ فرق بھی شیعوں ہی کا نکالا ہوا ہے تاکہ وہ اپنی من گھڑت روایتوں کو کسی طرح ہلکے پھلکے شیعے بن کر شیخین رضی اللہ عنہما کے مناقب و فضائل ہی بیان کر کے، بلکہ کچھ حضرت عثمانؓ کے مناقب بھی پیش کر کے، سینوں میں پھیلا سکیں شیعوں کی اس چال کو محدثین اہل سنت نہ سمجھ سکے، اور انہوں نے بھی شیعوں کو قابل وثوق سمجھ لیا اور کسی کے بارے میں لکھ دیا کہ فیہ تشیع یسیر، کسی کے متعلق لکھ دیا کہ فیہ تشیّع لا یضرّ وغیر ذلک۔ مگر افسوس کہ محدثین اہل سنت نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کی روایتوں کے شہد میں کس قسم کا زہر ملا ہوا ہے؟

مولانا! آپ فرمائیں گے کہ اگلے محدثین کو تو ان کے شہد میں زہر نظر نہ آیا، اور تجھ کو نظر آ گیا؟ تو میں عرض کروں گا کہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ط واللہ ذو الفضل العظیم۔ چالیس برس سے جس کا صرف یہی ایک کام ہو، جو بجودہ برس تک درس و تدریس کا مسلسل مشغلہ جاری رکھنے کے بعد صرف قرآن و حدیث ہی کے غور و خوض میں اپنا سارا وقت صرف کرتا رہا ہو، اور جس کا غور و خوض کسی فرقہ وارانہ ذہنیت یا اجداد پرستی یا پیر پرستی وغیرہ کے ماتحت نہ ہو بلکہ صرف حق کی تلاش میں ہو۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ساتھ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کا وعدہ پورا نہ فرمائے۔ اتنا محض تحدیث نعمت توفیق کی حیثیت سے عرض کیا ہے ولا فخر اعوذ باللہ من شرور نفسی و من سیئات اعمالی واستغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ بات یہ ہے کہ بعض زہر ایسے ہوتے ہیں جن کی سمیت آہستہ آہستہ اپنا کام کرتی ہے یہاں تک کہ وہ مسموم جب بہت کافی متاثر ہو جاتا ہے تو اس وقت حذاق کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو فلاں وقت میں زہر دیا گیا تھا۔

آج جن روایات کی بناء پر جسم اسلام مسموم ہو رہا ہے اہل حذاقت ہی اس کو محسوس کر رہے ہیں۔

نمبر ۲۶۔ **شریک بن عبداللہ الکوفی الشیعی** کو آپ نے صحیح بخاری کا راوی ثابت کرنے کی جو کوشش فرمائی ہے اور صحیح بخاری کے صفحات کے حوالے بھی نقل فرمائے ہیں۔ اور پھر رجال بخاری میں اس کے ذکر کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور صرف امام بخاری ہی کا شیخ اس کوفی شیعی کو نہیں قرار دیا بلکہ امام دار الہجرہ حضرت مالک بن انس کا بھی اس کو شیخ بنا ڈالا! العظمۃ اللہ! کہاں ایک شیعہ کوفی، کہاں یک امام اہل مدینہ افسوس ہے کہ جناب محترم نے کوفہ و مدینہ کا فرق بھی محسوس فرمانے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ میں باآواز بلند پکار کر کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا محدث کسی حدیث صحیح بخاری یا امام کی کسی حدیث کے سلسلۂ اسناد میں اس کوفی شیعی یعنی شریک بن عبداللہ کا نام نہیں دکھا سکتا۔ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا۔ ہاں امام بخاری نے اپنی بعض تعلیقات میں کہیں کہیں اس کا ذکر کر دیا ہے جیسا کہ بعض آئمہ رجال نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور امام مسلم نے بھی بشرط متابعت ہی اس کی حدیث لی ہے۔ بغیر متابعت نہیں لی ہے اور امام مالک سے اور اس سے کیا واسطہ؟

اخانا المکرم و مولانا المحترم مجھ کو سخت تعجب ہے کہ آپ جیسا محدث فقیہ ایسی فاحش غلطیات کا اتنی دلیری کے ساتھ دعویٰ کر جائے! اور کتاب کے ایک نہیں متعدد حوالے بقید صفحات نقل کر دے!

اتنا عرض کرنے کی جرأت محض برادرانہ خلوص کی بناء پر ہوئی۔ جناب والا اپنے پیش کردہ مقامات پر پھر دوبارہ نظر فرمالیں۔ نظر کی چوک سے ایسی غلطی ہو سکتی ہے۔ ابن حجر جیسے امام الآئمہ سے رجال کے متعلق غلطی ہوئی ہے اور نہایت فاحش غلطی ہوئی ہے۔ حوالہ تک غلط دیا۔ اس طرح کے چوک سے آپ کے علم و فضل پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اور آپ کی محبت آپ کا احترام جو میرے دل میں ہے اس میں کمی نہیں آسکتی۔ اور جناب سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ مجھ کو اپنا ایک چھوٹا بھائی ہی سمجھیں گے، اور اپنے لطف و کرم سے مجھے محروم نہ ہونے دیں گے۔

تو عرض یہ ہے کہ شریک کی وجہ سے غلط فہمی کی بناء پر جو اہمیت اس حدیث موضوع کی سمجھ لی گئی ہے وہ صحیح نہیں۔ ترمذی کی حدیث سے جو یہ پتا ملتا ہے کہ غرابت کا مدار شریک ہی پر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریک سے اوپر جتنے راوی ہیں وہ سب ثقہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ تفرد بہ شریک۔ بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ لا نعرفہ الا من شریک۔ چونکہ ان کے شیخ

شریک ہی سے حُسن کے روایت کر رہے ہیں۔ ابوالحسناء ہزار نا قابلِ اعتبار سہی، جس سے دنیائے احادیث میں صرف یہی ایک حدیث مروی ملتی ہے، اور جس کا نام بحیثیت راوی صرف اسی حدیث کے اسناد میں ملتا ہے، اگر شریک اس سے روایت نہ کرتے تو کوئی اس حدیث کو پوچھتا بھی نہیں۔ شریک ایک متعارف شخص تھے اگرچہ ان کی روایت اکابر محدثین کے نزدیک سَنَد و حجت نہ تھی مگر متوسطین ان سے حدیثیں لیتے تھے۔ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ کی حیثیت سے۔ اس لئے اس حدیث کی معرفت ایک حدیث کی حیثیت سے صرف شریک ہی کی بدولت ترمذی کو یا دوسروں کو بھی ہوئی۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس حدیث میں غرابت صرف شریک ہی غریب کی وجہ سے آئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ہے تو ابوالحسناء کی وجہ سے غریب مگر ہم لوگ اس کو جانتے ہیں شریک کی وجہ سے۔ اور اس کی دلیل، کہ غریب ہے ابوالحسناء کی وجہ سے، یہی ہے کہ ابوالحسناء خود اس حدیث سے زیادہ غریب ہے، کیونکہ شریک نے ابوالحسناء کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، اور اس حدیث کے اسناد سے باہر اس شخص کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں کسی حیثیت سے اس کی صلاحیت نہیں (خصوصًا اس کے مضمون اور اس کے رُوات کے جان پہچان لینے کے بعد کہ) کوئی صاحب انصاف جو اتباع آباؤ اجداد میں غلو نہ رکھتا ہو کبھی اس کو اس قابل بھی سمجھ سکے کہ اس کی نسبت حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی طرف صحیح ہونے کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے۔

نمبر۳۔ "بفرض محال" ہی کہکر سہی کسی موضوع حدیث کو صحیح ماننے کا، کسی آیت کے غلط مطلب کو صحیح تسلیم کر لینے کا میں قائل نہیں۔ میں اس کو بھی ایک شیطانی دھوکہ سمجھتا ہوں اسی لئے میں نے اپنے جواب میں یہ پہلو نہیں اختیار کیا تھا۔ مگر مولانا خیری سلمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے جواب الجواب میں اس پہلو کو بھی لکھ دیا کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ ایک حکم خصوصی حضرت علی رضؓ کو تھا، اور وہ بھی خاص تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے لئے۔ اگر عام حکم ہوتا تو دوسرے صحابہؓ بھی ضرور کرتے اور حضرت علی رضؓ اور دوسرے صحابہ رضؓ کی وفات کے بعد ان کے ورثاء بھی ان کے لئے قربانی کرتے۔ اسی طرح اگر مان بھی لیا جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ہر زندہ و مردہ بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان کی طرف سے قربانی کی تھی تو یہ مخصوص ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے۔ ورنہ خلفائے راشدین بھی ایسا ضرور کرتے، اور دوسرے صحابہ رضؓ بھی کرتے۔ کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے ی

مردے کی طرف سے کبھی قربانی دی ہو۔ اس لئے اگر یہ حضرت علی رضؓ والی روایت صحیح ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا تمام امت کی طرف سے قربانی کر نے کا یہی مطلب اگر صحیح ہے کہ آپ نے مُردوں کی طرف سے بھی قربانی کی تو ان دونوں کا تعلق خصوصیات نبویہ سے ہے۔ دوسرے کو اس کا حق نہیں۔

جناب والا نے ایسے زبردست استدلال کا جواب و رف یہی دیا کہ "بہت ہی عجیب ہے! - یہ قیاس کی کون سی قسم ہے؟ اور تخصیص کی کیا دلیل ہے؟" ا ن کے متعلق ا ی قدر گذارش ہے کہ تعجب کا جواب تعجب ہی سے دیا جا سکتا ہے کہ ایسی بدیہی بات کے متع لق قیاس اور دلیل کا سوال فرمایا جا رہا ہے۔ قیاس کی قسم پوچھی گئی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ قیاس منطقی ہے اور شکل اول سے ثابت ہے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک خالص دینی بحث کو منطقی زو رآزمائی کا اکھاڑا بنایا جائے، اسی لئے اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں، اگر ارشاد ہو گا تو اس کے ہر پہلو کی شکل اوّل قائم کر کے پیش کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

(ا) صرف حضرت علی رضؓ کو (بقول شریک) حکم یا وصیت جس کی دوسروں کو اطلاع بھی نہیں ورنہ حضرت علی رضؓ کے سوا کوئی ایک اور شخص بھی تو اس کی روایت ک رتا۔ اس حکم یا وصیت میں بھی کسی دوسرے کی شرکت نہیں بصیغۂ واحد متکلم امرنی اور اوصانی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ کے سوا کسی دوسرے صحابی کا فعل بھی ثابت نہیں، پھر بھی اس ماموریت میں حضرت علی رضؓ کی خصوصیت نہ سمجھی جائے تو تعجب ہی تعجب،

(ب)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صرف اپنے ہی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کی، کسی دوسرے مردہ کی طرف سے قربانی کو نہیں کہا۔ حضرت علی رضؓ نے صرف رس ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے وصیت ادا کرتے ہوئے قربانی کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی۔ نہ اپنے لئے اپنے بعد قربانی کرنے کی وصیت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو فرمائی پھر بھی بعد وفات قربانی کئے جانے کی خصوصیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تسلیم نہ کی جائے تو تعجب بالائے تعجب ہے۔

(ج) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی تمام اُمت کی طرف سے قربانی کی اور بقول متاخرین مُردوں کو بھی اس میں شامل فرمایا مگر آپ نے نہ امت کو اس کی وصیت کی کہ تم اخوانکم الذین سبقوکم بالایمان کی طرف سے بھی قربانی کیا کرو نہ خلفائے راشدین نے وفات نبویؐ کے بعد اس سنت پر عمل کیا بلکہ کسی صحابی نے ایسا نہ کیا تو اس کو مخصوص بذات نبوی کیوں نہ سمجھا جا ئے گا؟

(د) جو کام حکم و وصیت کی وجہ سے کیا جائے، اور وہی کرے جس کو وصیت کی گئی تھی۔ جس نے حکم و وصیت نہیں کی تھی اس کی طرف سے کبھی نہیں کی گئی جیسا کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضؓ کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی، اور نہ حسنین رضؓ نے کبھی حضرت علی رضؓ کی طرف سے قربانی کی، تو ایسا کام ضرور حکم اور وصیت کے ساتھ مخصوص ہوگا اور ایسی وصیت کا حق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص سمجھا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے قرون مشہود لہا بالخیر میں ایسی وصیت نہیں کی۔

(ہ) ایسا حکم یا ایسی وصیت خود حضرت علی رضؓ نے حضرات حسنین رضؓ کو اپنے لئے نہیں کی نہ کبھی کسی صحابی نے اپنے لئے کی۔ اس لئے ایسا حکم اور ایسی وصیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص سمجھی جائے گی۔ کوئی دوسرا کسی کو ایسی وصیت نہیں کر سکتا۔

نمبر ۴۸۔ آں محترم نے آخر مراسلہ میں ایک نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں ایصال ثواب کے بعض پہلو یعنی صوم و صلوٰۃ عن المیت کا ذکر ہے جس پر میں بقدر ضرورت اوپر عرض کر چکا ہوں۔ ولا افادۃ فی الاعادۃ۔

عبدالرزاق بن ہمام

جب من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ کی متفق علیہ حدیث کہ بقول آپ ہی کے جمہور فقہاء نے نہیں مانا اور اکابر صحابہ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا کہ لَا یُصَلِّیَنَّ احدٌ عن احدٍ ولا یَصُوْمَنَّ احدٌ عن احدٍ۔ تو پھر وہ صحیحین کی متفق علیہ حدیث تو رد ہو گئی؟ باقی رہا اس میں یہ اضافہ کہ ولکن ان کنت فاعلا تصدقت عنہ او اھدیت یہ میاں عبدالرزاق صاحب کا اضافہ طبعزاد ہے اسی شریک والی حدیث کی کھوکھلی دیوار پر پشتہ لگانے کے لئے۔ کیونکہ یہ میاں عبدالرزاق صاحب بھی شیعے ہی ہیں۔ باوجود اس کے کہ محدثین میں ان کا کافی اثر و رسوخ ہے اور یحییٰ بن معین نے ان کے تشیع کا حال سن کر کہا کہ اگر یہ مرتد بھی ہو جائیں تو ہم ان کی حدیثیں ترک نہیں کریں گے۔ مگر خود ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سے ایسی باتیں سنیں جن سے ان کے تشیع کا پتہ چلا وغیر ذلک حضرت علی رضؓ اور ان کے اہل بیت کے فضائل میں بعض ایسی ایسی حدیثیں روایت کرتے تھے اور ان کی کتاب میں بھری ہیں جن کی کوئی متابعت نہیں ملتی اور پھر دوسروں کے مثالب میں بھی۔ امام نسائی جن پر خود قدرے تشیع کا الزام بعضوں نے لگایا ہے ان کے متعلق ان کا قول ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔ قال النسائی فیہ نظر لمن کتب عنہ باخرہ کتب عنہ احادیث مناکیر۔ آگے چل کے لکھتے ہیں کہ قال العباس العنبری لما قدم من صنعا تجشمت الی عبدالرزاق وانہ

تکذب و الواقدی اصدق منہ ۔ ابن حجر اتنا لکھ کر لکھتے ہیں کہ قرأت بخط الذھبی عقب ھذہ الحکایۃ ھذا شیئ ما وافق العباس علیہ مسلم۔
اس کے بعد ابن حجر امام ذہبی کا جواب گویا دیتے ہیں کہ ھذا اقدام علی الانکار بغیر تثبت فقد ذکر الاسمعیلی فی المدخل عن الفرھیانی انہ قال حدثنا عباس العنبری عن زید بن المبارک قال کان عبدالرزاق کذابا یسرق الحدیث ۔ میاں عبدالرزاق صاحب کا تو یہ عالم ہے باقی ان کی حدیث کا علے شرط مسلم ہونا کوئی بعید از عقل نہیں ۔ جبھی تو محدثین نے لکھ دیا ہے کہ کسی حدیث کا صحیح الاسناد ہونا اس کی صحت کے لئے کافی نہیں ، جو جماعت جھوٹی حدیثیں بنا سکتی ہے وہ جھوٹے اسناد نہیں جوڑ سکتی ؟ اور پھر جب ایسی کتابیں جو متداول تھیں ان میں ملاحدۂ عجم نے اپنی من گھڑت حدیثیں داخل کر دی ہیں تو غریب عبدالرزاق کے مصنف کو ان کے تصرفات سے کون بچا سکتا تھا ۔ جب امام احمد بن حنبل کے نام سے پوری مسند ہی چھ جلدوں والی منسوب کر دی گئی اس طرح مسند شافعی اور مسند امام اعظم وغیرہ تو اگر ایک مصنف عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے نام سے بھی منسوب کر دی گئی ہو تو کیا یہ کچھ بعید ہے ؟ مولانا ! شعبہ بن الحجاج نے سفیان ثوری سے کہا تھا کُلَّمَا تَقَدَّمْتُمْ فِی الْحَدِیْثِ تَاَخَّرْتُمْ عَنِ الْقُرْاٰنِ اصل قانونِ دین قرآن مبین ہے ۔ احادیث کی حیثیت نظائر کی ہے ۔ مگر افسوس کہ محدثین و فقہا نے قرآن کو بطور بدرقہ ساتھ رکھ لیا ہے مگر وہ دین کا منبع صرف احادیث ہی کو سمجھے ہیں اور پھر حدیثوں کے ساتھ ان کو اتنا غلو ہوا کہ متقدمین نے تو بقول ابن حجر کانا سمعوا شیئا علقوہ ۔ جو جس سے ملا لے لیا ۔ بعد والوں نے یہاں یہ شروع کی تو فرقہ بندی کے جذبے کے ماتحت اپنے مسلک کے مطابق ہر حدیث صحیح اور مخالف ہر حدیث غلط ۔ جہاں غلط نہ کہہ سکے وہاں اس کی تاویل اٹکل پچو کر دی جیسے مسلم و بخاری کی یہ حدیث جو ابھی آپ نے پیش کی میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی کہ اس کی تغلیط کر نہیں سکتے کہ صحیحین کا بھرم جاتا ہے تو لگے لایعنی تاویلیں کرنے ۔

مضمون بہت طویل ہو گیا ۔ جس کا افسوس ہے ۔ جو کچھ لکھا قلم برداشتہ لکھا ہے ۔ اتنا وقت کہاں کہ مسودہ کروں اور صاف کروں ۔ امید ہے کوئی کلمہ خلافِ شان قلم سے نکل گیا ہو تو اس کو معاف فرمایا جائے گا اور ذرا تحمل و سکون کے ساتھ خالی الذھن ہو کر اس کو پڑھا جائے گا ۔
ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و کفٰی باللہ شھیدا ھو ولی التوفیق و ربنا ھو

المستعان وعلیہ التکلان وھو حسبنا وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وازواجہ وصحبہ و خیار امتہ وبارک وسلم واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

آپ کا چھوٹا بھائی تمنا عمادی مجیبی پھلواری مہاجر غفرلہ
۳ فروری ۱۹۵۲ء آغا نواب کی ڈیوڑھی نمبر ۳
بی کے رائے لین ڈھاکہ

مکتوب ۱۳

مکرمی! مولانا تمنا صاحب! السلام مسنون۔

میں نے اپنے آخری خط میں چند مقدمات اسی غرض سے لکھے تھے کہ دیکھوں آپ کو مجھ سے اصولی اختلاف ہے یا فروعی۔ سو معلوم ہوگیا کہ آپ کو اصولی اختلاف ہے اس صورت میں تکرار تحریرات بیکار ہے اصولی اختلاف کے ساتھ فروع میں گفتگو لاحاصل۔ اور اصولی اختلاف کا فیصلہ تحریر سے نہیں ہوا کرتا بالمشافہ مکالمہ سے ہوتا ہے اس لئے میں جناب کی اس طویل تحریر کا جواب اطول یا مطول نہیں کرنا چاہتا۔ اگر جناب بالمشافہ گفتگو فرمانا چاہیں تو کوئی وقت مقرر فرمائیے اور چند علماء محققین کے سامنے زبانی باتیں ہو جائیں یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ علماء ہم دونوں کی باتیں سن کر حق و باطل کا فیصلہ فرما سکیں اس صورت میں آپ بھی کچھ علماء کے نام تجویز فرما کر بھیج دیں۔ میں بھی کچھ علماء کے نام تجویز کر کے آپ کو مطلع کر دوں گا اسی جلسہ میں بخاری شریف بھی سامنے رکھ دوں گا اور جن مقامات کا میں نے حوالہ دیا ہے دکھلا دوں گا کہ وہاں شریک کی روایات بخاری میں ہیں یا نہیں۔ بغیر دیکھے آپ کی بلند آہنگ پکار بیکار ہے دین کا معاملہ ہے اس میں بے فائدہ چیخ و پکار کی ضرورت نہیں۔ سلسلۂ مکاتبت کو بند کیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے آپ زبانی گفتگو نہ کرنا چاہیں اور اپنی آخری تحریر کا جواب تحریری ہی چاہیں تو گو میرے نزدیک غیر ضروری ہے مگر آپ کی زحمت و محنت پر نظر کر کے میں اس طویل تحریر کا مختصر جواب ارسال کر دوں گا۔

ظفر احمد عثمانی

(۵ فروری ۱۹۵۲ء)

مکتوب ۱۱۱ باسمہ تعالیٰ

مولانا المکرم! دامت برکاتکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نامہ گرامی مورخہ ۵ رفروری ۵۲ء سے سرفراز ہوا۔ جواباً عرض ہے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میرے آپ کے درمیان اصول دین میں کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن مبین کو آپ بھی کامل ومکمل ہی مانتے ہیں، ناقص نہیں سمجھتے ہیں۔ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سنت خلفائے راشدین رضی کو آپ بھی میری ہی طرح حجت فی الدین اور واجب الاتباع تسلیم کرتے ہیں۔

ہر حدیث کو غالباً آپ بھی سنت نہیں مانتے۔ کیونکہ سنت متروکہ یعنی ما ترکہ النبی صلے اللہ علیہ وسلّم بعد ما فعلہ بھی حدیث کی صورت میں مروی ہو سکتی ہے مگر وہ سنت واجب الاتباع نہیں ہے بلکہ اس کا ترک سنت ہے، اور ہر حدیث منسوب بہ رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کو آپ بھی صحیح نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ موضوعات کا ایک کافی ذخیرہ ہے جس کو وضاعین وکذابین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ آپ بھی امام مالک و امام بخاری و امام مسلم اور ان کے شیوخ وشیوخ الشیوخ کو معصوم نہیں مانتے اور نہ اس کے قائل ہیں کہ ان میں سے کسی کے پاس وحی بھی آتی تھی یا فرشتے آ آ کر ان کو صحیح وسقیم کی خبر دے دیتے تھے۔ آپ بھی احادیث مرویہ کو ظنیّ ہی جانتے ہوں گے۔

اس لئے ہمارے آپ کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ اصولی نہیں ہیں۔ درحقیقت فروعی ہی ہیں۔ میرے آپ کے درمیان یہ فرق ضرور ہے کہ آپ دائرہ تقلید کے اندر رہ کر گفتگو فرماتے ہیں، اور میں اس دائرے میں محصور رہنا گوارا نہیں کر سکتا۔ میں آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اتباع کرتا ہوں مگر بالبینات والذبر۔ یعنی ان کے دلائل کو سمجھ بوجھ کر۔ اور جس مسئلے میں پایہ تحقیق تک نہیں پہنچا ہوں میں اس میں سردست امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا اتباع کرتا ہوں چونکہ ان کے مسلک کو اقرب الی الحق پاتا ہوں۔ مگر بہرصورت کورانہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتا۔

بہرحال گذارش یہ ہے کہ میں زبانی کسی سے بھی دینی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ گفتگو نہیں کرتا، مگر یہ کہ اتفاقاً کسی صحبت میں کسی سے کوئی بات چھڑ جائے۔ ایسی حالت میں اگر بات سطے ہوتی نہیں دیکھی تو خاموشی اختیار کر لیتا ہوں کیونکہ زبانی گفتگو عموماً تلخی ہی پر ختم ہوا کرتی ہے اس لئے زبانی گفتگو سے تو مجبور ہوں، مجھ کو اس سے معاف رکھا جائے۔ تحریر ایک پائیدار چیز ہے، بار بار ہر شخص اس کو پڑھ

سکتا ہے، اور اپنے خیال پر نظرِ ثانی کر سکتا ہے۔

[illegible] ایک [illegible] زبانی [illegible] سے کچھ گفتگو چھڑ گئی تھی۔ مگر زبانی باتیں تھیں جو تلخی پر منتہی ہو کر رہیں، آخر میں اُٹھ کر چلا آیا۔ اور انہیں جو اصرار تھا کہ جمع محلّٰی بالف لام مفید استغراق ہی ہوا کرتا ہے، عہد کے لئے یا جنس کا الف لام جمع کے صیغوں پر نہیں آتا۔ اس کے جواب میں قرآن مبین سے چند مثالیں لکھ کر بھیج دیں۔ کچھ دنوں کے بعد جواب آیا، اور ایسا جواب جو میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر لکھا تھا کہ اس کا تحریری جواب آیا تو میں اس کی طرف مطلقاً التفات نہ کروں گا بس صرف زبانی ہی گفتگو ہونی چاہیئے فلاں فلاں کے سامنے۔ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ میرا ہمخیال یہاں کون ملے گا جو ہوگا وہ انہیں کا ہمنوا ہوگا۔ اور میں زبانی گفتگو نہیں کرتا۔ تحریر کی راہ انہوں نے بند ہی کر دی۔ تو پھر اس طرح ان کا جواب لاجواب ہو کر رہ گیا۔

غنیمت ہے کہ آنجناب نے تحریر کی راہ بند نہیں فرمائی۔ ورنہ آپ کی طرف سے بھی مجھ کو مایوس ہی ہو جانا پڑتا۔ جناب سے بھی یہی گذارش ہے کہ موجودہ علماء میں سے زیادہ تر وہی ہیں جو آپ کے ہمخیال ہیں۔ اور جو بعض کسی قدر آزاد خیال ہوں گے بھی تو میں یہ امید نہیں کرتا کہ وہ بدنامی کے خوف سے بھی آزاد ہوں گے۔ لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرنے والے آجکل کتنے ہیں؟ آپ خود سمجھ سکتے ہیں اور بالفرض ہوں بھی تو چونکہ بالمشافہ گفتگو ہمیشہ تلخی پر ختم ہوا کرتی ہے اس لئے میں اس کے لئے تیار نہیں کہ آپ جیسے بزرگ بھائی سے تلخی پیدا کر دوں۔ جب میں آپ کو بڑا بھائی سمجھ چکا تو سمجھتا رہوں گا اور آپ سے بھی بزرگانہ شفقت کا امیدوار رہوں گا۔ اختلاف رائے اپنی جگہ پر ہے اور آپس کی راہ و رسم محبت اپنی جگہ پر۔

آخر نامۂ گرامی میں وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر بالمشافہ گفتگو منظور نہ ہو تو اس طویل تحریر کا مختصر تحریری جواب ارسال کر دوں گا۔ تو مختصر ہو یا مطول، مگر تحریری ہی جواب مرحمت ہو۔ الکریم اذا وعد وفیٰ۔

صحیح بخاری کے صفحات کے ساتھ سلسلۂ اسناد جس میں شریک کا نام ہو ارقام فرما دیا جائے۔ اگر صفحہ کی گنتی کے ساتھ سطر کی گنتی بھی لکھ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

آخر میں پھر عرض ہے کہ ہمارا مراسلہ ہمارے اور میرے آپ کے تعلقات و رسم و راہ محبت پر نہیں پڑنا چاہیئے۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا چھوٹا بھائی تمنا عمادی غفرلہ
۶ر فروری ۵۲ء

مکتوب ۱۲

مکرمی مولانا تمنا دامت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اب بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ آپ کو مجھ سے فروعی نہیں بلکہ اصولی اختلاف ہے جس کی ایک وجہ کو تو آپ نے اس خط میں بھی تسلیم کر لیا ہے کہ آپ دائرہ تقلید میں محصور نہیں رہتے یعنی مجتہد بن کر کلام کرنا چاہتے ہیں تو پہلے مجھے یہ بتلا دیا جائے کہ آپ میں شرائط اجتہاد موجود بھی ہیں؟ معاف کیا جائے میرے نزدیک تو آپ مجتہدین کے کلام کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر آپ کو دعویٰ ہو تو اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سامنے مجتہدین کا کلام پیش کروں اور آپ اس کو حل فرما دیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہدایہ ہی کے بہت سے مقام ایسے ہیں جن کو آپ بغیر شروح کے امداد کے حل نہیں کر سکتے۔ امام محمد بن حسن رح کی جامع کبیر چھپ چکی ہے اس کے مقامات مشکلہ کا حل بھی ہم جیسوں اور آپ جیسوں کے بس کی بات نہیں۔ پھر دعویٰ اجتہاد کیا؟ علامہ سیوطی رح کو بوجہ علوم اسلامیہ میں کمال مہارت و حفظ احادیث و فقہیات کے گمان ہونے لگا تھا کہ میرے اندر اسباب اجتہاد موجود ہیں۔ علماء عصر نے اُن سے کہا کہ اور کچھ نہیں صرف قرآن و حدیث سے استنباط احکام کے اصول ہی اپنے اجتہاد سے بیان کر دیجئے اور مجتہدین سابقین کے اصول مدونہ سے مدد نہ لیجئے تو ہم آپ کو مجتہد مان لیں گے۔ اس کے جواب میں اُن کو ماننا پڑا کہ واقعی میں مجتہد بننے کے لائق نہیں ہوں پھر ہمارا اور آپ کا درجہ کیا ہے کہ اپنے کو چند کتابوں کے مطالعہ اور الٹا سیدھا ترجمہ و مطلب بیان کر کے مجتہد سمجھ لیں۔ ؎ تا زرا دوے کے بپایۂ پچو در رد۔ بقیہ وجوہ پر میرے اس اجمالی جواب سے روشنی پڑ جائے گی اُمید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل سے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر غور فرمائیں گے۔

"یہ سوال کہ میرے آپ کے درمیان، یہ مراسلات محض دوستانہ و مخلصانہ ہیں یا مناظرانہ" مشترک

سوال ہے۔ میرا تو مذاق یہ ہے ؎

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک دید کیں دلم از صلحہا ہم می رمد

اس کے بعد نمبر وار ہر نمبر کے متعلق کچھ عرض ہے۔

۱۔ الحمد للہ مجھے تو اپنے اکابر غایت درجہ متبع قرآن وسنت ہی نظر آئے بلکہ بحمداللہ اسی دور میں اُن کی خاک پا ہی کو پالوں تو میرے لئے سعادت عظمیٰ ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو ایسے اکابر میسر نہ آئے یا میسر آئے آپ نے ان کو نہ پہچانا اور اپنے کو اُن سے فوق جانا۔

۲۔ یہ قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت عربیہ جن کی پابندی آپ کے نزدیک فرض عین ہے محفوظ ہیں یا غیر محفوظ؟ ان میں تو وضاعین وکذابین اور ملحد تلامذہ کے الحاق و ادخال کا احتمال نہیں یا یہاں بھی کوئی احتمال ہے؟ اور ان کو محفوظ ماننے سے بھی قرآن کی صفت خصوصی پر حملہ ہوگا؟

۳۔ اصولِ فقہ قرآن و حدیث سے فہم مراد کا طریقہ بتلاتے ہیں جیسا قواعد عربیہ صحیح عربی بولنے اور لکھنے کا قاعدہ بتلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس طرح قواعد عربیت کو اہل لسان ہی جانتے ہیں اسی طرح قرآن وحدیث سے استنباط و فہم کے طرق بھی مسلم اہل لسان و اہل فقہ ہی جان سکتے ہیں اس کو دماغی پیداوار قرار دینا تحکم باطل کے سوا کچھ نہیں۔ رہا یہ کہ ان اصول میں اہل سنت کے نزدیک بعض باتوں میں اختلاف ہے تو ایسے اختلاف سے قواعد عربیت ہی کہاں معصوم ہیں وہاں بھی تو کوفیین بصریین وسیبویہ و اخفش وکسائی کا اختلاف موجود ہے تو پھر ان کو بھی دماغی پیداوار کہیئے کیا قرآن بدل گیا؟ یا اُس کی زبان بدل گئی؟ جو آج آئمہ اصول کے لئے طرق استنباط بدل جاتے؟ اگر آپ کی دیانت کسی ایسی بات کو باطل سمجھتی ہے جس کو آئمہ سلف نے صحیح کہا ہے تو آپ کو اپنی دیانت پر شبہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ کے پاس متقدمین علماء راسخین کے برابر نہ ذوق لسان عربی مبین ہے نہ اُن کی برابر شان نبوت کی معرفت ہے نہ اُن جیسا اخلاص، و ورع و تقویٰ ہے اور قرآن و حدیث کی فہم کے لئے سب سے زیادہ ان چیزوں کی ضرورت ہے، ان ہی سے علم حقیقی حاصل ہوتا ہے جس کے متعلق امام مالک کا ارشاد ہے۔ لیس العلم بکثرۃ الروایۃ وان العلم نور یضعہُ اللہ فی قلوب الرجال پہلے کوئی شخص ان آئمہ مجتہدین و محدثین کی برابر کام تو کرے پھر یہ بات زبان سے نکالے کہ میرے نزدیک اصول حدیث میں بھی کسی قدر محو و اثبات کی ضرورت ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں بھی صحیح حدیثوں کو قرآن مبین کی شرح سمجھتا ہوں۔ جس سے فہم قرآن کا حدیث صحیح پر موقوف ہونا معلوم ہوا۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث وہ ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ اس سے صحیح حدیث کا قرآن پر موقوف ہونا ثابت ہوا۔ یہ دور نہیں تو کیا ہے؟

پھر یہ صحیح شرح کی پہچان کیا ہے؟ کوئی شرح ہے یا نہیں؟ یا حدیث کے شارح آپ خود ہی ہیں کہ جس کو چاہیں قرآن کے موافق کہدیں جسے چاہیں خلاف کہدیں۔ اس کے لئے بھی تو کوئی اصول ہونا چاہیئے۔

۴۔ آپ نے عبارۃ النص و اقتضاء النص کو قطعی مان لیا مگر اشارۃ النص و دلالۃ النص کے بارہ میں کچھ نہیں فرمایا۔ ان دونوں نے کیا خطا کی تھی کیا فہم کلام میں ان کو دخل نہیں ہے؟

اور میں دعوی سے کہتا ہوں کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی بشرطیکہ موافقت اور مخالفت کا مدار اصول صحیحہ پر ہو محض آپ کی رائے پر نہ ہو۔

۵۔ اور قرآن میں قطعیت کہاں سے آئی؟ کیا صرف ہماری اور آپ کی خواہش اعتقادی سے یا تواتر نقل و حفظ و مشاہدے سے؟ شق ثانی پر اگر یہ تواتر حدیث میں بھی پائی جائے تو قطعی کیوں نہ ہوگی؟

۶۔ قرآنی سیاق و سباق سے حدیث کی مطابقت و موافقت کے لئے کوئی اصول بھی ہے یا محض آپ کی رائے ہی کافی ہے؟ تعامل صحابہ حدیث سے معلوم ہوگا یا کسی اور ذریعہ سے؟ اور تعامل صحابہ قطعی ہے یا ظنی؟

۷۔ اللہ تعالٰے نے جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد کلام نفسی ہے یا لفظی؟ شق ثانی پر ہر وہ چیز بھی محفوظ ماننا پڑے گی جس پر کلام لفظی کی حفاظت موقوف ہو۔ مثلاً طرق تلاوت و قواعد و تجوید و تصحیح الفاظ و قواعد رسم خط و قواعد نحو و صرف و اصول ادب و عربیت و بلاغت و قواعد استنباط معانی وغیرہ۔ و احادیث رسول جن کو آپ نے قرآن کی شرح مانا اور ان سے قطع نظر کرکے قرآن سے مسائل نکالنے کی کوشش کو الحاد و زندقہ و کفر صریح فرمایا ہے: بتلائیے ان چیزوں کی حفاظت کے بغیر قرآن بمعنی کلام لفظی کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ تو وعدۂ حفاظت قرآن میں ان سب اسباب کی حفاظت داخل ہے یا نہیں؟ پھر کیا ان کی حفاظت کو آپ قرآن مجید کی صفت خصوصی پر حملہ کہیں گے۔ یا اس کا تتمہ و تکملہ فرمائیں گے؟ ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

۸۔ اس کا جواب میری گذشتہ تحریر کے حرف ج اور د میں موجود ہے افسوس ہے کہ آپ غور نہیں

فرماتے صحیحین کی حدیثوں پر تلقی بالقبول کے ساتھ امت اسلامیہ کا متفق ہونا محدثین کو بھی مسلم ہے اور اور مورخین کو بھی (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون) میں ساری امت کو بے ایمان اور تنہا آپ کو ایماندار تسلیم کرنے سے معذور ہوں۔ (یہ بھی مجھ میں اور آپ میں اصولی اختلاف ہے)

۹۔ تعامل صحابہ تو حجت شرعی ہے اور اجماع صحابہ و تعامل امت کے بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ حدیث رسولؐ کیا وہ ہوگی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے کان میں کہہ دی ہو یا فرشتہ نے آپ سے بیان کی ہو؟ کیونکہ انسانوں میں تو کوئی ایسا نہ ملے گا جسے کسی نے بھی برا نہ کہا ہو۔ ھا منا احد الا راد أو مردود علیہ (بخاری) اور تو اور صحابہ میں بھی تو ایک دوسرے پر رد وکد موجود ہے۔

۱۰۔ جس کی آنکھیں بخاری ومسلم میں بھی موضوع حدیثیں دیکھ رہی ہیں وہ یقیناً بالغ نہیں بلکہ قاصر و نابالغ ہیں۔ (یہ بھی مجھ میں اور آپ میں اصولی اختلاف ہے)۔

۱۱۔ ترمذی میں موضوعات کی نشاندہی وہ کرسکتا ہے جو ترمذی کے درجہ کا محدث ہو ورنہ اسکی نشاندہی اسی پر ہوجایا کرے گی۔ ملاحظہ ہو تحریر سابق کا حرف ق۔

۱۲۔ یہ محدثین متاخرین کا قول نہیں خود ابوداؤد کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو حرف ق۔

۱۳۔ محدثین کے اصول تو مخترعہ ہوئے اور جناب کے اصول؟ پھر قرآن کی برابر قطعیت کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ امت کا قول مشہور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری خود اولیت اور بعدیت کو واضح کررہا ہے مگر آپ ہیں کہ خواہ مخواہ تسویہ اور مساوات کا الزام دھرتے ہیں۔

صحیح حدیث کا صحیح ہونا ویسا ہی ہے جیسا آپ کا مومن ومسلم ہونا اگر میں آپ کے ایمان واسلام پر قسم نہ کھا سکوں تو کیا آپ مومن ومسلم نہ ہوں گے؟ مولانا اگر شرعت کا مدار قسم پر رکھا جائے گا تو نہ کوئی مسلمان مسلمان ثابت ہوگا نہ حلال حلال۔

۱۴۔ اس کا جواب نمبر ۷ میں ملاحظہ ہو۔

۱۵۔ اس کا جواب بھی نمبر ۲ و نمبر ۴ میں گذر چکا ہے بالغ نظر کو احادیث صحیحین میں کوئی حدیث بھی معارض قرآن نظر نہیں آسکتی جس کو نظر آئے اس کی نظر بالغ نہیں۔

۱۶۔ حدیث کی صحت باقی رکھنے کے لیے قرآن میں کوئی عالم متدین تاویل نہیں کرتا نہ معلوم آپ نے کن لوگوں سے حدیث پڑھی ہے جو ایسی بے تکی تاویلیں تم سے نکل رہی ہیں۔

اگر آئمہ محدثین کی کتابوں میں جو اُن کے زمانہ سے اس وقت تک ہر زمانہ میں علماء کے درمیان متواتر و متداول چلی آرہی ہیں ملحد تلامذہ اور کاتبوں کے الحاد و ادخال کی تاویل کی جائے گی تو بد دینوں کو خصوصاً روافض کو قرآن میں بھی اس قسم کے احتمالات نکالنے کا موقع مِل جائے گا۔ ورنہ کم ازکم کتب لغت و قواعد عربیت میں تو ضرور موقع مل جائے گا۔ پھر آپ نہ صلوٰۃ کے معنی شرعی ثابت کر سکیں گے نہ زکوٰۃ اور صوم و حج و نکاح و طلاق وغیرہ کے۔ ایک ملحد کہدے گا کہ اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنی فہم کے موافق یہ معانی لکھ دیئے ہیں۔ میرے نزدیک اس کے معنی دوسرے ہیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟

۱۷۔ ان بزرگوں نے تو قلمی جولانیاں نہیں کی ہیں۔ امت کو علوم صحیحہ سے ہی روشناس کیا ہے ہاں آپ کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد — چوں نہ داری گرد بدخوئی مگرد

۱۸۔ شکر ہے آپ نے تسلیم کر لیا کہ روایتوں ہی کی مدد سے قرآنی مفہوم متعین ہو سکتا ہے تو پھر مسئلہ کو حدیث کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وفدینہ بذبح عظیم میں قربانی کا ذکر صراحتاً نہیں، قربانی ایام مخصوصہ میں ہوتی ہے قرآن میں ایام کا ذکر نہیں۔ اور فدیۂ جان عقیقہ کو بھی کہاجاتا ہے اس لئے احتمال ہے کہ قرآن میں فدیہ سے عقیقہ مراد ہو اور یہ بعد کی اصطلاح نہیں۔ عقیقہ۔ عتیرہ۔ اضحیہ بدی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے جن میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا بعض کو منسوخ کیا اور بعض میں اصلاحات کیں۔

۱۹۔ آپ کو تسلیم ہے کہ حدیث سنۃ ابیکم ابراھیم کی سند میں ایک رافضی کذاب اور ایک منکر الحدیث موجود ہے مگر یہاں آپ کو المکذوب قد یصدق کی بناء پر حدیث کو صحیح کہنے کی راہ مل گئی اور حدیث علی رضؓ بروایت شریک میں یہ راہ نہ ملی؟ رہا ایک کا قرآن کے موافق ہونا دوسری کا موافق نہ ہونا یہی تو مابہ النزاع ہے میں اُس حدیث کو خلاف قرآن سمجھتا ہوں جس کو آپ باوجود رافضی کذاب کی روایت کے صحیح فرما رہے ہیں۔ اگر موافقت و مخالفت قرآن کا مدار میری اور آپ کی رائے پر ہو گا تو بات کبھی ختم نہ ہوگی۔ ابن ماجہ کا داخل صحاح ہونا مختلف فیہ ہے اُس میں بعض موضوعات کا وجود مجھے تسلیم ہے جیسا تحریر سابق میں گذر چکا اور مسند احمد کا صحاح سے خارج ہونا ظاہر ہے۔

۲۰- اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث سنۃ ابیکم ابراھیم آیت قرآن کی شرح ہے کیا کسی صحابی نے اس کو وفدینہ بذبح عظیم کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟ قربانی کی سنت قدیمہ اور سنت ابراہیمیہ میں جو فرق بیان کیا گیا، محتاج دلیل ہے۔ ورنہ طبعزاد حاشیہ ہے۔

۲۱- مطلب یہ تھا کہ اگر قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سُنت ہے تو انہوں نے ایک ہی بار تو نہ کی ہو گی سنت کے لئے تو مواظبت شرط ہے اگر ایک دفعہ زندہ کی طرف سے کی تھی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ مُردوں کی طرف سے کبھی نہیں کی کیونکہ عدم ذکر ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں۔

۲۲- اگر آپ نے حدیث کو محض بدرقہ کے طور پر ذکر کیا ہے تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ وفدینہ بذبح عظیم سے کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اُس میں نہ ایام کا ذکر ہے نہ مہینہ کا تو قربانی کا ثبوت نہ ہوا۔ فدیہ کے لفظ سے عقیقہ کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ذابح فرشتہ ہو حضرت ابراہیمؑ نہ ہوں۔ خواب میں ذبح ولد کو دیکھنا بیداری میں ذبح حیوان کو مستلزم نہیں۔ ذبح عظیم کے لفظ سے حلال چوپایہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ عظیم الجثہ ہاتھی مراد ہو ہاں اگر یہ بھی مذکور ہوتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اُس کا گوشت کھایا تو حلال جانور کا ثبوت ہو جاتا اب فرمائیے حدیث بدرقہ رہی یا مدار مسئلہ وہی قرار پائی؟ اور سنداً اس کا جو حال ہے معلوم ہی ہے۔

۲۳- اس تمام تر تقریر کا ماحصل کچھ بھی نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ من لم یضح من امتی زندہ مردہ بے نمازیوں کو شامل ہے یا نہیں اسی طرح من لم یضح من امتی ہے ای من لم یضح وکان من شانہ ان یضحی فی حیاتہ۔ فرمائیے اب تقابل عدم ملکہ سے آپ کا مدعا کیونکر ثابت ہوا؟ من اٰمن بی وصدقنی من امتی میں لفظ من امتی بیکار نہیں کیونکہ اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو من امن بی وصدقنی ظاہراً مؤمنین موجودین فی عصر النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہو جاتا گو عموم کا احتمال بھی رہتا لفظ من امتی سے دوسرا احتمال قطع ہو گیا اور پوری امت کو شامل ہو گیا۔ لم یضح حرف مَن کے تحت میں ماضی نہیں رہتا کیونکہ نحاۃ کی تصریح ہے کہ اسماء موصولہ میں معنی شرط موجود ہیں اور ماضی تحت الشرط ماضی نہیں رہتی۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ وغیرہ بکثرت نظائر موجود ہیں۔

جب آپ ایک حدیث کو بلا سند لکھ کر حجت مان چکے تو اُسی حدیث کے دوسرے طرق کو ماننے سے

کیوں انکار ہے؟ پھر میں نے کتاب کا حوالہ دے دیا تھا جس سے حدیث کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

۲۴۔ (مکرر) میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن سے آپ کچھ ثابت نہیں کر سکے۔ حدیث سنۃ ابیکم ابراھیم کا آیت کی شرح ہونا محتاج دلیل ہے۔ دونوں کو ملا کر آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ محض طبعزاد مضمون ہے۔ ذبح عظیم میں اضحیہ پر کوئی دلیل نہیں اور فدیۂ جان سب سے زیادہ عقیقہ میں نمایاں ہے اور اُس وقت حضرت اسمٰعیلؑ بچے تھے جیسا ولما بلغ معہ السعی سے معلوم ہو رہا ہے تو اس فدیہ کا عقیقہ پر محمول ہونا زیادہ ظاہر ہے۔

۲۵۔ قربانی کا ثواب ہونا تو آپ کو مسلّم ہے اور حدیث علیؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی طرف سے قربانی کی جس کو آپ کسی طرح بھی موضوع ثابت نہیں کر سکتے جبکہ ایک رافضی کذاب کی حدیث کو آپ موضوع نہیں کہتے۔ تو اب میرا یہ الزام آپ پر درست ہے کہ جب ایک ثواب کا کام حضورؐ کی طرف سے ہو سکتا ہے تو دوسروں کی طرف سے کیوں نہ ہو سکے گا؟ آپ نے میرے کلام میں غور نہیں کیا۔ میں نے اس جگہ جو کچھ لکھا ہے خیری صاحب کے اس قول پر لکھا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کی حدیث صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص تھی الخ۔ جب مخاطب نے تسلیم کے بعد کلام کیا ہے تو اُسی تقدیر پر اس کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ جب تک تسلیم کے ساتھ کلام نہ تھا اُس وقت تک میرا یہ طرز کلام بھی نہ تھا اس کو مصادرہ علی المطلوب وہی کہیگا جو کلام قبل التسلیم و بعد التسلیم میں فرق نہیں کرتا۔

۲۶۔ درود و رحمت اور دعا سب کا مفہوم قریب ہی قریب ہے صرف فرق مراتب کے لئے ادباً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے صلوٰۃ وسلام کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسروں کے واسطے رحمت ومغفرت کا ورنہ حدیث میں اللھم صل علی اٰل ابی اوفی بھی موجود ہے (بخاری) حیرت ہے کہ آپ لفظی بحثوں سے خواہ مخواہ تحریر کو طویل کرتے جاتے ہیں۔

مراسلہ سابقہ کاتب کا نقل کردہ ہے کیا میرے قلم کو آپ نہیں پہچانتے؟ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے نام سے حضرت اور رضی اللہ عنہم کا حذف میرا فعل نہیں۔ افسوس ہے کہ آپ فضول باتوں میں اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں اور میرا بھی۔ میں نمبر ۲۵ میں لکھ چکا ہوں کہ مخاطب نے بعد تسلیم صحت کلام کیا تھا اس لئے اُس کو اس شق پر الزام دیا گیا اب یہ اُن سے پوچھیئے کہ تسلیم صحت کی صورت پر کلام کیوں کیا تھا؟

۲۷۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ عدم ذکر ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں اس لئے یہ ساری گفتگو بے فائدہ ہے۔

۲۸۔ واقعی آپ کو میری طرف سے مایوس ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ میں آپ کی طرح کسی حدیث کو محض اپنی رائے سے مخالف یا موافق قرآن کہکر صحیح یا موضوع نہیں کہہ سکتا۔ آپ کے نزدیک اپنی ذاتی رائے کے سوا موافقت و مخالفت قرآن کا کوئی معیار ہے تو بتلائیے ورنہ میں دکھلا چکا ہوں کہ آپ جس حدیث کو قرآن کے موافق کہتے ہیں وہ موافق نہیں اور جس کو مخالف کہتے ہیں اُس کی مخالفت کو ثابت نہیں کر سکتے۔ وَلَا تُقْبَلُ دَعْوٰى بِلَا بَيِّنَةٍ۔

حدیث سنت ابیکم ابراہیم کی سند میں رافضی کذاب کے ہوتے ہوئے آپ اُس کو صحیح کہہ رہے ہیں اور حدیث علی رضا میں صرف ابوالحسناء کی جہالت سے موضوع کا حکم لگا رہے ہیں یہ تحکم نہیں تو اور کیا ہے؟ ۔ مجھے اس سے انکار کب ہے کہ صحابہ اکثر قربانی کرتے تھے مگر جن الفاظ سے آپ نے دعوٰی کیا ہے اس کا ثبوت کہاں؟ ایک صحابی کے وکان المسلمون يتسمنون کہنے سے اُن ہی لوگوں کا حال معلوم ہو رہا ہے جو اُس کے آس پاس ہوں گے سب کا احاطہ وہ کہاں کر سکتا تھا؟ آپ کا یہ فرمانا کہ اگر واقعی حضرت علی رضؓ کو حکم ہوا بھی ہو ا ارنح علی سبیل التسلیم ہے یا نہیں؟ اگر علی رضؓ سبیل التسلیم ہے تو ایسا ہی جملہ نیری صاحب کی تحریر میں تھا ۔سی پر میں نے کلام کیا تو آپ فوراً کہنے لگے کہ آپ کے مخاطب کو یہ تسلیم ہی کہاں ہے اور یہ تو مصادرہ علی المطلوب ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب آپ حدیث پر تسلیم کے بعد کلام کریں گے تو مجھے بھی اس شق پر کلام کرنے کا حق ہے پھر کہتا ہوں کہ آپ کا یہ دعوٰی کہ یہ حکم حضرت علی رضؓ کے لئے مخصوص تھا تخصیص بلا دلیل ہے اگر تنہا ۔ن کا راوی ہونا دلیل تخصیص ہے تو ہر وہ حدیث جس کو ایک صحابی روایت کرے اُس صحابی کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مخصوص ہو جائے گی حالانکہ بہت سی احادیث ایسی موجود ہیں جن کا راوی ایک ہی صحابی ہے اور صحابی نے اُس کو منبر پر چڑھ کر بھی بیان نہیں کیا مگر حکم عام ہے۔ ملاحظہ ہوں روایات الوحدان والافراد۔

میرے آباء واجداد و اکابر ومشائخ تو اسلام، ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، و قربانی سب اپنے ساتھ مدینہ ہی سے لائے تھے۔ اگر نماز، روزہ ہندوستان سے تیمور کے زمانہ سے شروع کیا ہوتا تو ممکن تھا کہ قربانی بھی ہندوستان سے شروع کی ہوتی جب سارا دین مدینہ سے لائے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ قربانی مدینہ سے نہ لائے ہوں۔ آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی یہ طرز گفتگو کیسی ہے؟

آپ کو نامبارک ہو کہ آپ نے اپنے آباء واجداد واکابر کو طریقۂ نبوی سے ہٹا ہوا پایا۔ الحمدللہ ہی

تے تو اپنے آباء و اجداد ہی کے ذریعہ اسلام پایا اور اکابر و مشائخ ہی سے اتباع قرآن و سنت سیکھا اور بحمد اللہ میرے اکابر کو ایک دنیا آج بھی دین کا آفتاب و ماہتاب مانتی ہے منہم حضرت الشیخ مولانا رشید احمد الگنگوہی و مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی و مولانا الشیخ خلیل احمد السہارنپوری المہاجر المدنی و مولانا الشیخ حکیم الامۃ مجدد الملۃ محمد اشرف علی التھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ سے اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حدیثوں کے ذخیروں سے اہل بدعت کو اپنے مطلب کی بات نکالنے کا میں نے موقع نہیں دیا۔ بلکہ آپ دے رہے ہیں کیونکہ میں نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ کسی حدیث کو اپنی رائے سے صحیح یا موضوع قرار دے دے یا تنہا اپنی رائے سے جس حدیث کو چاہے قرآن کے موافق کہدے۔

اور اگر اس کا راوی کذاب رافضی بھی ہو تو الکذوب قد یصدق کا قاعدہ بیان کر دے جو چاہے آپ کی چشم کرشمہ ساز کرے اور جس کو چاہے قرآن کے خلاف کہدے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بدعت کی دال ہمارے یہاں نہیں گل سکتی۔

۲۹۔ آپ اس وقت جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اُس سے بھی عجیب تر ہے اب تک آپ کو زندہ کی طرف سے قربانی کا جواز مسلم تھا اور یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے زندہ کی طرف سے قربانی کی تھی صرف مُردوں کی طرف سے قربانی کے جواز میں کلام تھا۔ اب اس موضوع سے ہٹ کر زندوں کی طرف سے بھی قربانی و حج بدل و صدقہ وغیرہ کا انکار کرنے لگے بس ایک دعا کو دوسروں کے لئے نافع مانا گیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ آپ اس سے بھی دست بردار ہو جائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص قربانی کر کے دُعا کرے کہ اے اللہ اس عمل کا ثواب فلاں عزیز زندہ یا مردہ کو بخش دے یا حج بدل کر کے دعا کرے کہ اے اللہ اس حج بدل کا ثواب فلاں زندہ یا مردہ کو پہنچا دے تو اس دعا کی نافعیت کا آپ کسی دلیل سے انکار کریں گے؟ کیا کسی آیت یا حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کو ثواب پہنچانے کی دعا نہ کی جائے؟ پھر مردہ کی طرف سے حج بدل یا قربانی کیوں ممنوع ہے؟ وہاں بھی تو ہوتا ہے کہ ایک شخص عمل کر کے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس کا ثواب فلاں کو دیدیا جائے۔ پس میں نے جو لکھا تھا کہ "زندہ مردہ سب کے لئے یہی حکم ہو گا ولا قائل بہ" اپنی جگہ پر ہے آپ اپنے مسلمات سے بھی ہٹنے لگیں تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟

اہل بدعت کی دال

۳۰، ۳۱، ۳۲ ۔ حیرت ہے کہ آپ تفسیر قرآن میں اپنی طرف سے جو چاہیں اضافہ کر دیتے ہیں ۔ ینالہ التقویٰ منکم ۔ و انما یتقبل اللہ من المتقین سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ تقویٰ اس عمل کا ثواب دلائیگا؟ کیا تقویٰ اللہ تعالیٰ سے ثواب کا مطالبہ کرے گا؟ ہاں اللہ تعالیٰ صاحب التقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیں گے اگر اب صاحب عمل یہ دعا کر دے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو بخش دیجئے آپ کس دلیل سے اس دعا کو غیر مقبول قرار دیں گے ؟ دعا کا نافع الغیر ہونا آپ کو مسلّم ہے پھر اس دعا کا نافع ہونا کیوں مسلم نہیں؟ من ادّعی الفرق فلیأت ببیان ۔

اگر من عمل صالحا فلنفسہ و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ کا وہی مفہوم ہے جو آپ نے سمجھا تو کسی کی دعا سے بھی دوسرے کو نفع نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دعا اس کا عمل نہیں پھر اس کو نفع کیسے پہنچا؟

اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث کو آپنے خواہ مخواہ اپنے مدعا کے لئے مفید سمجھ لیا میں پوچھتا ہوں کہ دو شخصوں نے مسجد و مدرسہ بنایا مگر ایک کی مسجد آباد ہوئی لوگوں نے اس میں نماز پڑھی دوسری ویران رہی ایک کے مدرسہ میں تعلیم دین ہوتی رہی ایک کے مدرسہ میں گھوڑے بندھے ۔ ایک شخص کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچا سلسلہ علم چلتا رہا دوسرے کے علم سے لوگوں کو نفع نہیں پہنچا اسکی کتاب کو کسی نے منہ نہ لگایا اور شاگردوں نے دنیوی مشغلہ اختیار کر لیا ۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں ؟ برابر کہنا مکابرہ ہے ۔ اگر دونوں میں فرق ہے تو وجہ فرق کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں گے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ دوسروں کے عمل سے بانی مسجد و معلّم کو نفع پہنچتا ہے ۔ اگر کسی کی مسجد یا مدرسہ یا کتاب یا علم سے دوسرے نفع حاصل نہ کریں تو اس کو پہلے کی برابر ثواب نہ ہوگا اسی لئے حدیث میں علم کے ساتھ ینتفع بہ اور ولد کے ساتھ یدعولہ کی قید بڑھائی گئی ہے ۔ جب دوسرے کے انتفاع سے صاحب علم کو نفع پہنچتا رہتا ہے حالانکہ انتفاع اس کا عمل نہیں بلکہ منتفع کا عمل ہے تو اس سے میرا مدعا ثابت ہوتا ہے یا آپ کا ؟ پھر دوسری حدیث میں من سن سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرہا و اجر من عمل بہا تو انتقال ثواب کو صراحتاً ثابت کر رہی ہے مگر آپ اس کو صاف اڑا گئے ۔

۳۳ ۔ شیعہ حضرت علیؓ کو صرف مسند خلافت میں وصی رسول اللہ مانتے ہیں قربانی وغیرہ میں نہیں اس لئے حدیث علیؓ میں لفظ اوصانی سے قربانی کے منسوخ ہونے پر زور دینا مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے ۔

۳۴ . جب میرے اور آپ کے درمیان اصول ہی میں اختلاف ہے تو فروع میں گفتگو بیکار ہے ۔

۳۵ - امام ذہبی کی تلخیص مستدرک کا مشورہ آپ نے "بہت اہم ہے" کہکر صاف اُڑا دیا حالانکہ اسی سے امام ذہبی کے نزدیک حاکم کی جلالت شان ظاہر ہو جاتی - پھر آپ نے مستدرک حاکم کا مقدمہ بھی نہیں دیکھا ۔ جس میں اس نے مادحین و ذامین کے اقوال بیان کر کے حاکم کا ثقہ و عدل و امام و حجت ہونا واضح کر دیا گیا ہے ۔ اور بُرا کس نے کس کو نہیں کہا؟ امام ابوحنیفہ رضؓ کا تذکرہ تاریخ الخطیب میں دیکھیئے تو حاسدوں نے اُن کی نسبت اُس سے بھی زیادہ کہا ہے جو حاکم کی نسبت بعضوں نے کہا ہے ۔ امام ذہبی کا اللّٰہ یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ رافضی ہونا جرح ہے شیعی ہونا جرح نہیں ۔ اور یہ فرق رافضیوں کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ محدثین کا بیان کردہ ہے کیونکہ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ و سفیان ثوری اور کوفہ کے بہت سے اجلۂ محدثین کو متہم بالتشیع کر دیا ہے ۔

۳۶ . مجھے کوفہ اور مدینہ کا فرق معلوم ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ اہل کوفہ حج و زیارت مدینہ کو بھی جاتے تھے اسی طرح امام مالکؒ کی ملاقات امام ابوحنیفہ رحؒ سے ہوئی یوں ہی شریک بن عبداللّٰہ سے بھی ہو گئی ہو گی ۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ امام مالکؒ جیسا امام بھی جو غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتا شریک سے روایت کر رہا ہے ۔ بخاری مدرسہ میں ہے گھر پر نہیں ہے میں نے درس کے وقت ہی ان مقامات کو نوٹ کیا ہے اور طلبہ کو بتلا کر نوٹ کیا ہے ۔ عزیز امجد حسین سلمہ کے پاس بخاری موجود ہو گی اس میں ان مقامات کو دیکھ لیا جائے ۔ میں آپ کو یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ابوالحسناء سے دنیائے حدیث میں صرف یہی ایک حدیث نہیں ہے اُس کی اور بھی روایات ہیں اس لئے جس نے اس کو مجہول کہا ہے مراد مجہول العین نہیں بلکہ مجہول الوصف ہے اور یہ کوئی جرح نہیں ایسے راوی بہت ہیں جن میں کسی سے جرح و تعدیل منقول نہیں اُن کو ثقہ ہی شمار کیا جاتا ہے اس نمبر کے بعد آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس میں خیری صاحب ہی کی باتوں کو دہرایا گیا ہے جن کا جواب پہلے دے چکا ہوں ۔

اب اگر آپ میرے مقدمات مذکورۂ تحریر سابق کو تسلیم فرمالیں تو آئندہ قلم اُٹھائیں ورنہ معاف فرمائیں کیونکہ اصولی اختلاف تحریر سے ختم نہیں ہو سکتا ۔

گو دل تو نہ چاہتا تھا کہ آپ کے سامنے فقہاء حنفیہ کا قول پیش کروں مگر چونکہ یہ آخری تحریر ہے اس لئے تبرعا اس پر تحریر کو ختم کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنی طرف سے نہیں بلکہ فقہاء سلف کے موافق لکھا ہے۔ بدائع میں امام محمد کی اصل یعنی مبسوط سے نقل کیا ہے

وذکر فی الاصل اذا اشترك سبعة فی بدنة فمات احدهم قبل الذبح فرضی ورثته ان یذبح عن المیت جاز استحسانا والقیاس ان لا یجوز لصیرورة حصته لحما بانقطاع عمله بالموت) وجه الاستحسان ان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انه یجوز ان یتصدق عنه ویحج عنه وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین احدهما عن نفسه والآخر عمن لا یذبح من امته وان کان منهم من قد مات قبل ان یذبح فدل ان المیت یجوز ان یتقرب عنه فاذا ذبح عنه صار نصیبه للقربة فلا یمنع جواز ذبح الباقین اھ ومثله فی المبسوط للسرخسی ومعلوم ان محمدا اذا لم یذکر الاختلاف فی المسألة کان قولا للثلاثة فان عادته ذکر الاختلاف فی موضع الاختلاف وفی البزازیة عن الامام نصیر بن یحیی ومحمد بن سلمة ومحمد بن مقاتل وعصام بن یوسف وابی مطیع جواز التضحیة عن المیت وهو قول الاصحاب الامام ابی یوسف ومحمد بن الحسن او احدهما۔ وفی غنیة الالمعی ان قول من رخص فی التضحیة عن المیت مطابق للادلة ولا دلیل لمن منعها وقد ثبت انه صلی اللہ علیه وسلم کان یضحی کبشین احدهما عن امته ممن شهد بالتوحید وشهد له بالبلاغ والآخر عن نفسه واهل بیته ومعلوم ان کثیرا منهم قد کانوا ماتوا فی عهده صلی اللہ علیه وسلم فدخل فی اضحیته صلی اللہ علیه وسلم الاحیاء والاموات کلهم والکبش الذی یضحی به عن امته کما کان للاحیاء من امته کذلك کان الاموات من امته بلا تفرقة اھ۔

پس ہم کو تو امید ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی میں ہم بھی داخل تھے مولانا تمنا کو اختیار ہے کہ داخل ہوں یا نہ ہوں۔ ولیکن هذا آخر الکلام فی هذا المرام والحمد للہ لملك العلام وصلی اللہ علی سیدنا محمد خیر الانام علی الدوام ان کی صلوٰۃ دائمی سلام وما علینا الا البلاغ۔

ظفر احمد العثمانی عفا اللہ عنہ

۴ فروری ۱۹۵۲ء مطابق ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ

مکتوب ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین وسلام علی المرسلین لاسیما علےٰ خاتم النبیین وعلےٰ ازواجہ وصحبہ اجمعین اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اخانا المکرم مولانا المحترم دامت حسناتہم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مراسلہ گرامی مورخہ ۴ فروری ۵۲ء مجھ کو شب جمعہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ یعنی ۲۲ فروری ۱۹۵۲ء کو مل گیا تھا۔ ۱۸ دنوں کے بعد ہی سہی۔ حامل نامہ عزیزم مولوی امجد حسین سلمہ نے تاخیر کی وجہ اس کی نقل رکھ لینا بتائی۔ مگر ایک تو میں ریڈیو کے درس قرآن میں مصروف تھا۔ دوسرے شہر میں جو فتنہ برپا تھا، اس کی وجہ سے دماغ سخت منتشر اور طبیعت بے حد مکدر رہی محض سرسری طور سے پڑھ تو لیا، مگر کچھ لکھنے کی طرف طبیعت متوجہ نہ ہو سکی۔ ۲۰ فروری کو میرا درس قرآن ختم ہوا اور شہر میں بھی بفضلہ سکون ہو گیا تو جناب کا مراسلہ نکالا۔ پڑھتا جا رہا ہوں اور جواب لکھتا جا رہا ہوں۔ اتنا وقت کہاں کہ مسودہ کروں اور صاف کروں قلم برداشتہ کاربن پیپر رکھ کر لکھ رہا ہوں کاربن والے منشی بدر لڑکوں سے روشنائی کا قلم پھیروا کر دو فرد تیار کرا لوں گا۔ اب اس میں جتنی دیر ہو انشاء اللہ یکم مارچ تک دونوں فردیں تیار ہو جائیں گی جن میں سے ایک فرد آپ کی خدمت میں بھیج دی جائے گی۔ انشاء اللہ المستعان۔ مگر بہ ادب گذارش ہے کہ یہ مراسلات میرے آپ کے درمیان خرابی تعلقات وکدورت وملال کے باعث نہ ہونے پائیں اس کی کوشش جناب بھی ضرور فرمائیں۔

الاجوبۃ

نمبرا۔ اصول دین وہی ہیں جو قرآن مبین میں بتصریح مذکور ہوں جناب نے اپنے اور میرے درمیان اصولی اختلافات میں سے ایک اختلاف جو میرا اقراری ہے یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں یعنی

تمنا غفرلہ دائرہ تقلید میں محصور نہیں، اور آپ یعنی مولانا ظفر احمد صاحب مقلد ہیں۔

مولانا! مجھ کو پورے قرآن مبین میں "تقلید" کا لفظ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے میں اس لفظ کو خارج از دین سمجھتا ہوں۔ قرآن مبین نے اطاعت اور اتباع دو اصطلاحیں قائم کی ہیں۔ میں بتوفیقہ تعالیٰ و بفضلہ اللہ اور اللہ کے رسول کا مطیع ہوں، اور قرآن و سنت ثابتہ صحیحہ اور مہاجرین و انصار سابقون الاولون رضی اللہ عنہم کا متبع۔ اسی پر زندہ ہوں اور اسی پر مرنے کا متمنی ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اجتہاد ہر شخص پر حسب استطاعت فرض ہے

نمبر۲۔ اجتہاد ایک فریضہ ہے جو ہر مسلم پر فرض ہے بلکہ ہدایت اسی پر موقوف ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اپنی اپنی بضاعت بھر ہر شخص کو اجتہاد کرنا چاہیئے۔ دو عالموں کی رایوں میں اختلاف ہو تو ایک عامی کو ضرور اجتہاد کرنا چاہیئے کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہو سکتا ہے، اس کی دانست میں کون قرآن و سنت سے زیادہ واقف ہے، کس کو وہ اللہ سے ڈرنے والا زیادہ پاتا ہے اور کس کی رائے پایۂ احتیاط کو لئے ہوئے ہے۔ اگر اس نے کسی کی بات صرف اس لئے مان لی کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا یا پیر یا استاد ہے یا اس سے رسم و راہ ہے تو میرے نزدیک وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اس لئے ہر عامی پر آیات و المشتبہات پر عمل کرنا لازم ہے، اور اس کے لئے اس کو اجتہاد کرنا ہوگا۔ اگر اس اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو وہ خطائے اجتہادی ہے اور معاف ہے۔ اسی اعتبار سے میں بھی مجتہد ہوں، قرآن و سنت کے پیش نظر اسلاف کی رایوں پر غور کرتا ہوں جس کی رائے قرآن و سنت کے مطابق پاتا ہوں اس مسئلے میں اس کا اتباع کرتا ہوں۔

نمبر۳۔ میں نہیں جانتا کہ اجتہاد کا بھی کوئی منصب تھا جو لوگوں کو نبوت ختم ہونے کے بعد ملا کرتا تھا، اور اب وہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ منصب بھی اختراعی تھا اور اس کے شرائط بھی اختراعی، اور اس کے آغاز و ختم کی داستان بھی اختراعی۔ ما انزل اللہ بھا من سلطن۔

نمبر۴۔ علوم اسلامیہ میں مہارت ہر متأخر کو اپنے متقدم ہی کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔

علامہ سیوطی رح سے غلط مطالبہ کیا گیا تھا۔ کیا آئمہ اربعہ نے صرف قرآن و اقوال و افعال نبویہ سے دین کے اصول و فروع مستنبط فرمائے تھے؟ اکابر تابعین کے اجتہادات سے کوئی مدد نہیں لی تھی؟

مسلمانوں کو اسی تقلید نے جاہل بنا دیا کہ آج علوم عقلیہ و طب وغیرہ میں بھی ان کا دار و مدار اسلاف

سیوطی سے غلط سوال

کے اقوال پر رہ گیا ہے۔ سب سے بڑا کمال اب یہی رہ گیا ہے کہ متقدمین کی کتابوں کو سمجھ لیتے ہیں اور پڑھا دیتے ہیں۔ ویسا لکھنے والے اب کہاں مل سکتے ہیں۔

اگر یہ مرض تقلید یورپ والوں میں ہوتا تو آج نہ ہوائی جہاز نظر آتا نہ بجلی نہ ریل نہ موٹر نہ توپ نہ بندوق اور نہ ایٹم بم۔ علامہ طنطاوی نے بڑا کمال دکھایا کہ دیکھو قرآن میں یہ ساری چیزیں اور سارے فلسفے جو یورپ کے مایہ ناز ہیں موجود ہیں۔ اور یورپ والے ہنستے ہیں کہ تمہارے قرآن میں سب تھا مگر تمہیں کبھی نظر نہ آیا۔ جب ہم نے نکال دکھایا تو اب تمہیں سب نظر آنے لگا۔ پھر بھی ایک چیز بھی تم بنا نہیں سکتے۔ مگر تقلید کے مریض مسلمان اپنے اسلاف کی تقلید سے بھاگے تو لگے یورپ کی تقلید کرنے۔ کیونکہ اجتہاد کی توصلاحیت ہی یہ کھو بیٹھے ہیں۔

نمبر۵۔ ہدایہ اور جامع کبیر کے بعض مقامات میں آپ میرا امتحان ضرور لے سکتے ہیں۔ مگر گستاخی معاف۔ پھر۔ میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں یک طرفہ امتحان اگر ہو تو بڑے سے بڑے عالم کا ایک طالب العلم بھی لے سکتا ہے۔ اس سے جانبین کا مبلغ علم تو کسی کو معلوم نہ ہو سکے گا اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایک طرف سے ہدایہ اور جامع کبیر پیش ہو اور دوسری طرف سے قرآن مجید کی صرف ایک آیت اور صحیح بخاری کی صرف ایک حدیث۔ مگر یہ معرکہ ایسی جماعت کے سامنے ہو۔ جو بالکل غیر جانبدار ہو یعنی انگریزی تعلیم یافتہ جماعت جن کو عربی ترجمہ دونوں فریق سمجھا دیں یا لکھوا دیں۔ اس کے بعد اعتراض و جواب کا موقع فریقین کو دیا جائے۔ اُس غیر جانبدار جماعت کی تشفی جس کے بیان سے ہو جائے۔ اور وہ جماعت جس کے حق میں فیصلہ کرے۔ علماء کی اکثریت تو آپ کے ہم خیالوں کی ہوگی۔ اس لئے علماء سے اس کی توقع نہیں کہ وہ غیر جانبدار رہ کر فیصلہ کریں گے۔ مگر وہ بھی موجود رہیں لیکن خاموش رہیں اور فیصلے پر اثر انداز نہ ہوں۔

یہ میں نے مجبوراً لکھا ہے ورنہ ایسے مضمون کے لئے میں کبھی پہل نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ نے چیلنج کر دیا تو پھر میں کچھ نہ لکھتا۔ گریز پر دلالت کرتا۔ بہر حال میں اس کے لئے ہر طرح بعونہ تعالیٰ آمادہ ہوں۔ ؎ ہمیں میدان ہمیں چوگان ہمیں گوئے ۱۲۷

نمبر۶۔ بجواب نمبر۱ اکابر میرے ہوں یا آپ کے تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ تو جب ان کے اعمال مجھ سے یا آپ سے پوچھے ہی نہیں جائیں گے تو پھر وہ متبع سنت تھے یا نہیں اس کی بحث ہی فضول ہے۔ اگر تھے تو اپنے لئے، نہ تھے تو وہ جانیں اور

ضرور میں

اکابر سلف

داور محشر جانے۔ ہمیں ان کی خاک پا کی تلاش ہی نہیں۔ اور ہو تو کیوں ہو؟ اور کس لئے ہو؟
میں لکھ چکا ہوں کہ میرا بھی ایک دور آپ ہی جیسا گذر چکا ہے۔ جب اکابر پرستی کا سودا میرے سر
میں بھی سمایا ہوا تھا اس وقت میں بھی یہی کہتا تھا کہ کاش اپنے آباء و اجداد کی خاک پا کو بھی پا لیتا۔ آپ
کو اگر اب تک اپنے اکابر کی خاک پا ہی سرمایہ نجات معلوم ہوتی ہے تو آپ اس کی تلاش فرماتے رہیں۔
مجھے کیا۔ میں نے کیسے اکابر پائے اور آپ نے کیسے، یہ بحث اور اس کا مقابلہ تو اس وقت مناسب
تھا جبکہ میں بھی آباء پرستی کی مے سے سرشار ہوتا۔ میں تو اب اس سے توبہ کر چکا ہوں۔ اس لئے آپ کے لئے
مناسب نہیں کہ میرے خیالات معلوم کر لینے کے بعد اکابر کا ذکر چھیڑیں۔
نمبر۲۔ ہر فرقہ اپنے کو اور اپنے اکابر کو متبع قرآن سنت ہی پاتا اور جانتا ہے یہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں۔
حدیث کے شرح قرآن ہونے کا صحیح مطلب | جناب نے نمبر۳ کے اواخر میں لکھا ہے کہ "آپ قرآن ... کہ
میں بھی صحیح حدیثوں کو قرآن مبین کی شرح سمجھتا ہوں جس سے فہم قرآن کا حدیث صحیح پر موقوف
ہونا معلوم ہوا" بالکل نہیں ہرگز معلوم نہ ہوا۔ شرح جامی کافیہ کی شرح ہے۔ تو کیا شرح جامی
کافیہ کا سمجھنا موقوف ہے؟ آپ اپنے غلط مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کیسی کیسی خلاف
عقل باتیں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح ... عدم مخالفت قرآن پر ضرور موقوف ہے اور دینی تعلیم
... ہر حدیث کی صحت مطابقت قرآن پر موقوف ہے مگر فہم قرآن حدیثوں پر ہرگز موقوف نہیں اور دینی تعلیم ...
ہر حدیث نبوی کا مطابق قرآن ہونا ضروری ہے۔ مگر ہر مطابق قرآن قول کا حدیث نبوی ہونا ضروری نہیں۔
دونوں میں لزوم یا ملازمت نہیں۔ دور کہتے ہیں توقف الشیء علی نفسه کو تو یہ بالکل نہیں۔
یہ میں کیونکر کہوں کہ آپ دور کے معنی نہیں جانتے۔ البتہ آپ مجھے جان بوجھ کے مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔
دینی مناظروں میں تو یہ آپ کے لئے زیبا نہیں۔
نمبر۳۔ قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت کا تعلق صرف قرآن و حدیث ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ پوری زبان سے
ہے۔ آج بھی ان فنون کی خدمت کے لئے ہزاروں عیسائی مصر اور بیروت وغیرہ ممالک عربیہ میں ہیں۔
اپنی مادری زبان کی خدمت ہر عاقل کا فرض ہے اس لئے ان فنون میں غلط الحاق و ادخال کر کے اور
الفاظ کے غلط معنی لکھ کر یا غلط قواعد بنا کر کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اور جن لوگوں نے ایسا کیا
وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بعض اہل لغت سے جو کچھ غلطیاں ہو گئیں تو دوسروں نے تعاقب کیا اور اس کی
اصلاح کی۔ لسان العرب کی اصلاح جس شاندار طریقے سے ہوئی آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ پھر بھی

ان کتابوں کی صحت استقرائی ہے۔ غلطی وصحت کا پتہ اشعار عرب سے اور دوسری کتابوں سے بھی مل سکتا ہے۔ غرض کوئی بھی عقیدۃً کسی کتاب کو محفوظ عن الخطاء نہیں مانتا۔ میری ایک قلمی کتاب ہے المنقذ من الضلالہ فی تفسیر آیتی الکلالہ۔ میں نے اس میں کلالہ کے معانی جو لسان العرب میں لکھے ہیں سب پر بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ بالکل صحیح تو کوئی معنی لکھا ہی نہیں بعض معانی قریب الی الصحۃ ہیں، مگر زیادہ غلط ہی معنی لکھے ہیں اور بعض معنی تو ایسے لکھے کہ قرآن میں دو جگہ میں سے کسی جگہ بھی چسپاں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے معانی لغات و قواعد صرف و نحو و فنون ادبیہ کے کسی مسئلہ کی بھی غلطی و صحت محض عقیدے پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُس کے طُرُق استعمال و اسناد پر مبنی ہے۔ بخلاف حدیث کے، کہ وہ کسی بدعت کو سنت ثابت کرنے کے لئے، کسی غلط عقیدے کو صحیح ٹھہرانے کے لئے، کسی کے غلط مناقب، کسی کے غلط مثالب پھیلانے کے لئے وضع کی جا سکتی ہے اور کی گئی۔ آپ موضوعات لغات و موضوعات قواعد ادبیہ کا کوئی چھوٹا سا ایک جزو کا رسالہ بھی نہیں پیش کر سکتے ہیں اور احادیث موضوعہ کے دفاتر و مجلدات دنیا میں موجود ہیں۔ مگر پھر بھی حدیثوں کی غلطی و صحت محض ظنی ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موضوعات کے دفاتر میں بعض صحیح حدیثیں بھی آگئی ہوں اور صحاح میں کچھ موضوع حدیثیں بھی ہوں۔ حدیثوں کے اسناد اور لغات و قواعد کے اسناد یکساں مفید یقین نہیں ہو سکتے۔ اس لئے لغات کی کسی کتاب کو یا قواعد کی کسی کتاب کو صحیح مان لینے سے قرآن مجید کی صفت خصوصی پر مطلق حرف نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ صُراح یا قاموس میں فلاں لفظ کے معنی غلط لکھے ہیں تو سُننے والا اُس سے پوچھے گا کہ پھر اس لغت کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اور اس کی سَنَد پوچھے گا۔ نہ کہ سُننے والے کہنے والے کو ملحد و بے دین وغیرہ بنانے لگیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ کافیہ میں یہ قاعدہ نحو یہ غلط لکھا ہے تو سُننے والے سَنَد پوچھیں گے اور یہ پوچھیں گے کہ پھر صحیح قاعدہ کیا ہے یہ نہ ہوگا کہ لوگ اس کو کافر و ملحد بنانے لگیں۔ بخلاف حدیث کے۔ کہ یہ بلا دلیل محض اعتقاداً مان لیا گیا ہے کہ فلاں فلاں کتاب میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے جس کے لئے کوئی دلیل اس کے سوا نہیں دی جا سکتی کہ فلاں نے یہی لکھا ہے اور فلاں نے یہ لکھا ہے اور سب سے بڑی دلیل تلقی امت ہے حالانکہ تلقی امت اکثر بدعات کے متعلق اس قدر ہے کہ آج شاید مسلمانوں کے ایک کروڑ گھروں میں سے ایک ہی گھر ایسا ہوگا جس میں عورت مرد لوکر چاکر دائی، ماما اور مراہق لڑکے اور لڑکیاں سب کے سب پابند صوم و صلوٰۃ ہوں مگر چہلم، چہارم، سہ ماہی، ششماہی،

رسمی، قل، عرس، گیارھویں شریف اور محرم منانے [illegible] تقریباً سو میں سے ننانوے گھر کے لوگ ملیں گے۔ بتایئے تلقی امت ان بدعات کو کیا صحاح کی تلقی امت سے کم ہے؟ ان بدعات میں عوام ہی مبتلا نہیں ہیں بڑے بڑے بحّاث علماء بھی اسی طرح مبتلا ہیں۔ ص ۱۲۹

اب میں بخیال اختصار فاضل باتوں سے قطع نظر کرتا ہوا ضروری باتوں کا جواب عرض کرتا ہوں۔

عبارۃ و اقتضاء النص

نمبر۹۔ عبارۃ النص و اقتضاء النص کا قطعی ہونا ظاہر ہے۔ اشارۃ و دلالۃ کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اس لئے میں نے ان دونوں کو قطعی نہیں کہا۔ یعنی جو مسئلہ اشارۃ النص و دلالۃ النص سے نکالا جائے وہ اس حد تک قطعی الصحت نہیں جس حد تک عبارۃ و اقتضاء سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہو وہ قطعی الصحت ہے، البتہ کسی حدیث صحیح سے کسی ایسے مسئلے کی تائید ہوتی ہو، جو قرآن کی دلالۃ النص یا اشارۃ النص سے نکل رہا ہو۔ تو پھر وہ بھی قطعی الصحت ہے۔ حدیث کی تو عبارۃ النص ہی ظنّی ہے اس لئے اس کی دلالۃ النص و اشارۃ النص کے ضعف کا کیا پوچھنا ہے؟

نمبر۱۰۔ جناب نے کس معصومیت کے ساتھ حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

"نمبر۵۔ اور قرآن میں قطعیت کہاں سے آئی؟ کیا صرف ہماری اور آپ کی خوش اعتقادی سے؟ یا تواتر نقل و حفظ و مشاہدہ سے؟ شق ثانی پر اگر یہ تواتر حدیث میں بھی پایا جائے تو قطعی کیوں نہ ہوگی؟"

غنیمت ہے کہ آپ نے "اگر پایا جائے" فرمایا ہے۔ اگر آپ یہ لکھ دیتے کہ "پایا جا رہا ہے" تو میں عالم خیال میں آپ کا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتا اور کچھ جواب نہ دیتا۔ کسی حدیث میں آپ قرآن جیسا تواتر لفظاً و معنیً نہیں دکھا سکتے قرآن جیسا تو کیا، اس کا آدھا بھی۔ لے دے کر تعامل صحابہ ایک چیز ہے جس میں قرآن مجید کے بعد تواتر دکھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً پانچ وقت کی نمازیں اور ہر وقت کی تعداد رکعات، رمضان کے تیس روزے وغیرہ۔ ورنہ حدیثیں جو کسی بھی کتاب میں منقول ہوں ان کو تواتر کی نعمت کہاں نصیب؟

نمبر۱۱۔ تعامل صحابہ حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور قرآن بھی اہم چیزوں کے تعامل کو کسی نہ کسی طرح بتا دے گا۔ جس حدیث سے تعامل صحابہ کا پتہ ملے گا وہ حدیث مطابقت قرآن سے قطعیت حاصل کرے گی۔

قطعیت نہیں تو قطعیت سے قریب تو ہو سکتی ہے۔ جو ظنی کسی قطعی کے مطابق ہوگا وہ بھی قطعی ہی شمار ہوگا گو اس کی یہ قطعیت بھی ظنی ہی ہو گی کیونکہ ہر وہ حدیث جو مطابق قرآن ہو کوئی ضروری نہیں کہ حقیقۃً اور واقعۃً بھی صحیح ہی ہو مگر صحیح شمار کی جائے گی۔ اس کے دلائل اور بھی ہیں مگر یہ موضوع بحث نہیں ہے اس لئے اس کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ مگر وہ دلائل قوی ہیں ضعیف نہیں۔

۱۴۔ بے شک قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ ہے تو اس کی صحیح تعلیم اور اس کے صحیح معانی و مفاہیم کی حفاظت بھی اس وعدے میں شامل ہے۔ اور وہ تعلیم و مفاہیم و معانی قرآن مبین ہی کے الفاظ و سیاق و سباق عبارت میں اس طرح محفوظ ہیں کہ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ مگر وہ لوگ جو اپنی کم علمی کی وجہ سے صرف و نحو و لغت و معانی و بیان اور پھر حدیث و تفسیر و تراجم کے محتاج ہیں ان کے بغیر بطور خود قرآن کے الفاظ و عبارت و سیاق و سباق سے مطلب نہیں سمجھ سکتے ان کے لئے یہ آسانی ضرور پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر وہ دیانتۃً محض ہدایت طلبی کے لئے ان چیزوں سے آیات قرآنیہ کے معانی سمجھنے میں مدد لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور صحیح ہی معانی ان کے ذہن میں آئیں گے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

؎ عروس معنی قرآن نقاب آنگہ براندازد — کہ خلوتخانۂ دل را مجرد سازی از غوغا

مگر جو لوگ فرقہ وارانہ عینک لگا کر یا آباء و اجداد و اکابر کی عقیدت کے ماتحت قرآن پر غور کریں گے تو پھر جس طرح شیعوں کو سارا قرآن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں نظر آتا ہے، اور قادیانیوں کو جس طرح ہر آیت سے مرزائے آنجہانی کی نبوت ثابت ہو رہی ہے اسی طرح ہر شخص کے نزدیک قرآن سے اس کے اکابر ہی کا مسلک ثابت ہوتا نظر آئے گا کیونکہ وہ قرآن کے اتباع کے لئے قرآن کہاں دیکھتا ہے وہ تو قرآن کو اپنا تابع بنانے کے لئے قرآن پر غور کرتا رہتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے عربی لغات و محاورات و قواعد صرف و نحو و ادب اور احادیث و تفسیر و تراجم میں اس کی صلاحیت ضرور محفوظ رکھی ہے کہ ڈھونڈنے والا چاہے تو انہیں ذخیروں میں سے صحیح معانی بھی جو قرآن مجید کے سیاق و سباق کے مطابق ہوں نکال لے۔ اور جو قرآن کی عبارۃ النص یا اقتضاء النص کے خلاف ہیں سیاق و سباق جن سے ابا کر رہا ہے ان کو رد کر دے۔ یہ نہیں ہے کہ قواعد بغدادی سے لے کر بیضاوی تک جتنی کتابیں مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہیں سب کی حفاظت کا وعدہ قرآنی حفاظت کے وعدے میں داخل ہے اور کسی

صـ۱۳۳
میں بھی غلط و باطل کی آمیزش ناممکن ہے ایسا نہیں ہے جو شخص ایسا سمجھے وہ سفسطی ہے۔
نمبر۱۳- میرے مراسلہ مورخہ ۲، فروری ۲۵ء کے نمبر ۸ کا جواب آپ نے اپنے نمبر ۸ میں یہی دیا ہے کہ "اس کا جواب میری گذشتہ تحریر (مورخہ ۲۰، ربیع الاول ۸۲ھ) کے حرف ج اور ز میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ غور نہیں فرماتے"۔
یہ عبارت پڑھ کر میں نے اپنا مراسلہ بھی پڑھا اور آپ کا بھی۔ آپ کے ج، ز ہی میں نہیں پورے مراسلے میں کہیں بھی میری اس بات کا جواب نہیں ہے کہ "امام بخاری نے سُنا زید سے زید نے سُنا بکر سے بکر نے سُنا خالد سے۔ اور خالد نے سُنا فلاں صحابی سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے تھے۔ اب زید، بکر، خالد کے معصوم عن الخطاء ہونے پر ایمان بالغیب کس طرح لایا جاسکتا ہے۔ الخ"
آپ خود غور فرمائیے کہ آپ نے اس کا جواب کہاں دیا رجال کی جرح و تعدیل سے قطع نظر کر لینے کے بعد اگر رواۃ سند کے سب ثقہ ہوں جب بھی وہ محفوظ عن الخطاء تو نہیں ہیں۔
جناب نے رسائل ابوالفضل بدیع الزمان ہمدانی میں یہ دو شعر ضرور ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

صـ۱۳۴
اسمع نصیحۃ ناصح جمع النصیحۃ والمقۃ
ایاک واحذر ان تکو .... ن من الثقات علی ثقۃ

صـ۱۳۵
اس کے بعد بدیع ہمدانی تحریر فرماتے ہیں صدق الشاعر واجاد وللثقات خیانۃ فی بعض الاوقات ھذا العین تریک السراب شرابا۔ وھذہ الاذن تسمعک الخطأ صوابا ــ فلست بمعذور ان وثقت بمحذور الخ۔ جلال الدین سیوطی الاقتراح فی اصول النحو میں تنہا حدیث کو عربیت میں حجت نہیں تسلیم کرتے جس کی وجہ لکھتے ہیں کہ قد دلتہ الاعاجم فقدموا واخروا وبدلوا الفاظا وغیروا الخ۔ اور صحاح یا کم سے کم صحیحین کی بھی حدیثوں کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ تقدیم و تاخیر الفاظ سے مفہوم کہاں سے کہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور تبدیل و تغیر سے تو معنی تک بدل سکتے ہیں۔ رواۃ کا مجروح ہونا تو علاوہ بریں ہے۔ آپ نے جو کچھ ج اور ز میں لکھا ہے وہ صرف جرح و تعدیل سے متعلق لکھا ہے، وہ بھی ایسا جس سے آپ خود اپنے کو یا اپنے تلامذہ یا ہمخیالوں کو اس سے مطمئن کرلیں تو کرلیں ورنہ ایک خالی الذہن دیانت دار اس سے مطمئن نہیں ہوسکتا ہے۔

صـ۱۳۶
محدثین کا تو یہ مانا ہوا اصول ہے کہ الجرح مقدم علی التعدیل یہ کہہ کر ملتے ... [illegible]

(حاشیہ:) [illegible]

من لسان الوری فکیف ھو ان کی جگہ ھو قصداً رکھا ہے کیونکہ یہاں وہ راوی مجروح مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ پر بھی جرح ہوئی ہے اور فلاں پر بھی۔ اس لئے شریک وابوالحسنادپر بھی کسی نے کچھ کہا ہے تو اس کا خیال کیوں کیا جائے گا؟ یہ کہکر ٹالا نہیں جا سکتا۔ اس کا شافی جواب مولانا خیری سلمہ نے اپنے اواخر مضمون میں دے دیا ہے۔

نمبر۱۴۔ آپ نے اپنے نمبر۱۴ میں میرے نمبر۱۴ کا جواب یہ لکھا ہے کہ نمبر۷ میں گذر چکا ہے۔ مگر میں بھی آپ کے نمبر۷ کا جواب اسی مراسلے کے نمبر۱۲ میں عرض کر چکا۔ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

نمبر۱۵۔ آپ اپنے نمبر۱۵ میں میرے نمبر۱۵ کا جواب لکھتے ہیں کہ نمبر۳ و نمبر۴ میں گذر چکا ہے۔ بالغ نظر کو احادیث صحیحین میں کوئی حدیث بھی معارض قرآن نظر نہیں آسکتی۔ جس کو نظر آئے اس کی نظر بالغ نہیں"۔ آخر کے جملے پر یہ مثل یاد آگئی کہ کسی نے ایک حبشن سے نکاح کیا۔ مگر کہا کرتا تھا کہ میری بیوی کالی نہیں ہے، جس کو وہ کالی نظر آتی ہے اُس کی آنکھیں خود کالی ہیں۔ باقی رہا نمبر۳، نمبر۴۔ تو نمبر۴ میں تو آپ نے صرف یہ پوچھا ہے کہ "آپ نے عبارۃ النص اور اقتضاء النص کو تو قطعی مان لیا مگر اشارۃ النص و دلالۃ النص کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ... الخ" اس کے سوا تو اور کوئی بات ہی اس نمبر میں نہیں۔ میرے نمبر۱۵ کا جواب اس میں کہاں ہے۔ باقی رہا نمبر۳ تو اس میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ اگلے آئمہ محدثین و مجتہدین ایسے تھے اور ویسے تھے تم ان کے مقابل کچھ نہیں۔ تمہیں کیا حق ہے ان کے سامنے زبان کھولنے کا۔ میں نے اس کا جواب دینا مناسب خیال نہیں کیا تھا اس لئے وہاں پر اس کے متعلق چپ رہ گیا اس موقع پر آپ نے پھر نمبر۳ کا حوالہ دے دیا کہ اس میں میرے نمبر۱۵ کا جواب ہے، حالانکہ میرے نمبر۱۵ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے میرا نمبر۱۵ تو لاجواب ہی رہا۔ مگر آپ کے نمبر۳ کے متعلق گذارش یہ ہے کہ اگلے آئمہ محدثین و مجتہدین و مفسرین سَو تک گننا جانتے تھے اور میں صرف دسؔ تک گننا جانتا ہوں گیارہ سے لے کر ۹۹ تک کے بارے میں وہ جو لکھ گئے ہیں اگر سب کے سب اس میں متفق اللفظ ہیں تو میں اس کو ضرور صحیح سمجھ لوں گا۔ اگر انہیں میں اختلافات ہیں تو بایہ احتیاط اختیار کروں گا۔ اور اگر دسؔ کے اندر وہ کچھ فرما گئے ہیں تو پھر میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں۔ سب کے سب اگر لکھ گئے ہوں کہ ۴ کے بعد ۷ ہے تو مان لوں گا اس لئے کہ میں تو دس تک ہی گننا جانتا ہوں اور سب کے سب کہہ رہے ہیں کہ ۴ کے بعد ۷ ہے۔ پھر بھی یہ شک

ہوگا کہ جب ۴ کے بعد ۵ اور ۵ کے بعد ۶ اور اُس کے بعد ۷ ہے تو پھر دہائی میں بھی ۴۰ کے بعد ۵ کی دہائی اور ۶ کی دہائی ہونی چاہیئے اُس کے بعد ۷ کی دہائی۔ مگر چپ رہوں گا کہ سب کہہ رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ دہائی میں اعداد کا نظام کچھ بدل گیا ہو۔ مگر کوئی صاحب یا یہ سب کے سب بھی اگر دس کے اندر الٹ پلٹ کر گئے ہوں اور لکھ دیا ہو کہ ۴ کے بعد ۷ ہے تو میں اس کو کبھی نہ مانوں گا۔ میں جو کچھ قرآن وحدیث کی سمجھ رکھتا ہوں وہ انہیں اسلاف رحمہم اللہ کے احسانات کا صدقہ ہے ـــ شکر اللہ مساعیھم وجزاھم عنا خیرا الجزاء میں نے جو کچھ سیکھا ہے انہیں سے سیکھا ہے۔ (صفحہ ۳۹)

(لکاتبہ غفرلہ) بندۂ ہمت اسلافم واں سفلہ نیم (صفحہ ۱۴۱)

کہ خورم من نمک و باز نمکداں شکنم

مگر یہود و نصاریٰ کی طرح احبار و رہبان کی جگہ اپنے اکابر کو رب نہیں بنا سکتا۔ میں اندھی تقلید کو شرک ہی سمجھتا ہوں۔ لیھلك من ھلك عن بینۃ و یحییٰ من حی عن بینۃ (صفحہ ۱۴۱)

دو چیزوں میں تعارض اور مطابقت و مخالفت ایسی چیز نہیں ہے جو دوربین یا خوردبین سے دیکھی جائے۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ دو متغائر چیزوں میں صرف مطابقت یا صرف تخالف و تضاد بہت خفی ہو تو بہت غور و خوض سے معلوم ہو سکے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ تضاد و تخالف تو ظاہر و باہر ہے مگر اس ظاہر و باہر سے آنکھیں بند کر کے وہمی تطابق کا خیال اپنے دماغ میں قائم کر لیا جائے یہ ویسا ہی ہے کہ ؎

لکاتبہ غفرلہ ۔ جو دست اہل تقویٰ میں گیا ساغر، تو مے ساقی

عقیدت کی نظر میں انگبیں معلوم ہوتی ہے

باقی رہا یہ موجودہ زمانہ۔ تو اس وقت

؏ ما ہم غنیمتیم و شما ہم غنیمتید (صفحہ ۱۴۲)

؎ لکاتبہ غفرلہ ۔ قحط الرجال نے بھی کس کس کو سرفراز کیا

اب آپ شافعی ہیں اور ہم ابو حنیفہ

نمبر ۱۶ ۔ آپ نے نمبر ۱۳ میں ایک عجیب و غریب بات کہی ہے کہ "صحیح حدیث کا صحیح ہونا ویسا ہی ہے جیسا آپ کا مومن و مسلم ہونا۔ اگر میں آپ کے مومن اور مسلم ہونے پر قسم نہ کھا سکوں تو کیا آپ مومن و مسلم

نہ ہوں گے؟" اس طرز استدلال پر جتنی بھی حیرت کی جائے کم ہے - ایک شخص اپنے کو مومن و مسلم کہتا ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔ قرآن مجید پڑھتا ہے، قرآن مجید کی تبلیغ وتبیین میں سارا وقت صرف کرتا ہے، تمام مسلمانوں سے اس کے اسلامی تعلقات ہیں، اتنے دلائل واضحہ کے بعد بھی اگر ایسے شخص پر کوئی مسلم ومومن نہ ہونے کا شبہ کرے تو وہ صرف احمد رضا خان بریلوی یا ان کا کوئی چیلہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور خود اپنے متعلق تو ہر شخص اپنے مومن ومسلم ہونے کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ اپنے متعلق تو ضرور قسم کھا سکتا ہے۔

مگر کیا کوئی حدیث اپنے بارے میں بزبان خود صحت کی مدعی ہے؟ اگر جامع حدیث نے حَسَن، صحیح لکھ دیا ہے تو آپ تو جانتے ہیں کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ (صفحہ ۱۴۱) ہکذا اخرج من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ محدثین نے حسن وصحت کے جو معیار اپنی عقل سے بنائے ہیں اس معیار کے مطابق ہے اس سے زیادہ اس کا کوئی مطلب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ایسی حدیثیں۔ جو معارض قرآن ہیں صحاح میں داخل ہو گئی ہیں چونکہ ان کے معیار کے مطابق تھیں وہ درایت پر روایت کو ترجیح دیتے رہے - اور یہ ایک بہت بڑی اصولی غلطی تھی - "صحیح حدیث کا صحیح ہونا" بھی عجیب لفظ ہے۔ جب پہلے ہی کسی حدیث کو صحیح کہہ لیا اور مان لیا تو پھر اس کا صحیح ہونا چہ معنی دارد؟ مطابقت قرآن جو کسی حدیث کی صحت کا اصل معیار ہے اس سے بھی کسی حدیث کی صحت قطعی نہیں ہو سکتی - مخالفت قرآن سے کسی حدیث میں عدم صحت کا وصف قطعی طور سے ضرور پایا جا سکتا ہے۔ مگر مطابقت قرآن کے باوجود اور ثقاہت رواۃ کے باوجود کسی حدیث کی بھی صحت قطعی نہیں ہو سکتی ہاں اس کا مضمون مطابقت قرآن کی وجہ سے قطعی الصحۃ ہوگا۔ مگر اس کا حدیث رسولؐ ہونا قریب الی القطعیۃ ہو سکتا ہے، مگر بالامکان الخاص۔[1]

(صفحہ ۱۴۱) لا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمنا اس لئے آپ ایک پابند صوم وصلوٰۃ مسلمان کو جو آپ کو بھی مسلمان سمجھتا ہو، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو مومن نہیں ہے۔

---

[1] یعنی نہ اس کا صحیح ہی ہونا ضروری ہے نہ اس کا غلط ہی ہونا ضروری ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو اور یہ بھی ممکن ہو کہ غلط ہو۔ منہ غفرلہ

مگر ایک ایسی حدیث جو محدثین کے اصول مخترعہ کے رو سے تو حسن، صحیح ہے اور بالفرض صحاح وغیر صحاح
کی ساری کتب احادیث میں مروی ہے اور اس کے روات بھی سب کے سب ثقات ہی نظر آرہے ہیں
جن میں سے کسی پر بھی کوئی جرح منقول نہیں، لیکن اگر اس حدیث کا مضمون قرآن کی نص صریح سے
مخالفت صریحہ رکھتا ہے تو ایسی حدیث کو ہر ایماندار مسلمان کے لئے رد کر دینا ہی لازم و واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اگلے محدثین نے ایسی مخالف قرآن حدیث کو کیوں لکھ لیا، کیوں رد نہ کیا؟
ھ ۱۴۵
میں اس سوال کے جواب کا ذمہ دار نہیں۔ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا
تسئلون عما کانوا یعملون۔

اگر میں اس حدیث کو مخالف قرآن پاتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے بھی صرف اگلے محدثین کی سطوت
سے مرعوب ہو کر اپنے دل کو سمجھا لوں کہ یہ مخالفت جو مجھ کو نظر آرہی ہے یہ میرے فہم کا قصور ہے
جب اگلے محدثین اس کو مخالف قرآن نہیں سمجھے تو یہ ہرگز مخالف قرآن نہیں ہے اور قرآن کی اس نص
صریح کا اتباع نہ کروں بلکہ اس حدیث کا اتباع کروں، تو یقیناً مجھ سے قیامت میں پوچھا جائے گا۔
کہ تو نے کتاب اللہ کی سطوت سے محدثین کی سطوت زیادہ محسوس کی، تو نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا
اور محدثین کا اتباع کیا، اور تلک امۃ قد خلت الایۃ کی آیت بھی تجھے یاد نہ آئی تو میں کیا جواب دوں گا؟
اور اگر، ہم نے کتاب اللہ کا اتباع کیا، اور محدثین کے اجماع کی پرواہ نہ کی تو مجھ کو یقین ہے
کہ میں عنداللہ ماجور ہوں گا۔ بشرطیکہ میں نے ہٹ دھرمی، بات کی پچ اور نئی اُپج کا خیال نہیں کیا ہے
ھ ۱۴۶
بلکہ میری نیت محض اتباع قرآن ابتغاءً لمرضاۃ اللہ کی ہے۔ نیتوں کا حال وہی علیم بذات
الصدور خوب جانتا ہے کہ میں نے اپنے آباء و اجداد و اساتذہ و پیران سلاسل و علمائے فرقہ سب سے
دامن چھڑا کر جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا دامن پکڑ لیا ہے یہ میں نے کسی خاص دنیاوی
غرض سے کیا ہے یا محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ ہے۔ یہ معاملہ میرا میرے رب کے ساتھ ہے آپ
اس پر مجھے مجبور نہ کریں کہ میں کتاب اللہ کو چھوڑ دوں اور محدثین کی ظنی روایات پر اپنے دین کا
دارومدار سمجھوں
ھ ۱۴۷

یا لائمی فی الھوی العذری معذرۃ — منی الیک ولو انصفت لم تلم

نمبر۷۔ آئمہ محدثین کی کتابوں میں الحاق و ادخال کا ذکر اور الحاق و ادخال کرنے والوں کی جماعت کا

اسمائے گرامی کتب رجال میں مذکور ہیں ۔ اس موضوع پر میں نے متعدد رسالے لکھے ہیں جو عربی میں ہیں اور قلمی مسودے ہیں ۔ طوالت کا ڈر نہ ہوتا تو انہیں رسالوں سے متعدد اوراق کا اضافہ کر سکتا ۔ مگر در خانہ اگر کس است حرفے بس است ۔

لغات و قواعد عربیہ کی کتابوں میں کہیں کہیں غلطیاں اور غلط فہمیاں بتقاضائے بشریت ہو سکتی ہیں مگر ادخال و الحاق کا امکان نہیں ۔ اس پر میں نمبر ۸ میں بتفصیل لکھ چکا ہوں ۔ ولا افادۃ فی الاعادہ ۔

آپ نے لکھا ہے " حدیث کی صحت باقی رکھنے کے لئے قرآن میں کوئی عالم متدین تاویل نہیں کرتا " مگر علماء نے تاویلیں کی ہیں اور کر رہے ہیں ، اور اسی تاویل کو عین تدین سمجھ رہے ہیں مثالیں آپ نے مانگی نہیں اس لئے مثال پیش نہیں کی ۔ اور اگر پیش کر دوں تو پھر ایک نئی بحث اور چھڑ جائے ، جس طرح قربانی کے ساتھ ایصال ثواب کی بحث بڑھ گئی ۔ باقی رہے میرے اساتذہ تو

ﮯ گرما در خود عزیز داری ______ دشنام مدہ بمادر من

میں آپ کا بھی احترام کرتا ہوں اور آپ میرے اساتذہ کے منہ آتے ہیں ؟

اصل بحث

گذشتہ سات صفحے تو خارج از موضوع باتوں کے متعلق عرض کرنے میں صرف ہوئے ۔ باوجود اس کے کہ متعدد قابل جواب باتوں سے صرف نظر کیا ۔ اگر بالکل صرف نظر کر دیتا تو یہی سمجھا جاتا کہ کچھ جواب بن نہ پڑا ۔ اس لئے مفید بھی ہے کہ حدیثوں کے متعلق ایک کو دوسرے کا نظریہ معلوم ہو گیا ۔ اب پھر ان باتوں کو طول نہ دیا جائے گا ۔ ورنہ پھر اس موضوع کو موجودہ زیر بحث موضوع سے الگ کر کے مستقل طور سے ایک موضوع بحث قرار دیکر اس پر قلمی زور آزمائی کر لی جائے ۔ قلمی زور آزمائی اس لئے کہا کہ واقعہ یہی ہے ورنہ نتیجہ معلوم ہے ، کسی مقلد سے یہ توقع ، کہ جس کا وہ مقلد ہے ، اس کے خلاف وہ کسی بات کو بھی مان لے گا امید موہوم ہے ۔

اصل موضوع بحث یعنی میت کی طرف سے قربانی کے متعلق آپ نے اس زیر جواب مراسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق اب عرض ہے۔

نمبر۱) (بجواب ۱۹) عقیقہ، عتیرہ، اضحیہ اور ہدی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے کس کے پہلے سے؟ کیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پہلے سے؟ میں نے جو اپنے مراسلہ مورخہ ۳ فروری ۵۲ء کے نمبر ۲۳ میں لکھا ہے کہ "اضحیہ یا عقیقہ کی اصطلاح بعد کی ہے"۔ کیا اس سے میری مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کی اصطلاح ہے؟ میری پوری عبارت تو یہ ہے کہ "اضحیہ یا عقیقہ کی اصطلاح تو بعد کی ہے اس کو عہد ابراہیمیؑ میں تلاش کرنا عجیب بات ہے"۔ آپ اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ "عقیقہ، عتیرہ، اضحیہ، ہدی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے" ۔

آپ ہی اپنے ذرا طرز رقم کو دیکھیں ـــ میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہو گی

مولانا میرا مطلب صاف ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے اس ایثار و قربانی کی یادگاران صورتوں میں بعد کو قائم کی گئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں اس کے مناسب اوقات اور شرائط مقرر ہوئے۔ یہ کہنا کہ قربانی ایام مخصوصہ میں ہوتی ہے احمد رضا خاں صاحب یا ان کے چیلوں کی زبان سے بھلا لگتا ہے، آپ جیسے اہل علم سے بہت بعید ہے۔ یہ ایام مخصوصہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک میں مقرر ہوئے یا پہلے سے تھے؟ اگر عہد ابراہیمیؑ میں بقرعید کا مہینہ قربانی کے لئے مقرر تھا تو پھر یہ کسی حکم الٰہی ہی کے ماتحت مقرر ہوگا جو صحف ابراہیمیؑ میں مذکور ہوگا اور اس صورت میں یہ سنت ابراہیمیؑ نہ ہوگی۔ حدیث میں اس کو سنت ابراہیمیؑ کہنا غلط ہوگا، مگر اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ بقرعید کا مہینہ پہلے سے یعنی کم سے کم عہد ابراہیمیؑ سے مگر حضرت ابراہیمؑ کے خواب در واقعہ فدیہ ذبح عظیم سے پہلے سو قربانی کے لئے مخصوص تھا اور اس وقت میں بھی لڑکوں کا عقیقہ ہوا کرتا تھا جب تک آپ اس کا ثبوت نہ دیں اس وقت تک سنۃ ابیکم ابراھیم کے مطابق یہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہی کی سنت کہی جائے گی جس کو تعین ماہ وغیرہ کے قیود کے ساتھ اسلام میں رائج کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اگر قربانی کرتے تو بقرعید ہی میں کرتے یہ کس قدر لایعنی بات ہے۔ بقرعید کی تعیین جب بعد کو ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں بقرعید کی تعیین کا خیال پیدا کرنا چہ معنی دارد؟ یہ کہنا کہ "ہو سکتا ہے کہ قرآن میں فدیہ سے مراد عقیقہ ہو" کیا یہ طبعزاد حاشیہ نہیں ہے؟

اور یہ میں لکھ چکا کہ یہ اصطلاح حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت کی نہیں ہے ان کے بعد کی ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام و علے نبینا۔

نمبر۱۔ یہ میری صاف دلی کی دلیل ہے کہ میں نے لکھ دیا کہ سنۃ ابیکم ابراھیم والی حدیث کا ایک راوی شیعہ کذاب ہے میں نے یہ سمجھ کر نہیں لکھا تھا کہ آپ کو اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا مگر آپ کے نزدیک تو تلقی امت وہ بھی متاخرین امت کی تلقی حجت شرعی ہے یہ حدیث ایسی ہے جو ہر خطبے میں بقر عید کے دن تقریباً ہر ملک میں صدیوں سے پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے ضرور صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کو تلقی امت کئی صدیوں سے حاصل ہے۔

جناب محترم نے خود خدا جانے کتنے مرتبہ اس حدیث کو بقر عید کے خطبے میں پڑھا ہو گا اور سنا ہو گا۔ مگر جب میں نے اس کو ثبوت میں پیش کیا تو پہلے تو اس حدیث کے باقی ٹکڑے سے ایک غلط استدلال کر کے میرے صحیح استدلال کی تغلیط کے لئے کوشش فرمائی گئی۔ مگر اس کوشش کی بیچ انجامی مولانا تیری سلمہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کر دی۔ تو اس کو صحاح سے خارج بیہقی کی روایت قرار دے کر سرے سے اس حدیث ہی کو ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعی فرمائی گئی۔ جب بتا دیا گیا کہ یہ بیہقی کی روایت تو بقول آپ کے ہے ہی مگر صحاح سے بالکل خارج نہیں ہے سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ ابن ماجہ سے متقدم امام احمد سے بھی ان کے مسند میں مروی ہے تو اب فرمایا جاتا ہے کہ ابن ماجہ کو بعض لوگ صحاح سے خارج قرار دیتے ہیں حالانکہ خود ہی اپنے مراسلہ مورخہ ۲۸، ربیع الاوّل ۱۳۸۰ھ میں اس کو صحاح میں شمار فرمایا ہے۔ البتہ اس میں دو ایک موضوع حدیث ہونے کا ذکر کیا ہے تو محدثین نے تو اس کی صرف فضل قزوین والی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے مگر اس کے باوجود اکثریت ان ہی لوگوں کی ہے جو اس کو صحاح میں داخل کرتے ہیں، بہر حال اس کو صحاح سے خارج نہیں کہا جا سکتا۔ مسند احمد صحاح سے خارج سہی مگر بیہقی کی روایت سے تو امام احمد کی روایت ضرور قوی ہے اور مسند احمد کا درجہ صحاح سے کم ہے قطیعی اور عبداللہ بن احمد کے اضافوں کی وجہ سے ورنہ جو حدیثیں خاص امام احمدؒ سے مروی ہیں وہ صحیحین نہیں تو نسائی و ابو داؤد سے تو کم نہیں سمجھی جاتیں۔ اور یہ روایت خاص امام احمد سے ہے اور بقول آپ کے ابن ماجہ کی "دو ایک حدیث ہی موضوع ہے" اور بقول آپ کے حسب مراسلہ

مورخہ ۲۰ ربیع الاوّل بقیہ حدیثیں صحیح ہیں - اور اب چونکہ ابن ماجہ کی روایت پیش کر دی تو حسب تحریر مراسلۂ زیر نظر اس میں "بعض موضوعات کا وجود ہے"۔ پہلے مراسلہ میں اس کا صحاح میں داخل ہونا مختلف فیہ نہ تھا۔ اب جبکہ اس کی سند میں نے پیش کی تو پھر اس کو صحاح میں داخل ہونے سے اغماض سا ہو رہا ہے - اور چند لوگوں نے جو مؤطا کو صحاح میں داخل کرنے کے لئے اس غریب کو چھانٹا جا رہا ہے ان کا سہارا پکڑا جا رہا ہے - جناب کا یہ فرمانا کہ "ابن ماجہ میں موضوعات کا وجود مجھے تسلیم ہے جیسا تحریر سابق میں گذر چکا"۔ یہ بھی محل تامل ہے کیونکہ تحریر سابق میں ہے کہ" ابن ماجہ میں ایک دو حدیث موضوع آگئی جس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے"۔ یہاں موضوعات کا ذکر نہیں ہے دو ایک موضوع حدیث جس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے اس دو ایک میں یہ سنۃ ابیکم والی حدیث بھی ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس کو بیان فرمائیے اور ان محدث صاحب کا اور ان کی کتاب کا بحوالہ صفحہ پتہ بتائیے جنہوں نے اس پر نشان دے دیا ہے۔ اور اگر اس پر کسی نے موضوعیت کا نشان نہیں لگایا ہے تو یقیناً تمام محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور آپ کے بیان سابق کے مطابق اس حدیث کو آپ کے نزدیک بھی صحیح ہی ہونا چاہیئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کو صحیح نہ سمجھیں۔ موجودہ بحث میں آپ اس کی صحت کا اعتراف نہ فرمائیں یہ اور بات ہے۔ میرا یہ دستور نہیں کہ میں دینی مناظروں میں کسی ایسی بات کو جس کو میں حق یا باطل سمجھتا ہوں مجھ سے پوچھا جائے یا بے پوچھے بھی کوئی موقع آجائے تو اس کو ظاہر نہ کر دوں، یا اس کے خلاف یا مشتبہ طور سے بیان کر دوں میرے نزدیک دین میں تقیہ و کتمان و مداہنت بالکل حرام ہے۔ آپ صحاح میں ابن ماجہ کا ذکر صراحتہً فرما چکے، اس میں دو ایک موضوع حدیث کے وجود کا ذکر کیا بھی تو یہ لکھ دیا کہ اس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے۔ اس کے بعد تو آپ نے لکھ دیا کہ " **بقیہ صحیح ہیں** " "**یا حسن**"۔ اس کے بعد" اور کچھ ضعیف بھی ہیں" لکھنے کے بعد تو اس کسر کا جبر یوں فرمایا کہ حدیث ضعیف کے متعلق محدثین اور فقہا کی تصریح ہے کہ تعدد طرق سے ضعف منجبر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی صحابی یا مجتہد کے فتویٰ کے موافقت سے بھی"۔ اس کے بعد اس سنۃ ابیکم والی حدیث کو دیکھیئے۔ ابن ماجہ میں یہ حدیث ان نشان زدہ حدیثوں میں سے ہے جن پر محدثین نے نشان وضع لگایا ہے تو اس کا ثبوت دیجئے۔ ورنہ اس کا اعتراف فرمایئے کہ یہ "بقیہ صحیح ہیں" میں سے ہے یا "حسن" ہے۔ اگر آپ اس کو ضعیف

قرار دیتے ہیں تو پھر مسند امام احمد سے اس کی تائید ثابت ہو رہی ہے۔ تعدد طرق بھی ہے۔ کوئی خاص نیا حکم تو اس حدیث میں ایسا ہے نہیں، کہ مجتہدین کا فتویٰ دیکھا جائے مگر صدیوں سے اکابر علماء کا اس حدیث کو اپنے خطبہ عیدالاضحیہ میں بیان کرنا اور قربانی کو سنت ابراہیمی قرار دینا اس کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی صحت کو سبھوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے اُس کے سنت ابراہیمیؑ ہونے پر تواتر ہے۔

نمبر۲۰- آپ نے ۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ والے مراسلے میں اس حدیث کو قرآن کے خلاف بھی قرار دیا تھا۔ جس کا شافی جواب میں نے اپنے مراسلہ مورخہ ۳ فروری میں دے دیا اور اس کو ثابت کر دیا کہ یہ حدیث قرآن مبین کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی شرح ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں اپنے نمبر۲۱ میں کہ "اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث سنۃ ابیکم ابراهیم آیت قرآن کی شرح ہے یا کسی صحابی نے اس کو وفدینہ بذبح عظیم کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی صحابی نے کوئی تفسیر لکھی ہوتی تو وہ ضرور اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو لکھتے اور آپ کو کیا حق ہے یہ کہنے کا کسی صحابی نے اس حدیث کو اس آیت کی شرح میں نہیں لکھا ہے۔ آپ کا اصول قطعی تو یہ ہے کہ "عدم ذکر، ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں ہے" اس لئے آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ صحابی نہیں بلکہ صحابہؓ نے اس حدیث کو اس آیت کی شرح قرار دیا ہوگا۔ جبھی تو ساری امت قربانی کے سنت ابراہیمیؑ ہونے پر سلف سے لے کر خلف تک اجماع رکھتی چلی آرہی ہے۔

نمبر۲۱- آپ نے فرمایا ہے کہ "قربانی کی سنت قدیمہ اور سنت ابراہیمیؑ ہونے میں جو فرق بیان کیا ہے محتاج دلیل ہے، ورنہ طبعزاد اور حاشیہ" میں نے ایک بدیہی بات بیان کی ہے جس کو ہر صاحب عقل سلیم سنتے ہی تسلیم کرے، مگر دلیل بھی اسی میں موجود ہے۔ میں نے بے دلیل نہیں بیان کی ہے۔ آپ میری عبارت کو پھر پڑھ جائیے۔

نمبر۲۲- آپ نمبر۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں: "اگر قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے تو انہوں نے ایک ہی بار تو نہ کی ہوگی سنت کے لئے تو مواظبت شرط ہے۔ اگر ایک دفعہ زندہ کی طرف سے کی تھی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ مُردوں کی طرف سے کبھی نہیں کی کیونکہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے۔"

جواباً عرض ہے کہ اگر سُنت کے لئے مواظبت شرط ہے تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے

پھر دوسرے اور تیسرے سال قربانی نہیں کی، اور مواظبت نہیں رکھی کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

اور یہ کیوں سمجھا جائے کہ پھر حضرت اسماعیل و حضرت اسحٰق و حضرت یعقوب علیہم السلام نے اس سنت کو قائم نہیں رکھا کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

باقی رہی مردے کی طرف سے قربانی، وہ معدوم محض لم یکن شیئًا مذکورا ہے ورنہ حضرت جبرئیلؑ کی طرف سے حضرت میکائیلؑ کی طرف سے حضرت اسرافیلؑ کی طرف سے اور حضرت عزرائیل کی طرف سے سب کی طرف سے قربانی کرنی چاہیئے کیونکہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

مولانا مجھ کو سخت تعجب ہے کہ آپ نے پہلے مراسلے میں بھی اس فقرے کو استدلال میں پیش فرمایا ہے اور یہاں بھی، مگر یہ نہیں خیال فرماتے کہ عدم ذکر اگر ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے تو ذکر وجود کا مستلزم کیوں سمجھا جائے گا؟[۱۵۱]

حضرت ابراہیمؑ نے زندے کی طرف سے قربانی کی اس کا ثبوت ایک مرتبہ کے متعلق تو موجود ہے۔ قرآن میں مواظبت کا ذکر نہیں ہے، ایک حدیث سنۃ ابیکم ابراھیم جو فرمائی گئی، اس سے معلوم ہو گیا کہ پھر انہوں نے ہر سال اس سُنت کو قائم رکھا، اور جب انہوں نے قائم رکھا تو ان کے صاحبزادے اور پوتے پر پوتے اور متبعین نے جو ان کی سنت کے پابند تھے ان سبھوں نے ضرور اس سنت کو قائم رکھا ہوگا۔ ان قرائن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ابراہیم و آل ابراہیم علی نبینا و علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مواظبت اس سنت پر کہیں مذکور نہیں ہے تو عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے۔ اور وجود قرائن سے ثابت ہے۔ جہاں وجود قرائن سے ثابت ہے وہاں تو آپ دلیل اور ثبوت آیت یا حدیث سے طلب فرماتے ہیں، اور جہاں جہاں وجود کا وہم و گمان بھی نہیں وہاں آپ کے لئے "عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں" کی نص قطعی "ذکر وجود" کو مجسّم آپ کے سامنے لاکر کھڑا کر دیتی ہے! ان ھذا من اعاجیب الزمن!

آپ جو "عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں" کی نص قطعی کو ہر جگہ پیش کر دیا کرتے ہیں، اور اس سے "ذکر وجود" ثابت فرماتے ہیں، اگر اس طرح اہل بدعات بھی اپنی تمام بدعتوں کے بارے میں آپ کے سامنے اسی سے استدلال پیش کریں، اور ساری بدعتوں کا ذکر وجود صرف ان کے عدم ذکر

سے ثابت کریں تو کیا آپ مان لیں گے؟ اُمید ہے کہ اب آپ یہ "نص قطعی" ہر جگہ بے سوچے سمجھے کبھی استعمال نہ فرمائیں گے۔ ورنہ دوسرا بھی آپ کے ہر طلب استدلال کے موقع پر اسی "نص قطعی" کو (ص ۱۵۲) آپ کے سامنے پیش کر دے گا اور کہے گا کہ ایں ہماں سنگ است کہ برسرم زدہ بودی۔

نمبر۲۳۔ آپ نمبر ۲۳ میں تحریر کرتے ہیں کہ "آپ وفدینٰہ بذبح عظیم سے کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ نہ اس میں ایام کا ذکر ہے نہ مہینے کا۔ تو قربانی کا ثبوت نہ ہوا" یعنی آپ کے نزدیک قربانی میں ایام نحر اور ماہ ذی الحجہ شرط لازمی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کو جو قربانی کا حکم وحی ہوا تھا وہ کس مہینے اور کن دنوں میں ہوا تھا؟ اور بنی اسرائیل نے جو کہا تھا کہ (ص ۱۵۳) ان اللہ عہد الینا الا نؤمن لرسول حتے یاتینا بقربان تاکلہ النار۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم تو وہ رسول جو آئے تھے اور انہوں نے ایسی قربانی کر کے پیش کی تھی جس کو آگ کھا گئی وہ بھی کیا ایام نحر ہی کی کسی تاریخ اور ذی الحجہ ہی کے مہینے میں تھی؟ کیونکہ آپ کے نزدیک قربانی کے لئے یہ ازلی شرطیں ہیں قربانی جب سے فرض ہوئی ہے اسی وقت سے اس کو ماہ ذی الحجہ اور ایام نحر سے مقید ومشروط کر کے فرض کیا گیا تو اس کا ثبوت دیجئے کہ ہابیل وقابیل نے قربانی اسی مہینے اور انہی دنوں میں دی تھی، اور بنی اسرائیل کے ان رسول نے بھی قربانی اسی مہینے اور انہیں دنوں میں پیش کی تھی اور اگر آپ اس کے لئے بھی وہی اپنی نص قطعی "عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں" والی پیش کریں گے تو میری طرف سے بھی اسی نص قطعی کو جواب میں قبول فرما لیجئے کہ فدینٰہ بذبح عظیم کا واقعہ بقر عید ہی میں ایام نحر ہی میں ہوا ہو گا گرچہ اس کا کہیں ذکر نہیں ہے کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے۔

میرے محترم! مہینے اور ایام حضرت ابراہیمؑ کے بعد متعین ہوئے ہیں اور سنۃ ابیکم ابراھیم کے یہی معنی نہیں ہیں کہ اس پر مواظبت کر کے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت ہی میں مہینے اور دونوں کی تعیین کے ساتھ ایک سنت قائم کر دی تھی، بلکہ اضافت سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی ایسی سنت جو حضرت ابراہیمؑ کی وجہ سے قائم ہوئی۔ مگر اس تاویل کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بہت زیادہ ممکن ہے کہ اس واقعہ مذکورہ فی القرآن کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے خود ان دنوں اور اس مہینے کو معین فرما کر قربانی کی یہ سنت آل ابراہیمؑ کے لئے قائم کر دی ہو۔ کیونکہ اسلام کے قبل سے عرب میں حج اور قربانی

کا رواج چلا آرہا تھا جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ اور ہر وہ شخص جس کے کوئی بیٹا زندہ ہوتا تھا وہ قربانی کرتا تھا۔ کنوارا، لاولد یا جس کے صرف بیٹیاں ہوتی تھیں وہ قربانی نہیں کرتا تھا چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا ایک شاعر اپنے بیٹے سفاح کے مرثیے میں کہتا ہے ؎

لقدمت یاسفاح غرۃ شوال — وفی کل یوم النحر موتک یحییٰ

اس شاعر کا وہی ایک بیٹا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا، اس کی طرف سے یا اس کی وجہ سے یہ قربانی کیا کرتا تھا جب وہ بیٹا سفاح مر گیا تو اب لاولدی کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتا۔ اُس کا وہ بیٹا تو ایک ہی شوال میں مرا تھا پہلی تاریخ کو مگر ہر سال قربانی کے دن اُس کی موت اس لاولد باپ کے لئے زندہ ہو کر اس کے بیٹے کا غم تازہ کر دیتی ہے کہ سب اہل اولاد قربانی کر رہے ہیں اور یہ بھی کبھی ہر سال قربانی کیا کرتا تھا، اب نہیں کرتا۔ تو یہ دستور اور رواج کہ ذی الحجہ اور ایام نحر میں قربانی کی جائے بہت قدیم ہے۔ اس لئے بہت زیادہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہی نے اپنے وقت ہی میں یہ سنت قائم فرما دی ہو۔ ورنہ پھر بتانا چاہیئے کہ مہینے اور دنوں کی تقیید جو زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی ہے وہ کب سے ہے؟ اور یہ بھی بالکل قرین عقل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کا یہ واقعہ ذی الحجہ کے مہینے میں انہیں دنوں میں ہوا ہو۔ اس لئے بعد کو یہ سنت جو قائم کی گئی تو وہی مہینہ اور وہی دن باقی رکھے گئے۔ فدیہ اسمٰعیلی کا واقعہ تو یقیناً دن ہی کو ہوا ہوگا مگر جس رات حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا تھا، اور بیٹے سے استصواب کیا یہاں تک کہ مذبح تک لے کر پہنچے اس میں تین دن صرف ہوئے ہوں، اس لئے تین ایام نحر بعد کو قرار دیئے گئے۔ یہ سب معاملات قرائن واضحہ سے ثابت ہو رہے ہیں مگر ہر بات کے لئے آیت یا روایت کا مطالبہ آپ دوسرے سے فرمائیں گے، اور قرائن واضحہ کو طبعزاد حاشیہ کہہ کر ٹال دیں گے اور خود مُردے کی طرف سے قربانی ثابت کرنے کے لئے، جس کا کوئی قرینہ نہیں، "عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں" کی نص قطعی پیش کر کے سمجھ لیں گے کہ دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کر کے اثبات مدعیٰ کی ذمہ داری سے بالکل سبکدوش ہو گئے۔

افسوس کہ اس شاعر کے وقت میں شریک بن عبداللہ الکوفی صاحب نہ ہوئے، ورنہ وہ ضرور مردہ بیٹے کی طرف سے قربانی کر دینے کا مشورہ دے دیتے۔

نمبر۲۳- اتنی تفصیلی خامہ فرسائی کے بعد " فدیہ سے عقیقہ کا بھی احتمال' اور" یہ بھی احتمال کہ ذابح فرشتہ ہو"، " اور ذبح ولد خواب میں اور ذبح حیوان بیداری میں" اب ان باتوں پر کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا مگر یہ احتمال دیکھ کر کہ" ذبح عظیم سے ہو سکتا ہے کہ عظیم الجثہ ہاتھی مراد ہو۔ اس بحث کے خاتمہ بالخیر کی طرف سے مجھ کو بالکل مایوسی ہو گئی ۔ اگر یہ بارہ صفحے نہ لکھ چکا ہوتا تو کچھ نہ لکھتا۔ اس طرح کے احتمالات میں بھی نکال سکتا ہوں ۔ بلکہ آپ سے بہتر مثلاً وترکنا علیہ فی الاخرین سے یہ مراد لی [صـ۱۵۵] جا سکتی ہے۔ وترکنا متبعیہ علے سنتہ فی الاخرین جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امت میں ہمیشہ کے لیۓ اس سنت کو قائم کر دیا جو سنت ابراہیمی ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی ابتداء فرمائی اور ان کی صالح اولاد نے کچھ دنوں اس کو اسی طرح قائم رکھا۔ پھر لوگوں نے اس سُنتِ ابراہیمیؑ میں بدعتیں پیدا کر دیں یا اس کو چھوڑ دیا ۔ مگر پھر مسلمانوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس کو ہمیشہ کے لیۓ قائم فرما دیا ۔ کوئی ضروری نہیں کہ ہر جگہ وترکنا علیہ فی الاخرین کے ایک ہی معنی ہوں [صـ۱۵۶] کہیں وترکنا الثناء علیہ فی الاخرین اگر مراد ہے تو کہیں وترکنا علے سنتہ فی الاخرین سے مراد ہو [صـ۱۵۷] سکتی ہے ۔ خصوصًا جب حدیث سنتہ ابیکم ابراھیم اس معنی مراد کی طرف رہنمائی ذہن کی کر رہی ہے، یہ پوچھنا کہ کس صحابی نے اس حدیث کو اس آیت یا آیت فدینٰہ بذبح عظیم کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟ [صـ۱۵۸] عجیب سوال ہے! مشک آنست کہ خود ببوید' نہ کہ عطار بگوید ۔ حدیث کا مفہوم بتائے گا کہ یہ حدیث کس آیت کی شرح ہے ؟ یا کوئی شخص بتائے گا ؟ اگر کوئی شخص بتائے گا تو جب تک ایک کا مضمون دوسرے کے مطابق نہ ہو اس وقت تک کس طرح کوئی حدیث کسی آیت کی شرح سمجھی جا سکتی ہے؟ نہ یہ ضروری ہے کہ کسی حدیث کا کسی آیت کی شرح ہونا کسی صحابی کے قول سے ثابت ہو' نہ یہ ضروری ہے کہ جو حدیث کسی آیت کی تفسیر میں یا شانِ نزول میں کسی کتاب میں بھی مروی ہو، وہ حدیث صحیح ہی ہو اور وہی شرح صحیح ہو اس آیت کی ۔ بلکہ تفسیری روایتیں تو اسّی فی صد تقریباً غلط اور موضوع ہیں میری ایک مستقل کتاب تراجم المفسرین راویانِ حدیث وتفسیر کے حالات میں موجود ہے جس میں کئی سو راویانِ احادیث تفسیر کے ترجمے مذکور ہیں ۔ اور آپ خود سُدّی و کلبی و ضحاک و جویر وغیرہم کے حالات سے بے خبر نہ ہوں گے اور یہی لوگ تفسیری حدیثوں کے امام ہیں ۔ مولانا! میں کیا عرض کروں ؎

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں ۔

نمبر۲۵۔ مولانا! آپ کے زہد و ورع سے یہ امید نہیں کہ آپ مجھے قصداً مغالطہ دینا چاہتے ہیں، اور آپ کے علم و فضل سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ نادانستہ اس طرح کے استدلات آپ کے قلم سے نکل جاتے ہیں۔ مجھکو سخت حیرت ہے کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ صفحہ ۱۵۹ من لم یصل من امتی اور صفحہ ۱۶۰ من لم یضح امتی دو مرکب ناقص ناتمام فقرے پیش کر کے دونوں کا تقابل دکھلاتے ہیں اور من لم یصل و کان من شانہ ان یصلی و من لم یضح و کان من شانہ ان یضحی کے ناتمام فقرے دو۲ مرکب ناقص پیش کر کے تقابل عدم و ملکہ کے دو کھلونے دکھا کر آپ مجھے بہلا دے رہے ہیں!

اگر آپ صرف تقابل عدم و ملکہ کی دو مثالیں پیش کر رہے ہیں اس سے قطع نظر کر کے کہ ان سے کوئی دعویٰ ثابت کریں تو بے شک یہ دو مثالیں تقابل عدم و ملکہ کی ہیں۔ لیکن اگر ان مثالوں سے کوئی دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو جب تک پورا جملہ بنا کر پیش نہ کریں کیونکر کوئی بات ثابت ہوگی۔ مثلاً جیسے یوں ہوں صفحہ ۱۶۱ من لم یصل فلا یحضُرَنّ المسلمون جنازتہٗ اور من لم یضح فلا یقربن مصلے المسلین۔ کیا آپ ان جملوں میں غیر مصلّی اور غیر مضحی مُردوں کو بھی شامل سمجھیں گے؟ من لم یصل میں فرعون و ہامان بھی داخل ہیں۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ فرعون و ہامان کے جنازے کی شرکت سے منع کیا جا رہا ہے؟ اسی طرح من لم یضح میں وہ مصلین بھی سمجھے جا سکتے ہیں جو اس قول کے کہنے سے پہلے ہی مر چکے ہیں کیا اُن کو بھی قرب مصلّٰی سے ممانعت یہاں سمجھی جائے گی؟ کوئی کہے کہ کیا زندہ و مردہ برابر ہو سکتے ہیں تو کیا اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاں برابر ہو سکتے ہیں کیونکہ جو آج مردہ ہے وہ بھی کبھی زندہ تھا۔ اور جب زندہ تھا تو اس زندہ کے برابر تھا۔ متقابلین میں جب تک اتحاد زمانی نہ ہو، بعض مواقع میں تقابل صحیح نہ ہوگا۔

صفحہ ۱۶۲ میں نے یہ پوچھا تھا من قتل قتیلا فلہ سلبہ میں آپ ہابیل و قابیل سے لے کر اس حدیث کے فرمانے کے قبل تک کہ تمام گذشتہ قاتلین و مقتولین کو داخل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ من امن باللہ والیوم الآخر میں کیا وہ مردے بھی داخل ہیں جو مرنے کے بعد ایمان لائے؟ تو آپ نے کچھ جواب نہ دیا اسی طرح من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ میں کیا وہ مردے بھی داخل ہیں جو مرنے کے بعد اقرار توحید کریں گے؟ آپ ان باتوں کا تو جواب نہیں دیتے اور ناتمام فقرے لکھ کر مغالطہ دینا چاہتے ہیں؟

مجھ کو بھی آٹھ برس کی عمر سے یاد ہے کہ —

چار جا ماضی در آید معنش مستقبلہ ۔۔۔ بعد شرط و ہم جزا و ہم دعا و ہم صلہ

مگر میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ عمن لم یضح من امتی میں لم یضح ماضی ہی کے معنی میں یا مستقبل کے معنی میں ؟ دونوں تو ہو نہیں سکتا۔ ایک ہی زمانہ آپ مراد لے سکتے ہیں۔ حال واستقبال کا اجتماع ممکن ہے، ماضی و مستقبل کا اجتماع آپ کس طرح جائز کہیں گے ؟ جو آپ مُردوں کو بھی داخل کریں گے، اور قیامت تک سارے پیدا ہونے والے مسلمانوں کو بھی داخل سمجھتے ہیں۔ بہرحال آپ شوق سے مستقبل کے معنی میں لیجئے۔ مگر اس سے مردوں کی طرف سے قربانی ثابت نہ ہو سکے گی جو آپ کا اصل دعویٰ ہے اور یہی اس وقت موضوع بحث ہے۔ زمانۂ ماضی میں جنہیں صلاحیت تھی اور زمانۂ ماضی میں جو قربانی نہ کر سکے اُن کی طرف سے تو وہ قربانی نہ ہو سکی۔

نمبر ۲۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے" لم یضح حرف من کے تحت میں ماضی نہیں رہتا کیونکہ نحاۃ کی تصریح ہے کہ اسماء موصولہ میں معنی شرط موجود ہیں، اور ماضی تحت الشرط ماضی نہیں رہتی ۔ من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ۔ من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاءہ وغیرہ بکثرت نظائر موجود ہیں"۔

اسم موصول اور شرط دونوں کے متعلق جناب نے مسامحت فرمائی الذین اوتوا الکتٰب قرآن مجید میں بیسیوں جگہ ہے کیا یہ اُوتُوا بمعنی یُؤتوا ہے اور آپ اسی کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کتاب دیئے جائیں گے ؟ اور اذ قال ربک للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کیا یہاں قال بمعنی یقول اور سجدوا بمعنی یسجدون ہے ؟ آپ شاید فرمائیں کہ اذا مستقبل کے لئے اور اذ ماضی کے لئے مخصوص ہے اور یہاں اذ ہے اس لئے ماضی بمعنی مستقبل یہاں نہیں بن سکا۔ اور الذین کی بھی نہیں سہی مَن کی مثال دکھاؤ۔ تو لیجئے من کی مثال بھی حاضر ہے من قال سانزل مثل ما انزل اللّٰہ الایۃ میں کیا قال بمعنی یقول ہے ؟ اور فمنھم من امن بہ ومنھم من صدّ عنہ میں کیا آپ اٰمن کو بمعنی یؤمن اور صد کو بمعنی یصد سمجھتے ہیں ؟ مولانا ! میں نے نحو میں ایک عمر صرف کی ہے ع ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است۔ ماضی تو ماضی ہے، یہ کبھی مضارع پر آتا ہے اور پھر بھی مستقبل کے معنی میں وہ مضارع نہیں ہوتا۔ جیسے ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین ۔ یہاں من یقول میں یقول بمعنی حال ہے،

اور بمعنی ماضی اگر لیا جائے تو لیا جاسکتا ہے مگر بمعنی مستقبل نہیں لیا جاسکتا۔ ترجمہ کرکے دیکھ لیجئے بے شک من ماضی کو بمعنی مستقبل بھی بنا دیتا ہے مگر جہاں صاف شرط کا مفہوم موجود ہو یا مضمون جملہ اس کا متقاضی ہو ورنہ شرط و جزاء میں بھی کبھی ماضی ہی کے معنی باقی رہتے ہیں۔ مثلاً دارالکفر سے فوج واپس آئے اور خلیفہ اسلام سپہ سالار سے اس سفر کی رپورٹ پوچھے، وہ جواب یوں کہے من قاتلنا قاتلناہ و من سالمنا سالمناہ یہاں وہی ماضی کے معنی لئے جائیں گے مستقبل کے معنی نہیں لئے جاسکتے۔ کیونکہ کہنے والا زمانہ ماضی کا واقعہ بیان کر رہا ہے اور پوچھنے والے نے بھی زمانہ ماضی ہی کی رپورٹ پوچھی تھی۔

نمبر ۲۔ جناب تحریر فرماتے ہیں کہ " من لم یصل من امتی زندہ مردہ بے نمازیوں کو شامل ہے یا نہیں؟ اسی طرح من لم یضح من امتی ہے۔ ای من لم یضح و کان من شانہ ان یضحی فی حیاتہ۔ فرمائیے اب تقابل عدم ملکہ سے آپ کا مدعا کیونکر ثابت ہوا؟ "

آپ کا علم و فضل مشہور و معروف ہے۔ اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ تقابل عدم و ملکہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس لئے زیادہ گمان اسی کا ہے کہ جان بوجھ کے مجھے مغالطہ دے رہے ہیں۔

صفحہ ۱۶

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   و ان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

مجھے درس سے فراغت حاصل کئے ہوئے ۴۷ برس ہوگئے ۱۴ سال تک ایک مدرسہ میں تدریس کا مشغلہ بھی رہا مگر زیادہ تر حدیث و تفسیر اور کچھ ادب کی کتابیں پڑھاتا رہا۔ معقولات کے پڑھانے کا بہت کم موقع ملا۔ پھر بھی وہ ۴۷ برس قبل کا اپنا پڑھا پڑھایا ہوا اب تک بفضلہ تعالیٰ بہت کچھ یاد ہے۔ جناب سے گذارش ہے کہ مدرسہ عالیہ کے کتب خانے میں شرح حکمۃ العین، شرح مواقف اور اس پر عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ ضرور ہوگا۔ میرے ساتھ یہاں یہ کتابیں نہیں ہیں ورنہ صفحات کی تعداد بھی لکھ دیتا۔ میں اپنے ساتھ معقولات کی کتابیں گویا بالکل نہیں لایا۔ مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو کتاب بھی ہو تقابل عدم و ملکہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ اب یاد نہیں ہے کہ شرح حکمت العین میں ہے یا شرح مواقف میں ہے یا حاشیہ عبدالحکیم میں مگر تقابل عدم و ملکہ کی یہ تعریف انہیں کتابوں میں سے کسی کی عبارت تقریباً مجھے یاد ہی ہے کہ ان اعتبر نسبۃ المتقابلین الی قابل الامر الوجودی و اعتبر قبولہ لذلک الامر فی ذلک الوقت۔ فھما العدم و الملکۃ کالکوسج فانہ عدم اللحیۃ عما من شانہ اللحیۃ فی ذلک الوقت۔ وکذلک لایقال للمراۃ لان اللحیۃ لیست من شانھا۔ مفہوم بالکل یہی ہے الفاظ کچھ ضرور بدل گئے ہوں گے اور پھر عقل بھی چاہے ایک عامی ہی کی کیوں نہ ہو اتنی شہادت ضرور دے گی کہ اگر اتحاد زمانی ملحوظ نہ ہو تو پھر اجتماع

ضدّین و اجتماعِ نقیضین سب جائز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ تجرید یا شرح تجرید میں ہے کہ تقابلِ عدم و ملکہ گویا تقابلِ سلب و ایجاب ہے باعتبار نسبت کے ۔ اور یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی کی کسی کی طرف نسبت ایجابی آج کی جائے اور کل ہی اسی بات کی نسبت سلبی اسی شخص کی طرف کی جائے ۔ تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف نسبت ایجابی اور اسی بات کی نسبت سلبی کر کے اجتماعِ ضدین دکھا دیا گیا ؟

مولانا ! آپ نے ناتمامی جملے سے یا خود دھوکا کھایا ، یا دھوکا دینا چاہا ہے ۔ من لم یصل من امتی تو صرف مبتدا ہے خبر بیان کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس جملے میں من یصل ۔ میں آغازِ بعثت سے قیامت تک کے غیر مصلی مسلمان مراد ہیں یا صرف اسی وقت یا بعد کے ۔ اچھا یوں سمجھئے ، اگر آپ یوں فرماتے عام دسترخوان بچھوا کر کہ ھذا الطعام لمن لم یصح من امتی ، تو کیا آپ اس کھانے میں بھی مُردوں کو اور قیامت تک پیدا ہونیوالے مسلمانوں کو حصہ دار سمجھتے ؟ اور موجودہ مسلمان سب کھا جاتے تو آپ ان کھانے والوں کو خائن سمجھتے کہ انہوں نے مردہ مسلمانوں کا اور آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں کا حصہ بھی کھا لیا ؟ اب میں آپ کے پیش کردہ مصرعہ کو واپس کرتا ہوں کہ ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است ۔

نمبر۲۔ آپ اپنے نمبر ۴ ۲ میں پھر مکرر لکھتے ہیں کہ "آپ قرآن سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے" ۔ تو اولاً عرض ہے کہ اگر آپ اپنی نصِ قطعی " عدم ذکر ، ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں " سے سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں ، اور ثابت کر گئے ۔

(عقیقہ کا جواب)

حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ فدیہ کے وقت عقیقہ کا رواج جب تک آپ ثابت نہ کریں اس وقت تک آپ کا یہ فرمانا کہ وہ فدیہ عقیقہ تھا آپ کا طبعزاد اور حاشیہ ہے ۔ اور اس فدیہ کو اضحیہ کی بنیاد کہنا میرا طبعزاد نہیں بلکہ اس حدیث کی بنیاد پر ہے اور اس فدیہ کے عقیقہ نہ ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ عقیقہ بچّے کی پیدائش کے ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن چاہیئے ۔ اضحیہ کیلئے تعین ماہ و تاریخ ضروری ہے اور عقیقے کے لئے دنوں کی کوئی تعین نہیں ۔

جب بچہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے یا باپ کی جدوجہد میں شریک ہونے کی عمر کو پہنچ جائے ۔ اس عمر میں عقیقہ نہیں ہوتا اور پھر عقیقے میں بچے کا سر بھی مونڈا جاتا ہے اور یہاں سر نہیں مونڈا

گیا بلکہ ان کو زمین پر منہ کے بل لٹایا گیا۔ اضحیہ سے عقیقے میں فدیہ جان کیوں نمایاں ہے اسں کی دلیل بھی آپ نے نہیں لکھی غرض آپ جو کچھ چاہیں یہ دلیل لکھے جائیے۔ اور صرف عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں کی نص قطعی پیش کیئے جائیں۔ اور دوسرے کی آفتاب سے زیادہ روشن دلیلیں آپ کو ایک کرمک شتاب کے برابر بھی نہیں نظر آتیں۔ اسں کا کیا جواب ہے۔

نمبر۲۹۔ قربانی کا کارِ ثواب ہونا مجھ کو ضرور تسلیم ہے مگر حدیث حضرت علی رضؓ کو میں موضوع ثابت کر چکا۔ دوسری کتابوں میں اگر اس کو موضوع نہیں لکھا ہے تو عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ آخر جبھی تو امام بخاری و امام مسلم وغیرہما نے اس حدیث موضوع کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا۔

"ایک ثواب کا انتقال جب حضورؐ کی طرف ہو سکتا ہے" یہ صغریٰ ہی غلط ہے۔ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے ہو سکتا ہے۔

بفرض محال تجربات کہی جائے گی وہ محال ہی ہو گی اور اس کی بنیاد پر تجربات کہی جائے گی ناقابلِ تسلیم ہی ہو گی۔ ص ۱۶۹

نمبر۳۰۔ اللھم صل علے آل ابی اوفی کی سُنت پر عمل کرنے کے لئے آپ بھی ہر شخص کیلئے اللھم صل علے فلاں پھر کیوں نہیں کہتے اور آخر سنت مردہ کو آپ جیسے احیائے سنت کرنیوالے بھی زندہ نہ کریں گے تو کون زندہ کرے گا۔ بے شک یہ تو ایک دعائے رحمت ہے اور ایسا طریقہ دعائے رحمت کا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے اخذ کیا گیا ہے تو پھر افراد امت اس سے کیوں محروم رہیں فلاں صلی اللہ علیہ وسلّم اور فلاں صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم آج سے تو شروع کر دیا جائے۔

مولانا لفظی بحثیں چھیڑنے اور تحریر کو طول دینے پر آپ مجھے مجبور فرما رہے ہیں۔ ورنہ مجھے شوق نہیں ہے کہ اپنا وقت اور کاغذ برباد کروں۔ ضروری کاموں کو چھوڑ کر اس میں وقت صرف کر رہا ہوں، جو مجھ پر سخت جبر ہے۔

نمبر۳۱۔ بجواب نمبر۲۷ یہ نص قطعی تو مجھے بھی خوب اچھی طرح یاد ہو گئی کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ اب میں اس کو کبھی بھول سکتا ہوں؟ فانہ بلاشک ص ۱۶۵ ولا مرا د کل الصید فی جوف الفرا۔ اس لئے بے شک اس کے بعد" ساری گفتگو بیکار ہے"۔

نمبر۲۳- بجواب نمبر۲۶ میری مایوسی کی وجہ آپ نے تسلیم فرمائی۔ مگر وجہ جو آپ نے لکھی ہے وہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب اپنے اکابر اپنے آباء واجداد کے مقلد تام ہیں۔ اپنے خاندانی روایات کے مطابق آیات واحادیث کو کھینچا کرتے ہیں اور اس طرح سمجھ لیتے ہیں کہ ہم آیات واحادیث کا اتباع کرتے ہیں اور میں آباء واجداد وشیوخ واساتذہ کسی کا بھی مقلد نہیں۔ سب کی سنتا ہوں مگر قرآن مبین اور قرآن مبین کے مطابق احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھ کر انصاف اور دیانت سے غور کرتا ہوں فھدی اللہ الذین امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ کے مطابق ہدایت الہیٰ میری دستگیری فرماتی ہے اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کا وعدہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ پورا فرماتا ہے۔ فالحمد اللہ علے ذلک۔ اس لئے میری اور آپ کی رائے میں بون بعید ہے جبکہ میں اتنا صاف طور سے پہلے نہیں سمجھا تھا۔

صفحہ ۱ بیلہ کے اسناد میں صرف ایک رافضی ہے اور باقی سب آئمہ حدیث اور پھر اس کا مضمون بھی بالکل قرآن کی تفسیر کے مطابق تلقی امت اس کو اس قدر حاصل کہ صدیوں سے ہر ملک میں خطبہ عید الاضحیٰ میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے اور اسی حدیث کی بنیاد پر ساری دنیائے اسلام قربانی کو سنت ابراھیمیؑ جانتی اور کہتی آئی ہے اس لئے سلسلۂ اسناد میں صرف رافضی کذاب کے آجانے سے یہ حدیث اتنے دلائل صحت کے باوجود غلط نہیں کہی جا سکتی۔ بلکہ صحیح ہی تسلیم کی جائے گی اور ساری دنیا اس کو صحیح ہی تسلیم کئے ہوئے ہے اور یقیناً اس سے پہلے آپ بھی اس حدیث کو صحیح ہی سمجھتے تھے اور خدا جانے کتنے مرتبہ عید الاضحیٰ کے خطبے میں پڑھی اور سنی ہو گی تو میں نے بھی اگر اس حدیث صحیح کو حجت وسند قرار دیا تو کیا غلطی کی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث کے اسناد میں تقریباً سب کے سب شیعے، منکر اور باطل حدیثوں کے روایت کرنے والے متعدد، ترمذی جس کو محمد بن عبید المحاربی الکوفی سے روایت کرتے ہیں یہ بھی شیعہ گو ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کے تشیع کا ذکر نہیں کیا ہے مگر لاباس بہ کے سوا اور کچھ لکھا بھی نہیں ہے اور آپ لاباس بہ سے ناواقف نہ ہوں گے۔ مگر شیخ حلّی نے کتاب رجال صـــ میں ان کو شیعہ قرار دیا ہے اور ثقہ لکھا ہے۔ اور ابوداؤد جس کو عثمان بن ابی شیبۃ الکوفی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ شیعہ تھے یا نہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم مگر قرآن مجید کے

ساتھ ٹھٹھا برابر کرتے تھے ۔ امام ذہبی اور ابن حجر دونوں کو اس کا اعتراف ہے کہ[1] کان یصحف فی القرآن اور پھر مثال میں ان کی کئی تصحیفیں بھی پیش کی ہیں مثلاً فضرب بینھم بسور لہ باب جو سورہ حدید کے دوسرے رکوع میں ہے اس کو لیسنّور لہ باب پڑھتے تھے کوئی ٹوکتا تھا تو کہہ دیتے تھے کہ میں نافع کی قراءت کا پابند نہیں ہوں اور اسی طرح کئی مثالیں ان کی تحریف و تصحیف کی مذکور ہیں مگر چونکہ بخاری میں ان سے ۵۲ اور مسلم میں ۱۳۵ حدیثیں مروی ہیں اس لئے بڑے ثقہ سمجھے جاتے ہیں مگر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان سے بہت سے افراد غرائب مروی ہیں ۔ اور قرآن میں ان کی تصحیفوں کا ذکر کرکے امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ ثمہ[1] تاب ۔ کوئی صاحب انصاف غور کرے کہ جو شخص قرآن مجید میں تصحیف کرتا ہو، حدیثوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہوگا ۔ مگر زبان کون کھول سکتا ہے بخاری و مسلم جیسے دو دو امام حدیث ان سے روایت کر رہے ہیں غرض پورے سلسلۂ اسناد میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو نکھ سکھ سے درست کہا جائے ۔ ے دیگر ایک حکم بن عُتَیبہ ہیں مگر ان کو بھی تشیع نے مشتبہ کردیا ۔ یہ حالت اس کے راویوں کی ہے ۔ مضمون کے اعتبار سے قرآن مبین کی نص صریح کے خلاف عقل و درایت کے خلاف ۔ اور سنت متوارثہ کے خلاف، ایسی حالت میں اس حدیث کو غلط اور موضوع نہ کہنا درحقیقت اتباع سنت کو الٹی چھری سے ذبح کرنا ہے ۔

نمبر ۳۳ ۔ میں نے کان المسلمون یسمعون ہی والی حدیث نقل نہیں کی ہے، اور پھر قربانی نہ کرنے پر تہدید بھی کی گئی ہے مگر ان باتوں کی تفصیل اس کو بتائی جائے جو نہ جانتا ہو ۔ تجاہل عارفانہ کیا جائے تو کیا جواب دیا جائے ۔

نمبر ۳۴ ۔ علی سبیل التسلیم میں "تسلیم" پر الف لام عوضاً عن المضاف الیہ ہے ۔ میری مراد ہے علی سبیل تسلیمکم یعنی آپ کی تسلیم پر ۔ وہ بھی اگر میں نے ایسا کہیں لکھا بھی ہے مگر میں نے تو یہ لفظ کہیں لکھا ہی نہیں ہے ۔

جو لوگ اس حدیث کو صحیح مان رہے ہیں ان کو سوچنا چاہیئے کہ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو حکم و وصیت تو اگر کسی نے کسی کو حکم کیا ہو، وصیت کی ہو تو اس حدیث کے مطابق آپ کے نزدیک اس کو اُس کے مرنے کے بعد اُس کی طرف سے قربانی کردینی چاہیئے ۔ بغیر حکم و وصیت کے تو یقیناً آپ کے

نزدیک بھی مردے کی طرف سے قربانی خلاف سنت ہی ہونی چاہیئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام وصیت تمام مسلمانوں کو اس حدیث میں مذکور نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حکم دیا، مجھے وصیت کی۔ اس لئے یہ وصیت خصوصی ہوئی خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص حضرت علیؓ کو۔ اس سے ہر شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا مُردے کی طرف سے قربانی کا جواز پھر بھی کسی طرح نہیں نکلتا۔

اور میں نے تو "علے سبیل التسلیم" کا لفظ لکھا بھی نہیں ہے یہ لفظ آپ نے میری عبارت میں اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ آپ جیسی محترم ہستیوں سے احقاق حق کے مناظروں میں یہ روش بہت افسوسناک ہے غرض مجھ پر مخواہ تسلیم کا اتہام کر کے مصادرہ علی المطلوب کرنا اور پھر اس اتہام کے ذریعے مصادرہ کے الزام سے اپنی برأت کرنا کہاں تک آپ کے لئے زیبا ہے آپ خود غور فرمائیں۔

نمبر ۲۵۔ فقط حضرت علیؓ ہی کے لئے خصوصیت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت۔ اور میرا دعویٰ ہرگز بلا دلیل نہیں۔ اگر دوسرے اس حکم اور وصیت میں حضرت علیؓ کے شریک ہوتے تو حضرت علیؓ کبھی امرنی اور اوصانی نہ فرماتے۔ بقول راوی حضرت علیؓ نے صیغۂ واحد متکلم دونوں روایتوں میں استعمال فرمایا ہے یہ ایک واضح دلیل ہے خصوصیت حضرت علیؓ کی۔ اس کے علاوہ اس کی تائید اس سے بھی ثابت ہے کہ اس حضرت علیؓ والی حدیث موضوع کے سوا اور کسی صحابی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت کسی کتاب میں نہیں دکھائی جا سکتی۔ عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں تو ذکر وجود کا بھی مستلزم نہیں۔ حضرت علیؓ کا صرف واحد کا صیغہ استعمال فرمانا اس کی تائید کر رہا ہے کہ کبھی کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ اور پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی نہ اپنے لئے کسی کو وصیت کی نہ ان کے لئے کسی نے کی۔ اور عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں تو ذکر وجود کا بھی مستلزم نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں کی خصوصیت اس روایت سے ثابت ہے جو شخص اس روایت موضوعہ کو صحیح تسلیم کرتا ہے اس کو ان دونوں خصوصیتوں کے ساتھ تسلیم کرنا چاہیئے ورنہ وہ اس حدیث کا سہارا پکڑ کے صرف اپنے آباء و اجداد کی مخترعہ رسم کا متبع ہے حدیث کا متبع نہیں۔

"صرف حضرت علی رضؓ سے مروی ہونے کی وجہ سے خصوصیت سمجھنا جاہلوں ہی سے ہو سکتا ہے"
میں نے کب یہ وجہ بتائی ؟ آپ ایک من گھڑت وجہ اپنی طرف سے قائم کر کے لگے اس کا جواب دینے جو وجوہ
اس خصوصیت کے میں نے لکھے، چونکہ ان کا کوئی جواب نہ تھا بجز عدم ذکر عدم کا مستلزم نہیں والی نص
قطعی کے، اس لئے ایک وجہ اپنی طرف سے لکھ کر آپ میرے سر پہ تھوپتے ہیں اور اس کا جواب پُر زور
طریقے سے دے کر پوچھتے ہیں کہ "آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی یہ طرز گفتگو کیسی ہے"۔ آپ کے آباؤ اجداد
ہوں یا میرے آباء و اجداد مدینے سے تو سب آئے اور اسلام، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکواۃ
اور قربانی سب مدینے سے ضرور لائے تھے۔ بلکہ اتنا ہی لائے تھے اس کے علاوہ اگر کوئی چیز لائے تھے
تو وہ قرآن اور سنت متوارثہ تھی جس کو تعامل کہتے ہیں۔ مگر یہاں آنے کے بعد ان کے گلے رفتہ رفتہ
اور کیا کیا چیزیں پڑتی گئیں، صوفیانہ اذکار و اشغال جو تابعین و اتباع تابعین تک مروج نہ تھے۔
جنہیں حکمائے امت نے اس وقت نکالا تھا جب بُعد زمانہ نبوت کی وجہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے
اور صرف نماز، روزہ، حج و زکواۃ، تلاوت کتاب اللہ سے تزکیۂ نفس ہو نہیں سکتا تھا یہ سب
چیزیں اور پھر شادی بیاہ ولادت و موت و بعد از موت کی رسمیں مولود خوانی و قیام اور شب برات کے
حلوے پھر محرّم کی عزاداری اور گیارھویں رجبی وغیرہ جو کم و بیش ہر خاندان میں مروّج چلی آرہی ہیں
کیا یہ ساری کی ساری چیزیں مدینہ طیبّہ ہی سے ساتھ آئی تھیں ؟ کچھ زمانہ تیمور سے کچھ اس سے
پہلے سے کچھ اس کے بعد پیدا ہوئیں اور پھیلیں کم و بیش کونسا خاندان ہے جس میں ان کی کچھ نہ کچھ
باتیں نہ ہوں۔ اہلِ علم کا خاندان ذرا سنبھل سنبھل کر ان چیزوں میں مبتلا ہوا اور حیلہائے شرعیہ
و روایت کشی کر کے ذرا شستہ و صاف بدعات میں مبتلا ہوا اور عوام گندے طور سے پھنسے۔ مگر
تقریباً سب کے سب پھنسے۔ اِلّا مَنْ رَحِمَ رَبِّی۔ ہر شخص یہ دعوے کر سکتا ہے کہ وہ اِلّا میں ہم
اور ہمارے خاندان والے یا ہمارے فرقے والے ہی ہیں۔ مگر کس کا دعویٰ سچا ہے اور کس کا
جھوٹا یہ خود ہی دیانت کے ساتھ ہر شخص اپنے اور اپنے اسلاف کے متعلق غلو و پالالیش سے الگ ہو
کر سوچ لے اور سمجھ لے تو زہے توفیق۔ ورنہ پھر اس کا فیصلہ قیامت ہی میں ہو گا۔ یہاں اس کے
متعلق باہم جھگڑنا فضول ہے۔ بہرحال میری کوئی طرز تحریر ناگوار گذری ہے تو معافی کا طالب ہوں۔
نمبر۲۶۔ اگر میں صرف اپنے آباؤ اجداد، ہی کو طریقۂ نبوی سے ہٹا ہوا پاتا تو سمجھتا کہ میرے آباؤ اجداد

نالائق تھے اور دوسروں کے آباء و اجداد لائق، مگر گستاخی معاف، آپ نے جو اپنے عقائد و اعمال کا نمونہ ان تحریروں کے ذریعے پیش فرمایا ہے اور اس کو اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ بتایا ہے تو میں آپ کے آباؤ اجداد کو بھی تو اپنے آباؤ اجداد کا ہم مشرب و ہم مسلک ہی پاتا ہوں نامبارک تو اس کو ہونا چاہیئے جو اجداد پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت دی ہے اور وہ اس بصیرت کی بدولت اچھے بُرے کی تمیز اپنے گھر اور اپنے خاندان میں بھی کرتا ہے اور دوسروں کے گھر اور دوسروں کے خاندان میں بھی، اس کو نامبارک سے کیا واسطہ۔ اس کے بعد اشخاص و افراد پر نکتہ چینی میں جائز نہیں سمجھتا۔ جن بزرگوں کے نام آپ نے گنائے ہیں میں ان سب کو اپنے بزرگوں کی طرح بزرگ و محترم ہی سمجھتا ہوں رحمہم اللہ تعالےٰ وضاعف اجورحسنا تہم وتجاوزعن زلاتہم۔ مگر پھر عرض کروں گا کہ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تُسئلُونَ عما کانوا یعملون۔

نمبر۲۔ حدیثوں کے ذخیرے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا اہل بدعت کو کون موقع دے رہا ہے، اس کا فیصلہ بھی اگر ہم لوگ بطور خود اپنے اپنے دل میں نہیں کر سکتے تو پھر قیامت ہی میں ہوگا۔ ایک بات ذہن میں آئی تھی جو کہدی۔ جانے دیجئے۔

نمبر۳۔ قربانی میں دو فائدے ہیں ایک دنیاوی اور ایک دینی۔ دنیاوی فائدے بھی دو طرح کے ہیں نمبر۱ جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کی جان کا فدیہ، اور جن لوگوں میں گوشت تقسیم ہو یا جنہیں کھال کی قیمت ملے ان کے لئے رزق و کفاف اور دینی فائدہ ثواب آخرت کا ہے۔ مگر فدیہ و ثواب کا فائدہ قربانی کرنے والے کے تقویٰ پر موقوف ہے۔ اگر کوئی کسی کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اس کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جا سکتا ہے مگر ثواب اسی کو ملے گا جس نے قربانی کی ہے اور وہ جانور جس کی ملک تھا کیونکہ اسی کے تقویٰ کی بدولت وہ قربانی قبول ہوگی اسی لئے نابالغ بچوں کی طرف سے لوگ قربانی کرتے ہیں تو ان بچوں کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جاتا ہے، مگر ثواب قربانی کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔ اور اسی لئے مردے کی طرف سے قربانی ایک فعل لایعنی اور بدعت ہے کہ اس کی جان کا فدیہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اور ثواب اس کو مل نہیں سکتا۔ کیونکہ ثواب تقویٰ پر موقوف ہے جب تک تقویٰ منتقل نہ ہو ثواب منتقل ہو نہیں سکتا اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں۔

تو زندہ کی طرف سے قربانی اگر اس کی طرف سے فدیہ دینے کی نیت سے ہے تو بالکل صحیح اور جائز ہی

نہیں بلکہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو اپنی امت موجودہ کی طرف سے قربانی کی تو اسی حیثیت سے جس کی تصریح میں لکھ چکا ہوں ۔ میں اس کا انکار کس طرح کر سکتا تھا ، اور کہاں کیا ہے ؟ مگر جس زندہ کی طرف سے قربانی کی جائے اس کو ثواب پہنچانے کے لئے کسی کی نیت اگر ہو تو اسی سے مجھے انکار ضرور ہے ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جانور ہی کسی کو دے دیا جائے کہ وہ اس کو اپنی طرف سے قربانی کرے گا یا گائے یا اونٹ میں ایک حصہ دیدیا جائے ۔ قربانی سے پہلے تو چونکہ وہ جانور یا وہ حصہ اب اس کی ملک ہو گیا اور اس نے اپنے ملک کی قربانی کی اس لئے اس کی جان کا فدیہ بھی ادا ہوا اور اس کو ثواب بھی ملے گا ۔ اور اس دینے والے کو دینے کا ثواب الگ سے ملے گا ۔ مگر مُردہ کے نام سے ہبہ بھی صحیح نہیں کہ مُردوں کے لئے بھی یہی صورت[1] اختیار کی جائے ۔

باقی رہا زندہ کی طرف سے حج بدل اگر جائز ہے تو پھر نماز بدل و روزۂ بدل و زکوٰۃ بدل بھی ہونا چاہیئے حج بدل کی روایتیں سب کی سب مخالف قرآن اور خلاف درایت اسلامیہ ہیں ۔ جن پر پوری بحث میری کتاب القول الصواب فی مسئلۃ ایصال الثواب میں منقول ہے ۔ جس کا ذکر ہی کر چکا ہوں ۔ یہی حال میت کی طرف سے یا کسی دوسرے زندہ کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا ہے دعائے رحمت و مغفرت اور ایصال ثواب اور کوئی عمل خیر نیابۃً عن الغیر کی بحث میری اس کتاب میں مفصل ہے ۔ فمن شاء فل یرجع الیہ میں اپنے مسلمات سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹا ۔ شروع بحث سے جو کہتا آ رہا ہوں وہی اس وقت تک کہہ رہا ہوں ۔ میں نے کب اور کہاں ان بدعات کے جواز کا اعتراف کیا ہے ؟

ھ ۱۶۹

نمبر۳۹ ۔ بجواب نمبر ۳۰، نمبر ۳۱ و نمبر ۳۲ آپ تحریر فرماتے ہیں " ینالہ التقوی منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ تقویٰ اس عمل کا ثواب دلوائے گا ؟ کیا تقویٰ اللہ تعالیٰ سے

---

[1] نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی یا صدقۂ فطر مسنون ہے اس لئے کہ یہ چیزیں جانی فدیہ ہو جاتی ہیں مگر نابالغوں کی طرف سے نماز یا روزہ یا حج وغیرہ جائز نہیں کیونکہ کسی دوسری عبادت کا مقصد دنیا میں ردّ بلا و فدیۂ جان نہیں ہے بجز قربانی اور صدقۂ فطر کے اسی لئے ان میں نابالغ بچوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے مگر مُردوں کو کبھی شامل نہیں کیا گیا اگر اس سے مُردوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے تو یقیناً دوسروں کی طرف سے بھی قربانی و صدقۂ فطر کا رواج از روئے سنت ہوتا ۔

ثواب کا مطالبہ کرے گا؟"

اس کے بعد آپ ہی فرماتے ہیں "ہاں اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیں گے" اوّل تو جو الفاظ آپ نے میری طرف منسوب فرمائے وہ میرے الفاظ ہی نہیں۔ آپ نے میرے الفاظ کو مسخ کر کے نقل فرمایا ہے۔ میری عبارت یوں ہے "ہر عمل کا تقویٰ کے زیر اثر ہونا ضروری ہے، جب تک تقویٰ کے زیر اثر نہ ہو، اس عمل کا کوئی ثواب نہیں۔ گویا اس عمل والے کا تقویٰ بارگاہ الہٰی میں پہنچ کر اس عمل کا ثواب اس کو دلوائے گا" آخر کی عبارت محض تمثیلاً میں نے پیش کی ہے "گویا" کا لفظ جس پر شاہد ہے۔

اصل تفسیر وہی ہے جو اس تمثیل سے پہلے مذکور ہے۔ آپ نے کلمہ تمثیل "گویا" کو اُڑا دیا، اور باقی تمثیلی عبارت کو میری اصل بیان کردہ تفسیر قرار دیکر، اس پر ایک اور حاشیہ اپنی طرف سے چڑھا کر پیش کیا اور الزام دے دیا کہ آپ تفسیر قرآن میں جو چاہتے ہیں اضافہ کر دیتے ہیں"۔ کیا یہی طریقہ ہے اہل علم کے مخلصانہ مناظرے کا؟

آپ تو خود لکھ رہے ہیں کہ "ہاں اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیتے ہیں" اس سے یہ بات ثابت ہوئی یا نہیں؟ کہ ثواب تقویٰ ہی کی بدولت ملتا ہے؟ میں نے دو آیتیں لکھی تھیں جس کے تحت میں یہ مضمون ہے، ینالہ التقویٰ منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین۔ بتلائیے آپ نے جو فرمایا وہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ آپ نے اپنے خیال میں صرف دوسری آیت کی تفسیر کی ہے مگر ایک غلط مفہوم پیدا کرنے کے لئے۔ یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ متقین کے ہر عمل کا ثواب ملتا ہے چاہے اس عمل کو بذات خود تقویٰ سے کوئی سروکار ہو یا نہ ہو۔ اور میں کہتا ہوں کہ جو عمل تقویٰ کے ماتحت کیا جاتا ہے اسی کا ثواب ملتا ہے حقیقت کے اعتبار سے مآل ایک ہی ہے اس لئے کہ جو واقعی عنداللہ متقی ہیں ان کا ہر عمل تقویٰ ہی کے ماتحت ہوگا۔ ہاں عرفی متقی کا یہ حال نہیں ہے۔ کتنے ظاہری زہد و تقویٰ تو بہت رکھتے ہیں مگر وہ شرک و بدعت میں بُری طرح مبتلا ہیں۔ آپ ایسے لوگوں سے ناواقف نہ ہوں گے خاص بریلی کے زہد و تقویٰ و انفاق مال اور ان کی تصنیف و تالیف پھر حلقۂ مریدین و مسترشدین و تلامذہ سے آپ ناواقف نہیں۔ وہ اہل تقویٰ دوا عظین جو امام مسلمؒ و امام بخاریؒ و امام مالکؒ کے عہد میں جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے اور اس کام کو لوجہ اللہ انجام دیتے تھے آپ ان سے بھی بے خبر نہیں۔ تو کیا ایسے عرفی متقین کا بھی ہر عمل مقبول ہوا ہوگا، اور ان کو ان کے شرکیات و بدعات و افتراءات کا بھی ثواب

ملا ہوگا؟ مولانا! جو واقعی عند اللہ متقی ہوگا اس کا کوئی کام تقوے کی ماتحتی سے باہر نہ ہوگا، اور تقویٰ کے تو معنی ہی یہی ہیں کہ ہر مشتبہ چیز سے انسان بچے۔ نہ یہ کہ اپنے آباء و اجداد کے مخترعات کا اتباع کرنے کے لئے موضوع و ضعیف روایات کا سہارا ڈھونڈتا پھرے۔

نمبر ۴۔ مستدرک حاکم کا جو نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اور جو اس وقت میرے پاس موجود ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی مقدمہ نہیں ہے اس سے پہلے ایک قلمی نسخہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ میں تھا جہاں اس وقت میرے بھتیجے سجادہ نشین ہیں مولانا شاہ صبیح الحق عمادی سلمہ اللہ تعالےٰ۔ پہلے اسی کو دیکھا کرتا تھا۔ جب حیدرآباد دکن سے مطبوعہ نسخہ آگیا تو خانقاہ کی کتاب واپس کر دی۔ اس قلمی نسخے میں بھی کوئی مقدمہ نہ تھا۔ آپ بار بار اس کا ذکر فرماتے ہیں تو آپ کے پاس موجود ہو تو ایک ہفتے کے لئے مستعار بھیج دیجئے کہ میں دیکھ لوں۔ البتہ ابن خلکان وغیرہ نے اور پھر امام ذہبی و ابن حجر نے جو کچھ ان کے متعلق لکھا ہے وہ ضرور دیکھا ہے۔ مگر مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید۔ ان کی کتاب کے مطالعے سے ہر خالی الذہن بغیر پہلے سے ان کا عقیدت مند ہوئے ان کے رفض کا صاف پتا لگا لے گا۔ میں نے امام ذہبی کے واللہ یحب الانصاف کی حقیقت خود انہیں کی تصریحات سے کھول دی ہے رافضی اور شیعی کا فرق اہل کوفہ کا گھڑا ہوا ہے جنہوں نے تقیہ و کتمان کر کے تسنن کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور تھے پکے رافضی جیسے اعمش اور ابو اسحٰق السبیعی وغیرہ۔ مگر ان کی روایتوں، ان کے شیوخ اور ان کے تلامذہ کے حالات پر نظر ڈالی جائے۔ ذرا خالی الذہن ہو کر، تو ان لوگوں کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ محدثین رحمہم اللہ کو جمع احادیث کی دھن تھی اگر ان لوگوں کو چھوڑ دیتے تو یہ حمل بعیر ہی نہیں بلکہ حمل ابا عیر وغا تر احادیث متضادہ و مخالفہ کہاں سے پیدا ہو سکتے۔ یہ ابو اسحٰق، اعمش، منصور اور زبید وغیرہم جو رؤس محدثی اہل الکوفہ کہے جاتے ہیں اور صحاح کی ہر کتاب جن کی روایتوں سے بھری ہے آپ دیکھئے کہ ان کے متعلق مغیرہ، معن اور ابن مبارک جیسے آئمہ حدیث لکھتے ہیں کہ اِنَّمَا اَفْسَدَ حَدِیْثَ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ اور خاص کر اس کا ذمہ دار ابو اسحٰق اور اعمش ہی کو قرار دیتے ہیں۔ قتادہ بن دعامہ کا ترجمہ دیکھئے تہذیب التہذیب میں قال علی بن المدینی قُلْتُ لِیَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ یَقُوْلُ اُتْرُکْ کُلَّ مَنْ کَانَ رَاْسًا فِی الْبِدْعَۃِ یَدْعُوْ اِلَیْھَا۔ قَالَ کَیْفَ تَصْنَعُ بِقَتَادَۃَ، وَابْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ وَعُمَرَ بْنِ ذَرٍّ۔ وَذَکَرَ قَوْمًا۔ ثُمَّ قَالَ

یحییٰ اِن تَرکْتُ ھٰذَا الضَّرْبَ ترکْتُ نَاسًا کَثِیْرًا ۔ وَقَالَ مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ اَبِیْ عَمْرِو بْنِ الْعَلَاءِ کَانَ قَتَادَۃُ وَ عَمْرُو بْنُ شُعَیْبٍ لَا یَغِثُّ عَلَیْھِمَا شَیْءٌ یَاخُذَانِ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ ۔ وَقَالَ جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَۃَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَتَادَۃُ حَاطِبُ اللَّیْلِ ۔ غرض یہ عالم تھا جمع احادیث کا جب صحاح کے راویوں کا یہ عالم ہے بخاری و مسلم کے شیوخ کا یہ حال ہے تو اب غریب حاکم کی اہمیت کیا ثابت فرما رہے ہیں

نمبر۴۱۔ جناب کے مقدمات مذکورہ تحریر سابق کو میں پہلے تسلیم کرلوں جب قلم اٹھا سکتا ہوں۔ یہ عجیب تحکم ہے۔ آپ کے مقدمات مذکورہ میں تحکمات بلا بیّنہ کے سوا ہے کیا، کوئی آپ کا شاگرد یا مرید ۔ کہ

مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید ۔ کے قاعدۂ مسلمہ کے ماتحت سرِ تسلیم خم کردے تو کردے ۔ دوسرا شخص جب تک اس کا ایمان نہ قبول کرے کس طرح مان لے گا۔ آپ سنن ابی داؤد کو موضوعات سے بالکل پاک سمجھتے ہیں حالانکہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری نمبر۱۹ صفحہ ۲۶۷ میں سنن ابی داؤد کی ایک روایت کو جو مستدرک حاکم میں بھی ہے اور پھر بزار و ابن سعد و ابن حبان نے بھی جس کی روایت کی ہے جو اعمش سے مروی ہے ۔ اس کو منکر اور بے اصل لکھا ہے ۔ لکھتے ہیں لَعَلَّ الْاَعْمَشَ اَخَذَہٗ مِنْ غَیْرِ ثِقَۃٍ فَدَلَّسَہٗ فَصَارَ ظَاھِرُ سَنَدِہٖ الصِّحَّۃَ وَ لَیْسَ لِلْحَدِیْثِ عِنْدِیْ اَصْلٌ ۔ اس سے ابوداؤد و مستدرک اور اعمش سب کی حقیقت کھل گئی ۔ اللہ تعالےٰ ابن حجر کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک وار میں تینوں کا کام تمام کردیا۔

نمبر۴۲۔ جناب نے اذامات ابن ادم انقطع عملہ الا من ثلٰث سے بالکل انوکھا استدلال فرمایا ہے، اور میرے استدلال کی طرف مطلق توجہ نہیں فرمائی ۔ میرا مطلب صاف ہے مسجد بنانے والے کو ثواب نمازیوں کے نماز پڑھنے کا بغیر ان نمازیوں کے ارادے اور علم کے خود بخود پہنچتا ہے ۔ اسی طرح اس نے جو دوسروں کو علم دین سکھایا ہے اور اُن شاگردوں سے عوام ہدایت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں تو وہ تلامذہ اس کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے عوام کی ہدایت نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح من سَنَّ سنۃ حسنۃ میں بھی ہے کہ کسی کی نکالی ہوئی سنت حسنہ پر اگر لوگ عمل کر رہے ہیں تو اس نکالنے والے کو خود بخود ثواب پہنچ رہا ہے جیسے ومن سن سنۃ سیئۃ میں ہے کہ کسی کی بری سنت پر کوئی عمل کرے تو اس کے کرنے کی وجہ سے بھی اس موجد پر عذاب ہوگا مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی سنت سیئہ پر عمل کرنے والے اس موجد کو عذاب پہنچا رہے ہیں۔

ورنہ اگر من سنّ سنۃ حسنہ سے ایصالِ ثواب ثابت ہو سکتا ہے تو من سن سنۃ سیئۃ سے ایصال عذاب بھی ضرور ثابت ہونا چاہیئے۔ میں نے من سن سنۃ والی سُنَد سے جو صرف نظر کیا تھا تو آپ لکھتے ہیں "من سَنَّ الخ تو انتقال ثواب کو صراحتہً ثابت کر رہی ہے مگر اس کو آپ صاف اُڑا گئے"۔ تو یہاں اب اُسی اُڑی ہوئی چیز کو حاضر لایا ہوں پھر کر قبول افتذ زہے عز و شرف صالحین کے لئے ایصال ثواب کیجئے تو طالحین کے لئے ایصال عذاب بھی فرمائیے۔ زنا کر کے، شراب پی کے اس کا عذاب فرعون و ہامان کی رُوح کو پہنچایا جائے۔ کسی وجہ منصوص سے، چاہے وہ نص ظنی ہی کیوں نہ ہو کسی کو کسی بات سے ثواب پہنچ جائے یہ اور بات ہے، اور خاص کر کے جب حصر کے ساتھ چند چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا ہو کہ مرنے کے بعد بس انہیں سے نفع پہنچ سکتا ہے اس پر قیاس کر کے بالارادہ ثواب پہنچانا جائز ہو جائے یہ عجیب بات ہے۔ کیا پہنچنے اور پہنچانے میں کوئی فرق نہیں ہے؟ کیا بلا ارادہ اور بالارادہ دونوں ایک ہیں؟ یہ خلاف قیاس باتوں پر قیاس کس اصول سے جائز ہے؟۔

میں ایسی بحثوں میں فقہی سُنَد لیتا ہی نہیں۔ مگر آپ نے خود مبسوط کی عبارت بدائع سے نقل فرمائی ہے جس میں جانبِ استحسان کے بعد آپ خود نقل فرماتے ہیں۔ والقیاس ان لا یجوز (صفحہ ۱۹۱، ۱۹۰) جس کی وجہ بھی آپ ہی نقل فرماتے ہیں بانقطاع عملہ بالموت باقی رہا یجوز ان یتصدق عنہ و لیحج عنہ الخ (صفحہ ۱۹۲) یہ سب مبنی بر روایت مکذوبہ اہل عجم ہیں۔ اس لئے سے

"خشت اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا میرسد دیوار کج" کے

مصداق ہیں۔ اور پھر آپ کی پیش کردہ حدیث الا من ثلاثۃ بھی تو ایصال ثواب کے سارے مزعومہ طُرُق کی صاف صاف تردید کر رہی ہے ورنہ اس حدیث کا حصر ٹوٹ کر رہتا ہے۔

نمبر ۴۔ ابو الحسناء کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اس کی اور بھی روایات ہیں" جناب کے صرف اتنا لکھ دینے سے تو نہ میں مان سکتا ہوں نہ کوئی صاحب انصاف مان سکتا ہے۔ کوئی روایت تو نقل فرمائی ہوتی۔

مجھ کو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میرا ہر استقراء صحیح ہی ہے مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے اس سے اس حدیث موضوع کے سوا اور کوئی دوسری حدیث مروی نہیں ہے۔

البتہ یہ حدیث ابوداود اور ترمذی کے علاوہ اور کسی کتاب میں بھی ہو یہ ممکن ہے۔ جیسے مسند علی میں بھی ہے۔ مگر ابوالحسناء کا نام اس حدیث کے اسناد کے سوا اور کسی حدیث کے سلسلۂ اسناد میں نہیں مل سکتا والا فاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

نمبر ۴۵۔ میں پھر کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی محدث شریک بن عبداللہ الکوفی کی روایت بخاری کی کسی حدیث کے سلسلہ اسناد میں نہیں دکھا سکتا، اور امام مالکؒ نے اس شریک کوفی سے ہرگز ہرگز کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

جناب مجھے کہتے ہیں کہ "نہ معلوم آپ نے حدیث کن لوگوں سے پڑھی ہے۔ جو ایسی باتیں قلم سے نکل رہی ہیں" دیکھیئے اپنا نمبر ۱۶ اس طرح آپ نے مجھ کو بھی جاہل قرار دیا اور میرے اساتذہ رحمہم اللہ کو بھی۔ مگر میں بہ ادب اگر صرف یہ پوچھوں کہ جناب نے کس طرح حدیث پڑھی ہے۔ حدیثوں کے راویوں کو بھی نہیں پہچانتے؟ جو صحیح بخاری کے راویوں کو امام مالک کے راویوں کو اتنی ردوکد اور میرے باربار اصرار پر بھی نہ پہچان سکے، اس کو میں کیونکر سمجھوں کہ وہ علم حدیث سے باخبر ہے

میں نے جو یہ لکھا کہ جناب محترم نے کوفہ و مدینہ کا فرق بھی محسوس نہیں فرمایا"، تو آپ نے "فرق" کو "فاصلہ" کے معنی میں لے کر جواب میں لکھ دیا کہ "کوفے سے لوگ حج و زیارت کے لئے مدینے کو بھی جاتے تھے اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ کی ملاقات امام ابوحنیفہ رح سے ہوئی، یونہی شریک سے بھی ہو گئی ہوگی"، مولانا میں نے فاصلہ نہیں لکھا تھا فرق لکھا تھا یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ **شریک بن عبداللہ** دو تھے۔ ایک **کوفی**، **نخعی** اور **قاضی** تھے جن کی ولادت سنہ ۹۰ھ میں اور وفات سنہ ۱۷۷ھ میں تھی۔ ان کو منسوب بتشیعٌ مُفرِط، غالی المذھب، سیئ الحفظ، کثیر الوہم، مشہور بالتدلیس صاحب التخلیط، اور لیس بالمتین ولیس بالقوی وغیرہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے اور انہیں سے یہ حضرت علی رضؓ والی حدیث مروی ہے۔

اور دوسرے **شریک بن عبداللہ بن ابی نمر القرشی المدنی** تھے جن کی وفات سنہ ۱۴۴ھ میں ہوئی تھی یعنی شریک کوفی سے ۳۳ برس پہلے۔ امام مالکؒ نے انہیں سے روایت کی ہے اور بخاری میں بھی حدیثوں کے سلسلہ اسناد میں انہیں کا نام آیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک معمولی راوی ہیں مگر اس شریک کوفی شیعی سے متقدم ہیں۔ حضرت انس رضؓ سے روایت کرتے ہیں

اس لئے امام مالکؒ نے ان کی حدیث لے لی۔ جناب نے بخاری کے ابواب لکھے اور صفحوں کی تعداد بھی لکھی مگر خود یہ نہیں ملاحظہ فرمایا کہ راوی بخاری شریک، کی ولدیت بخاری میں کیا لکھی ہوئی ہے۔ اسی تفریق کے لئے تو محدثین دونوں کے ناموں میں فرق کر دیتے ہیں یعنی باوجود اس کے کہ دونوں ابن عبداللہ ہیں، مگر شریک مدنی کو شریک بن ابی نمر محدثین لکھا کرتے ہیں۔ بخاری میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔ اکثر جگہ شریک بن ابی نمر تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ اگر حضرت انس رضؓ یا ان کے ہمعصروں سے روایت ہے تو اس سے بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کون شریک صاحب ہیں شریک اعظم ہیں یا شریک خورد۔ حضرت انس رضؓ کی وفات ۱۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۳ھ میں ہے (اسی قبیل کے بعض اور بھی اقوال ہیں) اور شریک خورد کوفی شیعی کی پیدائش ۹۰ھ میں ہے۔ انہوں نے تو حضرت انس رضؓ کی صورت تک نہیں دیکھی ہوگی ان سے روایت کیا کریں گے۔ محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری نے بعض تعلیقات میں شریک کوفی کا ذکر بھی کیا ہے مگر میری نظر میں جو تعلیقات ہیں وہاں صرف "شریک" کا لفظ ہے، اور کوئی دلیل قطعی ایسی نہیں کہ وہاں پر شریک کوفی ہی کو مراد سمجھا جائے۔ مشغلۂ تدریس چھوڑے ہوئے تیس برس کے لگ بھگ ہو گئے ممکن ہے کسی تعلیق میں کوفی یا نخعی یا قاضی کی تصریح ہو یا ایسی کوئی اور دلیل ہو جس سے کسی تعلیق میں شریک کوفی کا نام آگیا ہو۔ تو میں اس کا اعتراف خود شروع سے کرتا آرہا ہوں یقین ہے کہ اتنی تصریح کے بعد آنمحترم اب یہ نہ فرمائیں گے کہ شریک بن عبداللہ الکوفی کی روایت بخاری میں ہے اور امام مالک نے اس سے روایت کی ہے اور اس وہم کی وجہ سے حدیث علی رضؓ کو جو اہمیت خواہ مخواہ دے رہے تھے اس کا پھر اعادہ نہیں فرمائیں گے۔

نمبر ۴۔ اس سلسلہ بحث میں ابوالحسناء کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کی روایت نسائی میں ہے جس پر مولانا فیری سلمہٗ نے تعاقب کیا۔ مگر آپ اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے اور خاموش ہو گئے۔

ب۔ پھر ابوالحسناء کے بارے میں لکھا ہے کہ اس حدیث علی رضؓ کے سوا اور بھی روایتیں اس سے ہیں، مگر کوئی ثبوت پیش نہیں فرمایا، اور نہ انشاءاللہ آپ کہیں اس کی کوئی اور حدیث دکھا سکیں گے۔

ج۔ جناب نے انکار فرمایا کہ سنۃ ابیکم ابراھیم والی حدیث صحاح میں نہیں ہے۔ حالانکہ ابن ماجہ میں موجود ہے جس کو آپ خود صحاح میں لکھ چکے ہیں۔ وہ ایک موضوع حدیث جن پر محدثین کا نشان ہے ان، کر سد القد اس کی سب حدیثوں کو آپ صحیح مان چکے ہیں اور اس حدیث پر

محدثین نے موضوع ہونے کا نشان نہیں لگایا ہے ۔ اس لئے اس کے صحیح ہونے کا آپ کو اعتراف کرنا چاہیئے تھا ۔

د ۔ جناب نے شریک کوفی کو امام مالک کا شیخ بنایا ۔ مگر اس کی کوئی سند نہیں پیش کی حالانکہ امام مالک کے شیخ جو تھے وہ شریک مدنی تھے ۔

ہ ۔ جناب نے شریک کوفی کی روایتیں صحیح بخاری میں بزعم خود پیش فرمائیں حالانکہ وہ سب شریک مدنی کی روایتیں ہیں ۔

نمبر ۴۷ ۔ آخر میں عرض ہے کہ یہ میری آخری طول تحریر ہے اس کے بعد اگر آپ کچھ تحریر فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت مختصر جواباً عرض کروں گا اگر ضرورت سمجھوں گا ۔ ورنہ جناب کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کفِ بنان کروں گا ۔

نمبر ۴۸ ۔ آخر میں پھر بہ ادب عرض ہے کہ بسبقت قلم سے سخن گسترانہ جملے جو قلم سے نکل گئے ہیں ان کو آپ معاف فرمائیں اور میرے آپ کے درمیان جو رشتہ محبت ہے اس کو ٹوٹنے نہ دیں گے اور آئینہ خاطر عاطر پر غبار ملال نہ آنے دیں گے ۔ باللہ العظیم مجھ کو آپ سے محبت ہے ، اور میں آپ سے محبت رکھنا چاہتا ہوں ۔

نمبر ۴۹ ۔ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ اصولی بحث تحریر سے طے نہیں ہوتی ۔ تو کیا تقریر سے طے ہو جائے گی ؟ شاید آپ کی مراد ہو کہ نہ تحریر نہ تقریر ، بلکہ شمشیر سے طے ہوتی ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سے ایک فریق طے ہو سکتا ہے مگر بحث طے نہیں ہوتی بلکہ بحث اور بڑھ جاتی ہے ۔ مولانا ! بحث اگر اللہ کے لئے ہو تو تحریر سے بھی طے ہو سکتی ہے اور تقریر سے بھی ۔ اور اگر آباؤ اجداد کے لئے ہے تو دنیا میں کبھی طے نہیں ہو سکتی ۔ بس قیامت ہی کے دن طے ہو گی ۔ البتہ تحریری بحث دوسروں کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور ایک پائیدار یادگار بن جاتی ہے اور کسی فریق کو کچھ کہہ کر مکرنے کا موقع باقی نہیں رہتا ۔ اسی لئے میں زبانی باتیں نہیں کرتا ۔ فروعی بحث ہو یا اصولی جو کچھ ہو تحریری ہو یہی طریق اسلم و اشمل ہے ۔ والسلام مع الاکرام وانا وصیفکم الضعیف تمنا العمادی غفر لہ ۔

۲۹ فروری ۱۹۵۲ء

مکتوب ۱۴۹ مکرمی! مولانا تمنا عمادی صاحب! سلام مسنون۔

گرامی نامہ بصورت کتاب موصول ہوا۔ افسوس ہے کہ آپ میں اور مجھ میں اصولی اختلاف ہے۔ پھر تحریر میں تلخی بھی آتے لگی ہے اس لئے سلسلۂ مکاتبت کو اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

گفتگو آئینِ درویشی نہ بود ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

لکم دینکم ولی دین ۔ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفا عنہ

۱-۳-۵۲

مکتوب ۱۵۰

باسمہ تعالیٰ

مولانا المکرم و اخانا المحترم ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

نامہ ابتر (اس لئے کہ اس کی ابتداء بسملہ سے نہیں) ایک مختصر تر پُرزے پر ملا اور حسبِ توقع ملا۔ یعنی اس کے سوا میرے معروضہ ۲۹ر فروری ۵۲ء کا آپ کے پاس جواب ہی کیا تھا۔

جناب نے تحریر فرمایا ہے ؎

گفتگو آئینِ درویشی نہ بود ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

اس کے جواب میں تین شعر برجستہ قلم سے نکل گئے، جو حسبِ ذیل ہیں ؎

اے کہ بامن گفتگو ہا داشتی پیش ازیں با بحث خوہا داشتی

ابتدائے گفتگو کردی تو خود ویں بساط گستردی تو خود

چوں مجال گفتگو باقی نماند
گفتگو آئین درویشی نماند

خاتمۂ تحریر پرزۂ ابتر اس آیت کریمہ پر آپ نے کہا ہے "لکم دینکم ولی دین ہ" مگر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر لکھنے کے بعد کیا لکھا ہے۔ غالباً جناب کو اس کی خبر نہیں۔ امام ممدوح رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ جرت عادۃ الناس بان تیمثلوا هذا الایۃ عند المتارکۃ وذلك غیر جائز۔ لانہ تعالیٰ ما انزل القرآن لیتمثل بہ

بل يتدبر فيه ثم يعمل بموجبه ۔
۱۹۹ھ
بہرحال میں آپ کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ لکم ما وجدتم علیہ ابآءکم ولے ماجاء
بہ نبینا الامین من عند رب العلمین صلے اللہ علیہ وعلے ازواجہ وصحبہ اجمعین
وبارک وسلم علیہ وعلیھم الی یوم الدین

مراسلات کا سلسلہ تو بفضلہ تعالیٰ وبتوفیقہ جس طرح ختم ہونا چاہیئے تھا اس طرح باحسن وجوہ ختم ہوگیا۔ الحمدللہ مگر ایک بات رہ گئی اس لئے یہ تسمیہ کیوں لگا رہ جائے۔ یہ خیال کرکے اس کو بھی عرض کردینا ہی مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جناب نے اپنے مراسلہ مورخہ جنوری ۸۵ء مطابق جمادی الاوّل ۱۴۰۵ھ میں فرزدق کا مشہور شعر تحریر فرمایا ہے۔ علمائے دیوبند وتھانہ بھون کا ذکر فرماتے ہوئے کہ ؎ صفحہ ۲

اولئك أبائى فجئنى بمثلهم　　　اذا جمعتنا يا جرير المجامع

آپ کے مراسلے کو پڑھ کر ایک قطعہ میرے ذہن میں بھی آگیا تھا جس کو اس وقت آپ کے پاس بھیجنا مناسب نہ تھا آج بھیج رہا ہوں۔

صفحہ ۲۰۰　　　(۱)

اَلَا اَيُّهَا الْفَخِيْرُ لَسْتَ بِفَاخِرٍ　∴　بِفَخْرِ مَوَالِيْكَ الَّذِيْنَ تَصَدَّعُوا

(۲)

وَلَسْتَ بِابْنٍ لِلَّذِيْنَ عَدَدْتَّهُمْ　∴　فهلا على آبائكَ الصِّدقِ تَقْنَعُ

(۳)

ورثتَ من الاغيارِ فخراً كلالةً　∴　فتفخرمن ذاك التُّراثِ وَتَجْمَعُ

(۴)

وانّ من شیوخ القوم آباء ان تسعر ∴ تاق الفخر عند الفاخرین تناذع

(۵)

فلولا من الاسلاف خطفت نسبة ∴ علی نسبة الاخلا لمّا تجشّع

(۶)

وان لک آباءُ شدادُ لجئنی بھم

اصابر عھدو حدی جمیعًا فاحرع

آخر تحریر میں گستاخیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ میں نے پہل نہیں کی ہے۔ ابتدا جناب ہی کی طرف سے

ہوتی رہی۔ بہرحال میں معافی کا طالب ہوں۔ ع والعذر عند کرام الناس مقبول

الفقیر الی اللہ تمنّا عمادی غفرلہ یکم مارچ ۱۹۵۲ء

ضمیمہ

نوٹ: کتاب میں جن مقامات پر یہ نشان "ھ" دیا ہوا ہے، اس کا مطلب اس ضمیمہ میں دیکھا جائے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱	۵۴	۲۳	(فارسی شعر) وہ راز جس کو میں نے سالہا سال تک اپنے دل و جان میں پوشیدہ رکھا تھا وہ میری آنکھوں سے دو قطرے گرنے نے طشت ازبام کر دیا۔
۲	۵۵	۲۰	دیکھئے صفحہ نمبر ۱۶۰ سطر نمبر ۲۱ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۶)
۳	۵۸	۵	حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے اپنی مرحومہ والدہ کے صدقہ کے لئے کنواں کھدوایا۔
۴	۶۱	۱۷	میری امت میں ان لوگوں کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکیں۔
۵	۶۳	۱۴	اس کے ہر بال کے بدلے نیکی کا ثواب ہے۔
۶	۶۴	۱۰	وہ زمانے جن کے اچھا ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے۔ ان زمانوں کے مسلمانوں کا عمل یعنی عہد نبویؐ، عہد صحابہؓ اور عہد تابعین (زمانہ حیات نبویؐ، صحابہ کرامؓ کا زمانہ اور صحابہؓ کے شاگرد تابعین کا زمانہ)
۷	۶۶	۱	ہر بال کے بدلے نیکی۔
۸	۶۸	۱۴	ان کی حدیث کی سند نہیں لی جائے گی۔
۹	۶۸	،،	حدیثوں کو نقل کرتے ہوئے وہم میں مبتلا ہو کر بہت غلطیاں کرتے تھے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ وتشریح
			حضرت علیؓ سے تنہا ایسی چیزیں روایت کیا کرتے ہیں جو ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں کی حدیثوں سے مشابہت نہیں رکھتیں اسی وجہ سے یہ ان لوگوں میں شمار کئے گئے ہیں جن کی سند نہیں لی جا سکتی۔
۱۰	۶۸	۱۲	محدثین کے نزدیک یہ متین آدمی نہیں ہیں۔
۱۱	۶۸	۱۷	اعتبار سے ساقط ہیں۔ کنارے پھینکے ہوئے ہیں۔
۱۲	۷۱	۱	یہ ایک غریب قسم کی حدیث ہے جسے ہم شریک کی حدیث کے سوا اور کسی حیثیت سے نہیں جانتے۔
۱۳	۷۵	۱۳	مردہ کی طرف سے قربانی۔
۱۴	۷۵	۲	(فارسی شعر) پس ہر وہ بات جس کو تم خود پسند نہیں کرتے دوسروں کیلئے بھی پسند نہ کرو۔
۱۵	۷۶	۷	(عربی شعر) جتنا حصہ صاف ہے وہ لے لو اور جتنا حصہ گدلا ہے اسے چھوڑ دو۔
۱۶	۷۶	۱۶	مردوں کی طرف سے مالی صدقات۔
۱۷	۷۶	۱۹	بھلائی کے حریص
۱۸	۷۶	۲۰	(عربی) سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگو! تم اپنے سے پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح کی حرکتیں کروگے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل ٹھیک حالت میں رہے یہاں تک کہ ان میں قیدیوں (لونڈی غلاموں) کی اولاد کی کثرت ہوگئی۔ جنہوں نے موجود پر غیر موجود کو قیاس کرنا شروع کر دیا اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔
۱۹	۷۷	۱	(عربی) عہد صحابہؓ اور تابعین کو جن کے زمانہ کی تعریف کی گئی ہے، ذہن میں رکھ کر۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۲۰	۷۷	۳	(عربی) دو توں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔
۲۱	۷۷	۵	بدعت کی طرف پہونچانے والی۔
۲۲	۷۷	۹	اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے۔
۲۳	۷۷	۱۰	(عربی) وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی۔ انھیں اپنے کئے کی جزا ملے گی اور تمہیں اپنے کئے کی۔ اور تم سے ان کے افعال کے متعلق پوچھا بھی نہیں جائے گا۔ (قرآن ۲/۱۳۴)
۲۴	۷۷	۲۱	(عربی) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اپنی فکر کرو، اگر تم صحیح راہ پر رہے تو دوسرے کا غلط راستہ پر چلنا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا (القرآن ۵/۱۰۵) میں تو اپنی استطاعت کے مطابق اصلاح کے لئے کوشاں ہوں اور توفیق بھی مجھے اللہ ہی نے عطا فرمائی ہے۔ (القرآن ۱۱/۸۸)
۲۵	۷۸	۱۲	(عربی) (بھلائی کے کام میں سبقت لے جانے والے) شروع میں کافی لوگ ہوں گے اور بعد میں تھوڑے لوگ ہوں گے (القرآن ۵۶/۱۳-۱۴)
۲۶	۷۸	۱۳	اللہ تعالےٰ کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ (القرآن ۱/۲)
۲۷	۷۸	۷	(فارسی شعر) قیامت کے دن تم سے جو کچھ سختی کے ساتھ پوچھا جائے گا وہ ہم اب آپ سے ادب کے ساتھ پوچھ رہے ہیں۔
۲۸	۷۸	۱۷	(عربی) وہ چیز جس پر میں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔
۲۹	۷۹	۲	(عربی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (القرآن ۲/۱۲۹)
۳۰	۷۹	۷	اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا، تاکہ جو کچھ لوگوں پر نازل ہوا ہے اس کی آپ تشریح کر دیں۔ (القرآن ۱۶/۴۴)

نمبرشمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۳۱	۸۰	۴	(عربی) کئی سندوں سے کوئی بات آئی ہو تو خواہ ہر سند میں کمزوری ہو مگر بحیثیت مجموعی اسے صحیح سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر سند تو کمزور ہو لیکن اس روایت کی بنیاد پر کسی صحابی یا مجتہد نے فتویٰ دیا ہو تب بھی یہ ضعیف روایت مستند سمجھی جائے گی۔
۳۲	۸۰	۷	(عربی) ایک ابن عباسؓ کی حدیث جس میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے (حج کے علاوہ بھی) دوسری وہ حدیث جس میں تین بار شراب کی سزا ملنے کے بعد چوتھی مرتبہ خلاف ورزی کرنے پر قتل کر دینے کا حکم ہے۔
۳۳	۸۰	۱۴	(عربی) اصول حدیث کی کتاب تدریب الراوی مؤلفہ علامہ سیوطی کے حوالے سے وہ عربی عبارت بھی ہے جس کا خلاصہ اس عبارت سے اوپر کی سطر میں خود مولانا عثمانی نے دیدیا ہے۔
۳۴	۸۰	۱۷	(عربی) یہاں بھی محدث منذری کی کتاب الترغیب والترہیب کے مقدمہ سے اور علامہ شوکانی کی نیل الاوطار سے اپنے خلاصہ کی تائید میں عبارت نقل کی ہے۔
۳۵	۸۱	۱ تا ۷	(عربی) یہاں بھی تدریب الراوی نسائی کی شرح زہر الربی اور ابن حجر کے حوالہ سے اپنے اوپر والے جملے کی تائید میں عبارتیں دی گئی ہیں۔
۳۶	۸۲	۱۷	(عربی) یارسولؐ قربانی کیا ہے؟ فرمایا تمہارے جد امجد ابراہیمؑ کی سنت ہے۔
۳۷	۸۶	۶	(عربی) اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔
۳۸	۸۶	۹	(عربی) جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین صورتوں کے۔ (۱) یا تو اس نے زندگی میں ایسا عمل کیا ہو جس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے یعنی صدقہ جاریہ۔ (۲) یا اس نے علم کی نشر و اشاعت کی ہو تو اس سے استفادہ کرنے والوں کو اس علم کی وجہ سے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ وتشریح
			نیک کام کی جو توفیق ہوگی اس کے اجر میں یہ بھی شریک رہے گا۔ (۳) یا مرنے والے کی تربیت سے صالح اولاد اس کے لئے جو دعا کرے گی اس سے اس کو فائدہ ہوگا۔
۳۹	۸۸	۱	(عربی) جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے۔
۴۰	۸۸	۵	(عربی) کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے روزے رکھے اور اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو تم اس کی طرف سے کوئی صدقہ دو یا قربانی کرو۔ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے جبکہ زیلعی نے نصب الرایہ میں لکھا ہے۔ نیز بہجۃ النفوس شرح مختصر بخاری میں بھی ہے۔
۴۱	۹۱	۵	جس راہ پر میرے اکابر بزرگ ہیں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی راہ ہی سمجھتا رہا۔
۴۲	۹۱	۸	جس راہ پر میرے اکابر تھے اور جس راہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تھے ان دونوں کے درمیان جو طویل فاصلہ تھا اور ہے۔
۴۳	۹۱	۱۸	بزرگوں کی ایجاد کی ہوئی اور گھڑی ہوئی ہیں اور ہر فرقہ اپنی اپنی چیزوں میں مست ہے۔
۴۴	۹۱	۲۱	اللہ کی راہ میں ٹیڑھ پیدا کرتا۔
۴۵	۹۲	۴۱ تا ۴۷	فارسی مثنوی کا ترجمہ

نا اے وہ کہ جس کا کہنا یہ ہے کہ رسولؐ کو صرف بلاغ (پہونچانے) کا حکم دیا گیا ہے[1]۔ اور اگر وہ اس چیز کو جو اسؐ نازل

---

[1] یعنی وہ منکرین حدیث جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے رسولؐ کے ذمہ صرف پہونچ دینا لازم کیا ہے۔ بحکم "ما ان علیك الا البلاغ" ([illegible]) "تمہارا کام تو صرف پہونچ دینا ہے" میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ ان آیات کی طرف بھی توجہ فرمائیں جنمیں "بلاغ" کے ساتھ لفظ "مبین" کا بھی ذکر ہے یعنی "ما علی الرسول الا البلاغ المبین ([illegible])"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہونچا دینا تو رسول پر فرض ہے ہی" اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس کو وضاحت کے ساتھ پہونچا دے۔

ہوئی ہے لوگوں تک پہونچادیتا ہے تو بس وہ اپنے فریضہ سے فارغ ہوجاتا ہے۔اس لئے میں کہتا ہوں کہ وہ نظر اٹھائے اور ان دوسری آیات کا بھی مطالعہ کرے جن میں بلاغ (پہونچانے) کو لفظ مبین (وضاحت) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔کیونکہ اگر پہونچانے کا فریضہ وضاحت کے ساتھ نہ ہو تو ایسا پہونچانا بیکار ہے جس طرح اگر چراغ کی بتی (گل) روشن نہ ہو تو وہ مٹی (رگل) کی طرح بیکار ہے بغیر بیان (وضاحت) کے بلاغ مبین (وضاحت سے پہونچادینے) کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا۔اور ظاہر ہے کہ یہ وضاحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے۔ایسا بلاغ جو لوگوں کے ذہن نشین ہوجائے وہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہی ہوسکتا ہے۔اگر آپ اس کے معنی کو آشکارانہ کریں تو صرف الفاظ کے پہونچانے سے کیا فائدہ ؟ یہ بھی یاد رکھو کہ جو وحی نازل ہوتی ہے وہ بیان ہوتی ہے۔اور بیان مصطفےٰ سے داخل قرآن ہوتی ہے۔اگر اس کے اصلی معنی آشکارا نہ ہوں تو خالی اس پیغام کے پہونچانے (بلاغ) سے کیا فائدہ ؟۔اور اگر کوئی معیار نہ ہوا اور ہر شخص اپنی عقل کے مطابق سمجھنا چاہے تو حقیقت تک رسائی مشکل ہوجائے کیونکہ ہر شخص اپنی عقل کے مطابق ہی سمجھتا ہے اغراض عقل کو گونگا اور بہرا کردیتے ہیں اس لئے کہ عقل کو ہوس سے مفر ممکن ہی نہیں۔جب ہوس عقل پر غالب آجاتی ہے تو رد و قبول خواہشات کے طابع ہوجاتے ہیں۔تم عقول میں سیکڑوں فرق دیکھوگے جو رد و قبول میں مختلف ہوں گے۔لہذا جب ان کی عقل ہی ان کا آئین بن جائے گی تو دراصل ان کا دین بھی ان کی عقل خام کا تراشیدہ ہی ہوگا۔چنانچہ بے شمار عقول کے حسب تعداد ایک کتاب سے ہزاروں دین پیدا ہوجائیں گے بلکہ صبح وشام ہر شخص کے لئے ایک نیا دین وجود میں آتا رہے گا۔اسے اپنی عقل اور رائے پر ناز کرنے والے اپنے پیروں پر سرکشی کا آرا نہ چلا۔تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کتاب کی تعلیم کے واسطے تھی اور ان کی تعلیم کے بغیر کتاب سے استفادہ گمراہی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرمانے کے لئے آئے تھے ان کی تلقین کے بغیر ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی۔چونکہ فہم پیغمبر معیاری ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ اس پر تشریح کے دروازے کھول دیتا ہے۔رسول کو جو فہم حاصل ہوتا ہے وہ حق تعالےٰ کے سمجھانے سے ہی حاصل ہوتا ہے اس کا سارا علم تعلیم الٰہی ہی سے وجود میں آتا ہے۔اگر رب قدیر کے مقصد کو سمجھنا ہو تو فہم پیغمبر کو اس کی تعلیمات سے سمجھو۔اس راستہ کو رہبر کے بغیر طے نہیں کرنا چاہیئے۔

اور کسی جگہ پیغمبر کی ضرورت سے فارغ نہیں رہنا چاہیے۔ پیغمبر کے اسوہ پر نظر ڈالو کتاب کی تعلیمات اسی میں ملیں گی۔ لیلیٰ قرآن (قرآن کے معنی) اسی محمل (اسوۂ رسولؐ) میں نہاں ہے۔
پیغمبر کا اسوہ شرح قرآن روحِ دین اور جانِ ایمان ہے۔

اللہ تعالےٰ دنیا میں پیغمبر بھیجتا ہے تاکہ مخلوق خدا کو سود و زیاں سے آگاہی بخشے۔ پیغمبر حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے اس لئے کسی دوسرے کی بات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وحی کو سمجھنے والا رسول سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ ان کی سنت کتاب کے علاوہ نہیں ہوتی جس طرح پھول کی خوشبو کو پھول سے جدا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ رسول کا قول و فعل قرآن مبین کی شرح اور عین دین ہوتا ہے۔ ان کے قول (وحی) و فعل (اسوہ) دونوں کا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے۔ اور نبی کے قول و فعل دونوں راستہ چلنے والوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے ہیں۔ تعلیم دین کے سلسلہ میں رسول کے قول و فعل رب العالمین کی تعلیم سے معمور ہوتے ہیں۔ لہٰذا تعلیم رب اقوال رب سے کیسے مختلف ہوسکتی ہے؟ الخ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۴۶	۹۴	۴	یہ اصول فقہ کی اصطلاح ہے۔ عبارۃ النص کے لفظی معنے ہیں "نص کی وضاحت" مفہوم یہ ہے کہ کسی لفظ کا وہ مفہوم جو بغیر غور و فکر اور تامل کے فوراً سمجھ میں آئے۔ اور یہی مفہوم اس عبارت کا مقصد ہو۔ مثلاً سورۂ نساء کی یہ آیت ملاحظہ ہو "تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمھیں پسند ہوں۔ دو سے، تین سے، چار سے۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکوگے تو پھر ایک ہی پر بس کرو۔" (القرآن ۴/۳) اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ نکاح کرنے کا۔ دو سے چار تک عورتوں سے۔ اور بے انصافی کے خدشے کی صورت میں صرف ایک سے۔ یہاں نکاح کا تذکرہ توضمناً ہے ورنہ اصل میں دو اور تین کا تذکرہ کرنا مقصود ہے اس اصل مقصد کو عبارۃ النص کہتے ہیں۔ اقتضاء النص کے لفظی معنے ہیں وہ معنی جس کا عبارت تقاضہ کر رہی ہے اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی عبارت کا اپنے الفاظ کے لغوی معنے سے زائد کسی ایسے معنیٰ کا بتانا جس پر کلام کی صحت موقوف ہو۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ واسئل القریۃ التی کنا فیہا۔ (القرآن ۱۲/۸۲)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا ضمیمہ، اردو ترجمہ وتشریح
			حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ آپ کو اگر ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو "ہم جس بستی میں تھے اس بستی سے پوچھ لیجئے"۔ ظاہر ہے یہ پوچھ گچھ اور گفتگو انسان سے ہو سکتی ہے نہ کہ در و دیوار سے۔ اس لئے دراصل مطلب یہ ہے کہ اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہمارا قیام تھا۔ چونکہ اگرچہ عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، لیکن بغیر اس کے عبارت کا مفہوم ہی نہیں بنتا۔ یہ مفہوم لینا اس عبارت کا اقتضا ہے۔
۴۷	۹۴	۵	ارشاد نبوی ہے کہ جو بات قرآن کریم کے خلاف ہو اسے رد کردو۔
۴۸	۹۵	۹	عنعنے لینی عن فلاں عن فلاں، فلاں اس سے روایت کرتا ہے اور وہ فلاں سے۔
۴۹	۹۵	۱۰	"جو رسول تم کو عطا کرے" اس پر تو سب کا ایمان ہے لیکن ...... عثمان بن ابی شیبا کوئی جو قرآن میں تحریف کرتا تھا، وہ چونکہ بخاری کا راوی ہے اس لئے جو کچھ وہ کہے اس پر بھی ایمان لاؤ۔ یہ میں نہیں مان سکتا۔
۵۰	۹۶	۸	یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے اسی طرح نکلی تھی۔
۵۱	۹۶	۱۲	یہ آیت اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔
۵۲	۹۶	۱۸	باطل (کمی بیشی یا ادھر سے ادھر ہونا) قرآن مجید میں نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ (القرآن ۴۱/۴۲)
۵۳	۹۸	۸	(فارسی شعر) وہ لوگ جو اس راہ سے واقف ہیں وہ قتیل اور واقف کو خاطر میں کب لائیں گے۔ (قتیل اور واقف فارسی کے مشہور شعرا میں سے ہیں) کیونکہ وہ خود ان حالات سے واقف ہے۔
۵۴	۹۸	۱۳	(عربی) اور ہم نے فدیہ کیا اسے، بڑے ذبیحہ کا۔
۵۵	۹۸	۲۲	(عربی) تمھارے جدّ امجد ابراہیمؑ کی سنت ہے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا ضمیمہ ؛ اردو ترجمہ و تشریح
۵۶	۱۰۰	۱	حدیث کو تلاوت نہ کی جانے والی وحی جو قرآن کے ساتھ قرآن کے مثل ہے۔
۵۷	۱۰۰	۸	ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ (القرآن ۲۲/۳۴)
۵۸	۱۰۱	۱	(عربی) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں (القرآن ۳۷/۱۰۲)
۵۹	۱۰۱	۲	(عربی) اے میرے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل فرمائیں۔
۶۰	۱۰۱	۳-۴	(عربی) (ا) جب دونوں عملاً حکم الٰہی کے سامنے جھک گئے۔
۶۱	۱۰۱		(ب) اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔
۶۲	۱۰۱	۶	(ا) تم نے خواب کی عملاً تصدیق کر دی۔
۶۳	۱۰۱		(ب) اور ہم نے اسے فدیہ کیا۔
۶۴	۱۰۱	۱۶	(عربی) اسے بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ (یہ جملہ فتویٰ پوچھنے کے بعد آخر میں لکھا جاتا ہے۔)
۶۵	۱۰۱	۲۰	(عربی) جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس مقتول کے سامان کا وہی مالک ہے۔
۶۶	۱۰۲	۱	(عربی) مسلمان، یہودی، عیسائی جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔ (القرآن ۲/۶۲)
۶۷	۱۰۲	۲	(عربی) جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا سچے اقرار کیا تو وہ جنت میں داخل ہوا۔
۶۸	۱۰۲	۶	(〃) میرے صحابہؓ میں سے جس نے قربانی نہ کی ہو۔
۶۹	۱۰۲	۱۳	(〃) قربانی نہ کرنے والا۔
۷۰	۱۰۲	۱۸	(〃) جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی میری امت میں سے جس کسی نے۔
۷۱	۱۰۵	۲۰	(〃) یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہؓ بن سہیل سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ مدینہ میں ہم بنی ہونے والی قربانی کو کھلا کھلا کر موٹا کیا کرتے تھے اور باقی مسلمان بھی اپنی اپنی قربانیوں کو کھلا کھلا کر موٹا کیا کرتے تھے۔
۷۲	۱۰۵	۲۲	(عربی) جو شخص اپنی قربانی نماز عید سے قبل ذبح کرتا ہے وہ دراصل اپنے لئے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			ذبح کرتا ہے اور جو نماز عید کے بعد اپنی قربانی ذبح کرتا ہے وہ صحیح معنوں میں قربانی کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔
۷۳	۱۰۶	۳	باب اس شخص کے بیان میں جو دوسرے کی قربانی کا جانور ذبح کرے جیساکہ ایک شخص نے قربانی کے جانور کو ذبح کرنے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مدد کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کریں۔
۷۴	۱۰۶	۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ جس کا قربانی کی صلاحیت رکھنے کے باوجود قربانی کرنے کا ارادہ نہ ہو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔
۷۵	۱۰۷	[illegible]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا۔
	۱۰۷	۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی کرنے کی مجھے وصیت کی۔
۷۶	۱۰۷	۲۱	ہمارے لئے بس وہی کافی ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ (القرآن ۵/۱۰۴)
۷۷	۱۰۸	۷	کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔
۷۸	۱۰۸	۱۲	جس پر ہمارے آباؤ اجداد تھے اس میں اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ تھے اس میں زمین وآسمان کا فرق پائیں گے۔
۷۹	۱۰۸	۶	دیکھئے صفحہ ۶۴ کی سطر ۱۱ (ضمیمہ نمبر شمار ۶)
۸۰	۱۰۸	۱۴	دیکھئے صفحہ ۶۶ سطر ۱ (ضمیمہ نمبر شمار ۷)
۸۱	۱۰۸	۲۰	اللہ صرف متقیوں کی دعا قبول کرتا ہے۔
۸۲	۱۰۹	۲	جو قرآن مجید کے خلاف حدیث ہو اسے رد کردو (قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
۸۳	۱۰۹	۸	تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ (حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
۸۴	۱۱۰	۱۸	اللہ کو تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے (القرآن ۲۲/۳۷) اور اللہ تعالیٰ متقین کے اعمال ہی قبول کرتا ہے (القرآن ۵/۲۷)
۸۴ الف	۱۱۱	۱۹	یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ وتشریح
۸۵	۱۱۲	۲	جو شخص بھی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ (القرآن) ۴۱/۴۶،
۸۶	۱۱۲	۵	دیکھئے صفحہ ۸۶ سطر ۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۳۸)
۸۷	۱۱۲	۱۳	اس میت کے جس کے عمل کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔
۸۸	۱۱۴	۷	حاکم ابوعبداللہ حافظ حدیث ہیں، بہت سی تصانیف والے ہیں، امام ہیں سچے ہیں، لیکن اپنی کتاب "مستدرک" میں گری پڑی احادیث کو اکثر صحیح قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے تو ہیں نہیں جن کو اس بات کی پہچان نہ ہو۔ لیکن اگر وہ جانتے بوجھتے یہ حرکت کرتے ہیں تو یہ حرکت اور بھی زبردست خیانت ہے۔ پھر وہ مشہور شیعہ بھی ہیں۔
۸۹	۱۱۴	۱۰	صدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ (شیخین) پر وہ تبرّا نہیں کرتے۔
۹۰	۱۱۴	۱۴	ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابواسمٰعیل عبداللہ انصاری سے ابوعبداللہ حاکم کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ فن حدیث میں اگرچہ امامت کا درجہ رکھتا ہے مگر ہے رافضی خبیث۔
۹۱	۱۱۴	۱۵	میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے۔ حاکم رافضی نہیں ہے بلکہ شیعہ ہے۔
۹۲	۱۱۴	۲۲، ۲۴	اپنی ذات سے سچے ہیں، حافظ ہیں، وسعت ہے اور طلب حدیث میں بڑے سفر کئے ہیں۔
۹۳	۱۱۵	۱، ۲	محمد بن طاہر بن علی حافظ الحدیث ہیں، عالم ہیں، علم کی تلاش میں ملک ملک پھرے ہیں۔ سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے مشہور حنفی فقیہہ ابوالحسن کرخی سے ابن طاہر کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ کرۂ ارض پر ان کی نظیر نہیں تھی اور ابوزکریا بن مندہ نے کہا کہ ابن طاہر حفاظ حدیث میں سے ایک تھے۔ بہترین عقائد وخیالات کے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			حامل تھے۔ خوبصورت طور طریقوں کے مالک تھے۔ نہایت سچے تھے۔ صحیح اور غلط کا احتیاط رکھنے والے عالم تھے۔ بہت سی تصانیف والے تھے۔ حدیث رسولؐ و آثار صحابہؓ کے نہایت پابند تھے وغیرہ ہما۔
۹۴	۱۱۵	۱۷	دیکھئے صفحہ ۱۱۴ سطر ۸ (ضمیمہ نمبر شمار ۸۸)
۹۵	۱۱۵	۲۰	دیکھئے صفحہ ۱۱۴ سطر ۸ (ضمیمہ نمبر شمار ۸۸)
۹۶	۱۱۶	۱۲	اس میں شیعیت کا تھوڑا سا اثر ہے۔
۹۷	۱۱۶	۱۲	اس میں بے ضرر قسم کی شیعیت پائی جاتی ہے وغیرہ
۹۸	۱۱۶	۱۵	یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالٰی بڑے فضل والا ہے۔
۹۹	۱۱۶	۱۹	جو ہماری راہ کی تلاش میں کوشش کرتے ہیں ہم انھیں اپنی طرف آنے کی راہیں دکھا دیتے ہیں۔ (القرآن ۲۹/۶۹)
۱۰۰	۱۱۶	۲۰	اسے فخریہ طور پر نہیں کہتا۔ اپنے نفس کی شرارت پر اور اپنے بُرے اعمال پر اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اپنے ہر گناہ سے اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرتا اور مغفرت طلب کرتا ہوں۔
۱۰۱	۱۱۷	۸	خواہ وہ سب ایک دوسرے کے پشت پناہ بن جائیں۔
۱۰۲	۱۱۷	۲۳	اس حدیث کو بیان کرنے میں شریک اکیلا راوی ہے۔
۱۰۳	۱۱۷	۲۳	اس روایت کو ہم سوائے شریک کے اور کسی کے حوالے سے نہیں پہچانتے۔
۱۰۴	۱۱۸	۵	اس کی حدیث لکھ تو دی جائے گی مگر اسے قابل اعتماد نہیں سمجھا جائے گا۔
۱۰۵	۱۱۹	۲۱	تمہارے وہ بھائی جو ایمان لانے میں تم سے آگے جا چکے۔
۱۰۶	۱۲۰	۵	جن زمانوں کی بھلائی کی تعریف رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے
۱۰۷	۱۲۰	۱۰، ۱۱	اسے دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔
۱۰۸	۱۲۰	۱۳	دیکھئے صفحہ ۸۸ سطر ۱۔ (ضمیمہ نمبر شمار ۳۹)
۱۰۹	۱۲۰	۱۴، ۱۵	دیکھئے صفحہ ۱۸ سطر ۵ تا ۷۔ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۰)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۱۰	۱۲۰	۲۳	نسائی کہتے ہیں کہ جس نے عبدالرزاق سے ان کے آخری زمانہ میں کوئی حدیث سنی اور لکھی ہو، اس نے بلاشبہ بہت سی ناپسندیدہ احادیث لکھی ہیں۔
۱۱۱	۱۲۰	۲۴	عباس عنبری کہتے ہیں کہ جب عبدالرزاق صنعاء (یمن) سے آئے تو میں ان کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ تو بہت جھوٹے شخص (کذاب) ہیں۔ اور واقدی جیسا مشہور زمانہ کذاب بھی ان کے مقابلہ میں سچا ہے۔
۱۱۲	۱۲۱	۱	میں نے اس تحریر کے بعد ذہبی کے قلم سے یہ عبارت لکھی دیکھی کہ "یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی مسلمان، عباس (عنبری) کی تائید میں نہیں ہے"۔
۱۱۳	۱۲۱	۳	ذہبی کا یہ قول، بلاتحقیق کسی چیز کا انکار کرنے کی مثال ہے۔ کیونکہ اسمٰعیل نے اپنی کتاب "مُدخل" میں فریابی سے نقل کیا ہے کہ ہم سے عباس عنبری نے زید بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عبدالرزاق بہت جھوٹا (کذاب) تھا اور حدیث کی چوری کرتا تھا۔
۱۱۴	۱۲۱	۱۳	جتنا تم لوگ حدیثوں میں آگے بڑھتے گئے، اسی قدر تم قرآن کریم سے پیچھے ہٹتے چلے گئے
۱۱۵	۱۲۱	۱۶	پرانے محدثین جو کچھ بھی اور صحیح و غلط جیسی بھی روایت سنتے تھے اسے ٹانک لیتے تھے۔
۱۱۶	۱۲۱	۲۴	(عربی) میں تو اپنی استطاعت کے مطابق سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں چاہتا، میری اس بات پر اللہ گواہ ہے، وہی توفیق عنایت کرتا ہے، وہی ہمارا پروردگار ہے۔ وہی ہمارا مددگار ہے۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ وتشریح
۱۱۷	۱۲۴	۱۹، ۲۰	شریف آدمی جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔
۱۱۸	۱۲۵	۲۰	نازکو بھی درد کی طرح سمجھنا چاہئے۔ اور اگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے
	۱۲۶	۱۰	تو بدخوئی مت کرو۔ (فارسی)
۱۱۹	۱۲۶	۲	(فارسی) جنگ وجدل اور اچھائی وبرائی کا کیا مذکور ہے میرا دل تو صلح سے بھی گریزاں ہے۔
۱۲۰	۱۲۷ ۱۳۱	۲۲ ۱۳	(فارسی) یہ سارا مسئلہ تمھارے سخن شناس نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے
۱۲۱	۱۲۹	۱۰	(فارسی) نازکو بھی درد کی طرح سمجھنا چاہئے اور اگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے تو بدخوئی مت کرو۔
۱۲۲	۱۳۶	۴ تا ۱۸	اس عربی عبارت کا خلاصہ علامہ تمنا عمادی کے اگلے خط میں ملاحظہ کریں۔
۱۲۳	۱۳۸	۷	دیکھئے صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
۱۲۴	۱۳۸	۱۳	(عربی) دیکھو مشتبہ (جس کی حقیقت معلوم نہ ہو) سے بچنا۔
۱۲۵	۱۳۸	۱۹	اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی (القرآن)
۱۲۶	۱۳۹	۲۰	(یہی میدان ہے اور یہی گیند اور یہی بلا ہے۔
۱۲۷	۱۳۹	۲۱	(عربی) دیکھئے صفحہ ۷۷ سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۳)
۱۲۸	۱۴۰	۱۶	کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے خود اسی متنازعہ بات کو دلیل میں پیش کرنا۔
۱۲۹	۱۴۲	۲	امت کی طرف سے پسندیدگی۔
۱۳۰	۱۴۳	۷	(عربی) دیکھئے صفحہ ۹۶ سطر ۱۸ (ضمیمہ نمبر شمار ۵۲)
۱۳۱	۱۴۳	۱۲	(عربی) دیکھئے صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
۱۳۲	۱۴۴	۱۳	(فارسی) قرآن کے عروس معنی کی نقاب اس وقت اٹھتی ہے جب دل کے خلوت خانہ کو شور وشغف سے پاک کر دیا جائے۔
۱۳۳	۱۴۴	۱	(عربی) چرب زبانی سے دھوکا دینے والا۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۳۴	۱۴۴	۱۲	(عربی) ناصح کی یہ نصیحت سنو کہ ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں پر اعتماد کرنے میں بھی احتیاط کرو۔
۱۳۵	۱۴۴	۱۴	شاعر نے سچ کہا اور پتہ کی بات کہی، کیونکہ بعض اوقات قابل اعتماد لوگ بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ غور کرو کیا ٹھیک ٹھاک ٹنگا صحرا کے سراب کو متلاطم سمندر کی شکل میں نہیں دکھاتی؛ اور کیا اچھے بھلے کان کچھ سے کچھ نہیں سنوا دیتے؟
۱۳۶	۱۴۴	۱۷	(عربی) حدیثیں عجمیوں (غیر عرب) کے ہاتھوں میں رہیں اس لئے انھوں نے ان کے الفاظ میں کمی بیشی کر دی اور عبارت کو آگے پیچھے کر دیا۔
۱۳۷	۱۴۴	۲۳	(عربی) اگر کسی شخص کی تعریف بھی کی گئی ہو اور اس پر تنقید بھی کی گئی ہو تو اس پر کی گئی تنقید کو اہمیت دے کر پہلے اس پر غور کیا جائیگا
۱۳۸	۱۴۴	۲۴	(عربی) جب اللہ اور اس کا رسولؐ، لوگوں کی تنقید سے نہیں بچے تو پھر وہ (راوی) کیسے بچ سکتا ہے۔
۱۳۹	۱۴۶	۶	(عربی) اللہ تعالےٰ ان کی کوششوں کو نتیجہ خیز بنائے اور انھیں ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے
۱۴۰	۱۴۶	۸،۷	(فارسی شعر) میں اپنے اسلاف کی طرح عزم و ہمت والا ہوں میں ایسا کمینہ نہیں ہوں کہ خود میں نمک کھاؤں اور نمک دانی کو توڑ دوں۔
۱۴۱	۱۴۶	۱۰	تاکہ جو ہلاک ہو تو دلیل کی بنا پر ہو، اور جو زندہ کامیاب ہو وہ بھی دلیل کی بنا پر ہو۔ (القرآن ۸/۴۲)
۱۴۲	۱۴۶	۱۹	(فارسی شعر) اس قحط الرجال کے زمانہ میں ہم بھی غنیمت ہیں اور آپ بھی غنیمت ہیں۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۴۳	۱۴۷	۸	یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے بالکل اسی طرح نکلی تھی۔
۱۴۴	۱۴۷	۱۹	جو شخص سلام کرے تم اسے (بلا تحقیق) غیر مسلم قرار نہ دو۔ (القرآن ۴/۹۴)
۱۴۵	۱۴۸	۲	(عربی) دیکھیے صفحہ ۷۷ کی سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۳)
۱۴۶	۱۴۸	۱۲	(عربی) صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر
۱۴۷	۱۴۸	۲۳	حسینوں سے محبت کرنے پر مجھے ملامت کرنے والے اپنی نصیحت نہ سننے پر ناراض نہ ہو بلکہ میری معذرت قبول کر کیونکہ اگر تو انصاف سے کام لیتا تو میرے اس طرز عمل پر مجھے ملامت کرنے سے باز رہتا۔
۱۴۸	۱۴۹	۳	(فارسی) اگر گھر میں کوئی بھی ہے تو بس یہی کافی ہے۔
۱۴۹	۱۴۹	۱۱	اگر تو اپنی ماں کی عزت کرتا ہے تو میری ماں کو بھی بُرا بھلا نہ کہہ۔
۱۵۰	۱۵۳	۱۳	دیکھیے صفحہ ۸۰ اسطر ۲ (ضمیمہ نمبر شمار ۷۷)
۱۵۱	۱۵۴	۹	کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اگر کسی چیز کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس کے وجود کا ماننا بھی لازمی ہوگیا۔
۱۵۲	۱۵۵	۳	(فارسی) یہ وہی پتھر ہے جو تو نے میرے سر پر مارا تھا۔
۱۵۳	۱۵۵	۸	(عربی) اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو آگ میں جلنے والی قربانی (کا حکم) لیکر نہ آئے۔ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء کرام دلائل کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ تشریف لائے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، مگر تم نے تو انھیں بھی تسلیم نہیں کیا۔ (القرآن ۳/۱۸۳)
۱۵۴	۱۵۶	۴	(عربی شعر) اے میرے بیٹے سفاح! تم یکم شوال کو مرکر ہم سے جدا تو

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			ہوگئے۔ لیکن ہر یوم النحر (قربانی کے دن) کو تمھاری موت پھر زندہ ہوجاتی ہے (تمھارے مرنے کا غم تازہ ہوجاتا ہے)
۱۵۵	۱۵۷	۶	(عربی) اور ہم نے ان کے بعد ان کی سنت کا اتباع کرنے والی ایک جماعت چھوڑدی۔ (القرآن ۳۷/۱۰۸)
۱۵۶	۱۵۷	۱۱	(عربی) اور ہم نے اس کی تعریف و توصیف بعد کی نسلوں میں چھوڑدی۔
۱۵۷	۱۵۷	۱۱	(عربی) اور ہم نے بعد والوں پر ان کی سنت لازم قرار دیدی۔
۱۵۸	۱۵۷	۱۴	(فارسی) مشک وہ ہے جو خود خوشبو دے نہ کہ وہ جس کو عطار کہے (کہ یہ مشک ہے)
۱۵۹	۱۵۸	۳	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی ــــ اور میری امت میں سے جس نے قربانی نہیں کی۔
۱۶۰	۱۵۸	۴	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی جبکہ اس کو پڑھنی چاہیئے تھی ــ اور میری امت میں سے جس نے قربانی نہیں کی جبکہ قربانی اس کو کرنی چاہیے تھی۔
۱۶۱	۱۵۸	۱۰	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کے جنازہ میں مسلمان شامل نہ ہوں۔
	۱۵۸	۱۰	(عربی) میری امت میں سے جو استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ مسلمانوں کی عیدگاہ میں نہ آئے۔
۱۶۲	۱۵۸	۱۸	(عربی) دیکھیے صفحہ ۱۰۱ سطر ۲۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۶۵)
۱۶۳	۱۵۹	۲	یہ شعر قواعد عربی سے متعلق ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ چار مقامات یعنی شرط، جزا، دعا اور صلہ ماضی میں آئیں تو ان کے معنی مستقبل میں لیے جاتے ہیں۔
۱۶۴	۱۵۹	۲۱	(فارسی) یہاں بال سے بھی زیادہ باریک ہزاروں نکتے موجود ہیں۔

نمبرشمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ وتشریح
۱۶۵	۱۶۰	۱۲	اگر آپ یہ بات نہیں جانتے تو ایک مصیبت ہے۔ اور اگر جانتے بوجھتے انکار کرتے ہیں تو دوہری مصیبت ہے۔
۱۶۶	۱۶۰	۲۱	**تقابل عدم وملکہ کی تعریف** جب کوئی چیز کسی جگہ ایک خاص وقت میں ہونی ضروری ہو، مگر نہ پائی جائے اسے عدم وملکہ کہتے ہیں۔ تقابل عدم وملکہ کی مثال جیسے خواجہ سرا کے جوان ہونے کے بعد بھی ان کی داڑھی مونچھ نہیں نکلتی، حالانکہ (اس عمر میں) نکلنی چاہئے۔ اس کے برعکس عورتوں پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ کیونکہ داڑھی مونچھ ہونا ان کی خصوصیت ہے ہی نہیں۔
۱۶۷	۱۶۱	۹	(عربی) میری امت کے جن لوگوں کو قربانی کا گوشت نہیں ملا ان کے لئے میری یہ دعوت ہے۔
۱۶۷ الف	۱۶۱	۱۳	یہ سارا مسئلہ تمہارے سخن شناس نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے۔
۱۶۸	۱۶۲	۲۲	کیونکہ بلاشک وشبہ تمام شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے۔ یہ عربی ضرب المثل اس موقعہ پر بولی جاتی ہے جب کسی کے اکثر کام کسی ایک چیز سے پورے ہو جائیں۔ اس سے ملتی جلتی اردو میں یہ ضرب المثل ہے کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔
۱۶۹	۱۶۲	۱۲	اے اللہ صلوٰۃ بھیج ابی اوفیٰ اور ان کی آل پر۔
۱۷۰	۱۶۳	۶	پس جو لوگ ایمان لائے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ (القرآن ۲/۲۱۳)
۱۷۱	۱۶۳	۷	دیکھئے صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
۱۷۲	۱۶۳	۲۰	ان سے کوئی حرج نہیں۔ گزارے لائق ہیں۔
۱۷۳	۱۶۴	۲	پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ جس میں ایک

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			دروازہ ہوگا۔ (القرآن ۵۷/۱۳)
			اس کو یہ جس طرح پڑھتا تھا اس کا ترجمہ ہوا۔ "پھر ان کے درمیان ایک بکی حائل کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا"۔
			ظاہر ہے یہ حرکت قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے ہے۔
۱۷۴	۱۶۴	۷	شاید انھوں نے توبہ کرلی ہو۔
۱۷۵	۱۶۶	۱۸	سوائے اس کے جس پر پروردگار نے رحم فرمایا ہو (القرآن ۱۱/۱۱۹)
۱۷۶	۱۶۶	۱۸	"سوائے اس کے" میں جو مستثنیٰ کئے گئے ہیں ان کا مصداق ہم ہیں۔
۱۷۷	۱۶۷	۸	اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، ان کی نیکیوں کے اجر میں زیادہ سے زیادہ اضافہ فرمائے۔ اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے۔
۱۷۸	۱۶۷	۸	دیکھئے صفحہ ۷۷ سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۳)
۱۷۹	۱۶۸	۱۷	دیکھئے صفحہ ۱۱۰ سطر ۱۸۔ (ضمیمہ نمبر شمار ۸۴)
۱۸۰	۱۷۰	۱۰	(فارسی) دیکھئے صفحہ ۱۵۷ سطر ۱۴ (ضمیمہ نمبر شمار ۱۵۸)
۱۸۱	۱۷۰	۱۶	ایک اونٹ کے برابر بوجھ بلکہ کئی اونٹوں کے برابر بوجھ
۱۸۲	۱۷۰	۱۸	کوفی محدثین کے نمایاں ترین حضرات۔
۱۸۳	۱۷۰	۲۰	ان لوگوں نے کوفے والوں کی حدیثوں میں فساد پھیلایا ہے۔
۱۸۴	۱۷۰	۲۱	علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا کہ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہر وہ اہم بدعتی شخص جو اپنے خیالات کا مبلغ ہو اس سے روایت لینا بند کردو۔ تو یحییٰ بن سعید نے جواب دیا کہ اگر یہ طرز عمل اختیار کیا جائے تو پھر تم قتادہ، ابن ابی رَوّاد، عمر بن ذر ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کا ذکر کرکے کہا کہ پھر ان کے متعلق تمہارا طرز عمل کیا ہوگا؟ (یہ بھی تو بدعتی ہیں اور اپنے بدعتی خیالات کے مبلغ ہیں)۔ پھر بولے کہ اگر اس قسم کے بدعتی لوگوں سے تم نے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			روایت یعنی ترک کردی تب تو بہت سارے راویوں کو چھوڑنا پڑیگا معتمر بن سلیمان، ابو عمرو بن العلاء کا قول نقل کرتے ہیں کہ قتادہ اور عمرو بن شعیب ہر ایرے غیرے شخص سے روایت کرلینے کے مریض ہیں۔ جریر بن مغیرہ سے اور وہ شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ قتادہ کی مثال رات کو لکڑیاں چننے والوں کی سی ہے۔ (جو اندھیرا ہونے کی وجہ سے اچھی بری ہر قسم کی لکڑیاں جمع کرلیتا ہے بلکہ بسا اوقات لکڑیوں کے گٹھے میں سانپ کو بھی اٹھا کر گھر لے آتا ہے)۔
۱۸۵	۱۷۱	۷	(فارسی) اگر تیرا پیر و مرشد تجھ سے اپنے سجادہ (گدی) کو شراب میں ڈبو کر رنگین کرنے کے لئے کہے تو کرلے۔
۱۸۶	۱۷۱	۱۱	ہوسکتا ہے کہ اعمش نے یہ روایت کسی ناقابل اعتماد شخص سے لی ہو، مگر تدلیس کرکے (دھوکا دے کر) اس کا اظہار نہ کیا ہو، جس کی وجہ سے بظاہر سند بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال میرے نزدیک اس حدیث کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔
۱۸۷	۱۷۱	۱۵	دیکھئے صفحہ ۸۷ سطر ۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۳۸)
۱۸۸	۱۷۱	۲۰	جو اچھی بات کی ابتدا کر جائے تو جو اس کے بعد اس اچھائی پر عمل کرے گا اس کا ثواب اسے بھی پہونچے گا۔
۱۸۹	۱۷۱	۲۱	اور جو برائی کی کوئی ابتدا کرے گا تو بعد میں آنے والوں کے گناہوں کا وبال اس پر بھی پڑے گا۔
۱۹۰	۱۷۲	۱۳	(عربی) صرف لوگوں کی سہولت کے لئے اس ایصال ثواب کو جائز قرار دیا ہے۔ (بدائع الصنائع)
۱۹۱	۱۷۲	۱۳	(عربی) ورنہ اصول اور عقل کے رو سے یہ ایصال ثواب جائز نہیں کیونکہ موت کی وجہ سے مرنے والے کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے۔ ... (بدائع الصنائع)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۹۲	۱۷۳	۱۳	البتہ فلاں فلاں روایت کی رو سے میت کے لئے صدقہ کرنا یا اس کے لئے قربانی کرنا جائز ہے (بدائع الصنائع)
۱۹۳	۱۷۲	۱۶	(فارسی) معمار جب پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھے تو دیوار ثریا تک بھی جائے تو ٹیڑھی ہی جائے گی۔
۱۹۴	۱۷۳	۳	ورنہ اگر آپ سچے ہیں تو دلیل پیش کیجئے۔
۱۹۵	۱۷۶	۱۳، ۱۴	(فارسی) گفتگو (بحث و تمحیص) درویشوں کا دستور نہیں ہے ورنہ ہم بھی تم سے ان سارے مسائل پر اچھی طرح گفتگو کرتے۔
۱۹۶	۱۷۶	۱۵ تا ۱۸	ہماری تمہاری بات چیت تو رہتی ہی ہے اور تمہیں بحث و مباحثہ کی عادت ہے۔ اب گفتگو کی ابتدا تم نے خود کی ہے اور یہ بساط سخن تم ہی نے بچھائی ہے۔ اب جبکہ تم میں بحث کرنے کی طاقت نہیں رہی تو یہ کہتے ہو کہ گفتگو کرنا درویشوں کا طریقہ نہیں ہے۔
۱۹۷	۱۷۶	۱۹	تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (القرآن ۱۰۹/۶)
۱۹۸	۱۷۶	۲۱	لوگوں کو عادت ہے کہ باہم ناراضگی کی حالت میں بات چیت ختم کرتے ہوئے سورۂ کافرون کی اس آیت کو پڑھ لیا کرتے ہیں۔ مگر یہ طرز عمل ناجائز ہے کیونکہ قرآن مجید باہم جھگڑوں میں تنزیہ طور پہ ایک دوسرے کے خلاف استعمال کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔
۱۹۹	۱۷۷	۲	(عربی) آپ اپنے آباؤ اجداد کے طرز عمل پر خوش رہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے امانت دار اپنے نبیؐ کے طرز عمل پر خوش ہوں (صلوٰۃ و سلام ہو ان پر، ان کی ازواج مطہرات پر ان کے صحابہؓ کرام پر قیامت کے دن تک۔
۲۰۰	۱۷۷	۱۰	(عربی شعر) اے جریر اگر تم لوگوں کے درمیان عظمت و برتری کا

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۲۰۱	۱۷۷	۱۳	مقابلہ کرانے کے لئے کوئی اجتماع کرو گے تو میرے ان آبا و اجداد کی مثل کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکو گے۔

(عربی اشعار کا ترجمہ)

(۱) گذشتہ بزرگوں پر فخر کرنے والے، مرے ہوؤں پر فخر کرنا کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

(۲) پھر جن بزرگوں کا تم نے تذکرہ کیا ہے وہ تو حقیقت میں تمہارے آبا و اجداد ہیں بھی نہیں۔ کیا تم اپنے حقیقی آبا و اجداد پر قانع رہنا کافی نہیں سمجھتے؟

(۳) تم دوسروں کی بنیاد پر اور ان کی چھوڑی ہوئی میراث پر فخر کرتے ہو کیا یہ قابل شرم بات نہیں؟

(۴) دوسروں کے آبا و اجداد کو مستعار لیکر فخر کرنا درحقیقت فخر کرنے والوں کے لئے ناپسندیدہ بات ہے۔

(۵) اگر تمھیں گذرے ہوئے حضرات پر فخر کرنے کا اسی قدر شوق تھا تو پھر متاخرین کے بجائے متقدمین پر جو واقعی اسلاف ہیں فخر کرتے (یعنی صحابہ کرام پر)

(۶) بہر حال اگر آپ اپنے مزعومہ آبا و اجداد کو ایسا ہی زبردست سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نے تذکرہ کیا ہے تو یونہی سہی آپ ان سب کو مقابلے پر لے آئے ہیں۔ انشاء اللہ ان سب کو (قرآن کریم کے دلائل سے) زیر کرنے کے لئے تیار رہوں۔
